خصائص النبی ﷺ

پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات پر
اردو زبان میں پہلی مفصل اور مدلل کتاب
قرآن کریم، احادیث اور سیرت کی معتبر و مستند کتابوں سے

۱

حافظ
زاہد علی

راحت پبلشرز
5/A- یوسف مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار لاہور

ورفعنا لک ذکرک
اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا

خصائص النبی ﷺ

پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات پر
اردو زبان میں پہلی مفصل اور مدلل کتاب
قرآن کریم، احادیث اور سیرت کی معتبر و مستند کتابوں سے

1

حافظ
زاہد علی

راحت پبلشرز
5/A-یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

ورفعنا لک ذکرک
اور بلند کیا ہم نے ذکر تیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت اول

۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء

خصائص النبی ﷺ

حافظ زاھد علی 0300-9445441

کمپوزرز/ڈیزائنر: مسعود فرید، محمود فرید 0333-4331105, 0321-4065548

راحت پبلشرز 5/A-یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

ادارہ اسلامیات 190-انارکلی، لاہور۔ پاکستان 042-7243991 (تقسیم کار)

یمانی پرنٹرز، 25-ہجویری پارک ریٹی گن روڈ لاہور 042-7357430

بسم الله الرحمن الرحيم

لا اله الا الله محمد رسول الله

صلی الله علیه وآله وسلم

انتساب

بہت پیار کرنے والے

اللہ رب العزت

کے نام

جنہوں نے اس پیغمبر کی اُمّت میں سے بنایا
جنکا اُمّتی بننے کی خواہش انبیاء نے بھی کی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم

صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

اللهم

بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

كتبه الفقير نفيس الحسيني اللاهوري غفر الله ذنوبه وستر عيوبه في رمضان المبارك سنة ١٤١٣ه

فہرست

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد نمبر 1

- اپنے رب کے حضور میں 15
- برصغیر کے جید علمائے کرام اور اہل علم و دانش کی آراء........ 19
- حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی حفظہ اللہ........... 21
- حضرت اقدس مولانا محمد عبید اللہ حفظہ اللہ............ 23
- پروفیسر ڈاکٹر علامہ سید سلیمان ندوی حفظہ اللہ......... 25
- پروفیسر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی حفظہ اللہ............ 28
- ڈاکٹر محمود الحسن عارف حفظہ اللہ.................. 34
- پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک حفظہ اللہ.............. 37
- حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا احمد شفیع حفظہ اللہ........ 40
- مقدمہ 43
  - نبوت کسبی نہیں وہبی ہے 46
  - نبی کے معنیٰ 47
  - وحی کی وجہ سے دولتمندوں کی سازشوں کی اطلاع....... 51
  - نبی اور رسول کے مقام میں نبی اور رسول ہی کلام کرسکتا ہے 51

- انبیاء کے فضلات پاک ہوتے ہیں 58
- انبیاء کی وفات بھی بہت خصوصیت کی حامل ہوتی ہے 59
- انبیاء کرام اور عام انسانوں کی موت کا فرق ہوتا 62
- تمام خصوصیات کے باوجود انبیاء بشر ہوتے ہیں 68
- وحی انبیاء کی سب سے بڑی خصوصیت ہوتی ہے 69
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہی نہیں بلکہ نبی الانبیاء تھے 71
- کائنات اپنی بقاء میں آپ کی محتاج ہے 72
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعثت عام تھی 73

باب نمبر 1 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی خصوصیات

- جسمانی خصوصیت 83
- پیدائش کے وقت پاکیزگی 85
- ناف بریدہ اور مختون پیدا ہونا 90
- شق صدر ہونا 92
  - شق صدر کے اسرار 94
- قوت ذائقہ کی خصوصیت 96
- دست مبارک کی خصوصیت 98
- آواز کی خصوصیت 100
- چشم مبارک کی خصوصیت 101
  - نبی اور امتی کی قوت بصریہ میں فرق 103
- قوت سامعہ کی خصوصیت 106

□ لعاب دہن کی امتیازی خصوصیت 108
□ فضلات کی طہارت 110
- پسینہ مبارک کی خوشبو 110
- ایک اشکال کا جواب 112
- دیگر فضلات کی بحث 116
- سید محمد بدر عالم مدنیؒ کی محدثانہ بحث 118
- محدث کا کسی حدیث کو ضعیف قرار دینا حرف آخر نہیں ہوتا 119
- محمد رسول اللہ ﷺ کی علوشان کا حق یہی ہے 119
- سیدہ ام ایمن کا پیشاب پینے کا واقعہ 121
□ نیند کی خصوصیت 123
□ جسمانی طاقت 127
- رکانہ کو پچھاڑنا 127
- ابوالاسود جمحی کو پچھاڑنا 130
- جنگ احزاب میں چٹان کو توڑنا 131

باب نمبر 2 محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصی اور صفاتی خصوصیات

□ بے مثال فہم و فراست 139
- حجر اسود کی تنصیب 143
- مواخات مدینہ 147
- میثاق مدینہ 148
- دشمن کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ 151
- معاہدۂ حدیبیہ کی ایک عجیب شرط 152

- جوامع الکلم عطا فرمانا 156
  - چند جوامع الکلم کی مثالیں 157
- خاتم الانبیاء والمرسلین کی خصوصیت 159
- رعب سے نصرت کیا جانا 175
  - سرداران قریش کا مرعوب ہونا 179
  - ایک کافر کا ہیبت زدہ ہونا 180
  - عمیر بن وہب کا مرعوب ہونا 181
  - والئ یمن کے سفیر کا ہیبت زدہ ہونا 183
  - قیصر روم کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرعوب ہونا 185
  - سیدہ قیلہ بنت مخرمہ کا مرعوب ہونا 187
- تمام زمین کو سجدہ گاہ بنایا جانا 190
- مال غنیمت کو حلال قرار دینا 193
- اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا 200
- اللہ تعالیٰ کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم کھانا 213
  - کوہ طور اور مکہ شہر کی بھی قسم کھائی گئی 214
- تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ 219
- تقسیم وراثت کے بارے میں خصوصیت 223
- اعضاء مبارکہ کا قرآن حکیم میں ذکر فرمانا 227
- حالت نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنا 232

□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیطان کا مسلمان ہونا............ 235
□ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا.............. 242
□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب کائنات کی تخلیق اول............ 248
□ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے شاہد اول.............. 251
□ بنات طاہراتؓ پر سوکن کا نہ آنا.............. 253
□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، شہر اور زمانہ کی قسم کھانا........ 256
□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیت کی خصوصیت............ 257
□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کی خصوصیت.............. 259
□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا اہتمام.............. 261
□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا جواب دینا 269
□ مستجاب الدعوات ہونا.............. 272
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کے چند واقعات..... 277
- سیدنا عمرؓ کے اسلام کے لیے دعا.............. 277
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے لیے رزق کی دعا........ 281
- سیدنا ابن عباسؓ کے لیے علم وحکمت کی دعا.............. 283
- سیدنا انس بن مالکؓ کے لیے مال واولاد کی دعا........ 285
- سیدنا سعدؓ کی شفایابی کی دعا.............. 286
- سیدنا سعدؓ کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا........ 288
□ بارش کے لیے دعا کرنا.............. 290

- ام ابی ہریرہؓ کی ہدایت یابی کی دعا 297
- قبیلہ دوس کے مسلمان ہونے کی دعا 299
- رؤسائے قریش کے لیے بددعا 304
- مدینہ کی خوشگواری کے لیے دعا 305

□ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کثیر الاسماء ہونا 308

- ایک اشکال اور اس کا جواب 311
- جب اللہ تعالیٰ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں تو ہماری کیا ضرورت ہے؟ 312
- اللہ تعالیٰ کی طرف صلوٰۃ اور بندوں کی طرف سلام کی نسبت کی وجہ 313
- درود شریف پڑھنے کی فضیلت 313
- ایک اشکال اور اس کا جواب 315
- روایات میں رفع تعارض 317
- احمد اور محمد میں فرق 329
- حمد کو ہر لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصیت ہے 331

□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت سے وفات سے کسی شے کا خارج نہ ہونا 336

□ آواز کا دور تک قابل سماعت ہونا 338

□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کا نہ سونا 340

□ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پس پشت بھی دیکھنا 342

☆☆☆

اپنے رب کے حضور میں

وأحْسَن مِنکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ　　وَأجْمَل مِنکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءَ
خُلِقْتَ مُبَرَّأمِنْ كُلِّ عَيْبِ　　كَأنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَاتَشَآء
جہاں میں ان سا چہرہ ہے نہ ہے خندہ جبیں کوئی　　ابھی تک جن سکیں نہ عورتیں ان سا حسیں کوئی
نہیں رکھی ہے قدرت نے میرے آقا کی تجھ میں　　جو چاہا آپ نے مولی وہ رکھا ہے سبھی تجھ میں

خالق ارض وسماء نے انسان کو جسم وروح کے حسین امتزاج سے پیدا فرمایا ہے انسانی زندگی جسم وروح سے عبارت ہے، انسان کے بنیادی تقاضے بھی یہی ہیں کہ وہ جسم وروح ہر ایک کی ضروریات کی دیکھ بھال کرے۔ جسم کا تعلق سفلیات سے ہے اور اس کے تقاضے بھی سفلی ہیں، جبکہ روح کا تعلق علویات سے ہے اور اس کے تقاضے بھی علوی ہیں۔ پرودگار عالم نے اس کارخانہ کائنات میں جسم انسانی کے لئے زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، حیوانات، نباتات، جمادات، سیارے، دن اور رات بنائے اور روح انسانی کے لئے اپنی جناب سے ہدایت کے راستے اور اعلیٰ قوانین عنایت فرمائے۔ اور ہر زمان و مکان میں ایسی ہستیوں کو بھیجا جنہوں نے خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے قوانین عملی طور پر انسانوں کو پیش کیے۔ یہ سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور سوا لاکھ کے قریب انبیاء ورسل مبعوث کیے۔ ہر نبی نے جہاں خلق خدا کو خدا کا پیغام سنایا، ساتھ ساتھ عظیم الشان پیغمبر کا مژدہ جاں فزا بھی سنایا۔ چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اعلان رہا:

> ”اے مجھ پر ایمان لانے والو میرا مشن اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک صحرائے عرب پر وہ سورج طلوع نہ ہو جو تاریکی کو ہمیشہ کے لئے ختم کردے گا“۔

بنی نوع آدم میں حضرات انبیاء کرام رب کائنات سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اور سید الانبیاء والمرسلین قرب الٰہی کے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں، سرکار دو عالم ﷺ کو ہر صفت کامل و اکمل اور دائمی عطاء فرمائی گئی اللہ جل شانہ کی ذات بابرکات قرآن کریم میں خود ان کی مدح سرا ہے۔ کہیں رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْن کہیں خُلُقٍ عَظِیْم، کہیں رَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ اور وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی فرما کر تو پوری کائنات سرنگوں کر دی۔ اس عظیم ہستی کو بندوں کی تعریف کی کہاں ضرورت تھی؟ بقول ذکی کیفی مرحوم ؎

آپ کی مدح کر سکے تاب کہاں زبان کو — آپ ہیں مرکز وجود، آپ ہیں بحر بے کنار

اسی مفہوم کو یوں بھی ادا کرتے ہیں ؎

توصیف کا حق کیا ہو ادا میری زباں سے — میں ذرۂ ناچیز وہ انوار کی دنیا

اس ہستی کو خدا تعالیٰ نے سب سے بڑھ کر عنایات دیں اور بے پناہ عنایات دیں مخلوق ان عنایات کو ان خصائص کو کہاں شمار کر سکتی ہیں؟

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

تاہم اظہار محبت میں بے شمار غلاموں نے اپنے آقا کے ساتھ نسبت مضبوط کرنے کے لئے اپنے علم کے مطابق کچھ نہ کچھ لکھا اور بہترین لکھا ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بندہ عاجز نے بھی ان لکھنے والوں میں اپنا نام رقم کروانے کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کی ان گنت خصوصیات میں سے چند ایک کو اسلاف کی کتب سے ترتیب دے کر ایک مرقع تیار کیا ہے اور اس میں حتی الوسع کوشش کی ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں سلف صالحین کے دامن کو نہ چھوڑوں اور یہی گوشہ عافیت بھی ہے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ میری یہ تمام کاوش انہی حضرات کا فیضان ہے اگر کہیں سقم اور ضعف ہے تو وہ فقط بندہ کی کم مائیگی ہے، جس پر بندہ ہر آن معافی کا خواستگار ہے کیونکہ موضوع بہت بڑا ہے اور بندہ اور اس کا علم انتہائی کمزور ہے۔ یہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے اور اسے اسی نظر سے

دیکھا جائے اور یہ علم دوستی ہوگی اگر میری غلطیوں پر متنبہ کیا جائے تاکہ انہیں دور کیا جاسکے۔

سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ ''جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا'' اس لیے ان تمام حضرات کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہوں جن کی سرپرستی اور مدد ہر آن شامل حال رہی۔

ان میں سے سب سے اہم شخصیت جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی ہے جنہیں میں تحریر کے میدان میں اپنا مرشد سمجھتا ہوں اور اس میدان میں میری آمد کا سارا سہرا حضرت حکیم صاحب کے سر ہے اس پیرانہ سالی میں بھی اس کتاب کو حضرت حکیم صاحب نے بالاستیعاب پڑھا اور میری ہر ناقص تحریر کو کامل بنانے اور لفظی ومعنوی حسن سے معمور کرنے، جملوں کی درستگی، عبارت کی سلاست اور روانی کو قائم رکھنے میں ان کی پوری سرپرستی حاصل رہی۔ اور تمام ان دوست احباب کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کی تخریج اور حوالہ جات کی صحت کو یقینی بنانے میں بھرپور مدد کی جن کی بدولت ساری کتاب مدلل ہوگئی ہے۔ اور ایسے ہی اپنے بہت پیارے دوست مفتی محمد معاذ صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے ترتیب وتدوین میں بہت اعانت کی۔

ایسے ہی اُن تمام حضرات کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کو پڑھا اور بندہ کی خواہش پر اپنے بابرکت کلمات تحریر کیے جو کتاب کے ابتدائی صفحات کی زینت ہونے کے ساتھ ساتھ بندہ کے لیے ایک سند اور شہادت کا درجہ ہیں۔

ایسے ہی اس کتاب کے کمپوزر جناب مسعود فرید اور محمود فرید صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں جن کو حوالوں کے فٹ نوٹ پہ ہونے کی وجہ سے بہت محنت کرنا پڑی اور اس پر ان کا بہت سا وقت صرف ہوا۔ اسی لیے اس کتاب کا ظاہری اور باطنی حسن انہیں بھائیوں کی مرہون منت ہے۔

میں نہیں بھول سکتا اس ہستی کو جنہیں میں نے شعور کی آنکھ کھولتے ہی رب حضور کے سامنے، جب ساری دنیا سوتی تھی سجدہ ریز دیکھا۔ جن کی آہوں اور سسکیوں کی گونج ہمارے لیے نماز فجر کے لیے بیداری کا سبب بنتی تھی۔ جنہیں ہم نے ہمیشہ

صف اول کا نمازی، تکبیر اولیٰ کا پابند، اذان بلالی کا وارث، عجز و انکساری کا پیکر، محبتیں اور خوشیاں بانٹنے والا، ہر وقت چہرے پہ طمانینت لیے، مسکراتے اور شکر ایزدی ادا کرتے ہی دیکھا یقیناً اولاد کے لیے اپنے والدین کی دعاؤں سے بڑھ کر کامیابی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ میرے لیے بھی بے لوث دعاؤں کا منبع میرے والد محترم حاجی ملک اللہ دتہ رحمہ اللہ کا وجود تھا جنہوں نے 26 جولائی 2002ء (شب جمعہ) کو اپنے رب کے حضور لبیک کہا اور ہمیشہ کے لیے سکون کی نیند سو گئے۔ میری اس کامیابی میں یقیناً اُن کی دعاؤں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جن کی لذت و حلاوت آج بھی محسوس ہوتی ہے اور جن کی برکات ان شاء اللہ آئندہ بھی میرے شامل حال رہیں گی۔

اور دعا گو ہوں اس ہستی کے لیے جو اب میرے لیے دعاؤں کا منبع اور خلوص و محبت کا پیکر اور میری تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل ہے جن کی رؤیت میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک اور دل کا سرور ہے، اور وہ ہیں میری والدہ ماجدہ اللہ جل جلالہٗ ان کے سایہ عاطفت کو تادیر سلامت رکھیں، آسمانی و زمینی حوادثات اور ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

آخر میں میری پھر اہل علم سے گذارش ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین میں کہیں سقم محسوس فرمائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تا کہ دوسری اشاعت میں اس سقم کو دور کیا جا سکے اور یہ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ محبت کا ثبوت ہو گا۔

چونکہ یہ کتاب سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت پر تھی اس لیے پوری کوشش کی ہے کہ اس کا ظاہری حسن بھی شایان شان ہو اس کے کاغذ، طباعت اور جلد بندی میں بھی سقم نہ ہو۔

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور سرکار دو عالم ﷺ کی محبت اور شفاعت کا ذریعہ بنائے اور امت مسلمہ کی تمام مشکلات و مصائب کو دور فرمائے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے بارے میں برصغیر کے

جید علماء کرام اور اہل علم و دانش

کی آراء

حضرت اقدس
مولانا محمد سالم قاسمی حفظہ اللہ
رئیس
دارالعلوم دیوبند (وقف)
انڈیا

محترم پروفیسر حافظ زاہد علی صاحب کی تصنیف لطیف نظر نواز ہوئی۔ موضوع کتاب کی لطافت وندرت بذات خود اتنی دلکش و جذاب ہے کہ کتاب دیکھ کر پڑھے بغیر چین نہیں آتا، اور پڑھنا شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر آسودگی نہیں ملتی۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ایسی سراپا خصائص کی حامل تھی کہ انہیں کسی میں بھی دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام سے نفس نبوت کے سوا کسی دوسری چیز میں اشتراک نہیں تھا۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات علم کی اس صفت میں کہ جو نبوت کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ دیگر انبیاء کرام مثلاً حضرت آدم علیہ السلام "عِلْمُ الْأَسْمَاءِ" کے حامل تھے۔ ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام "ملکوت السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ" کے علم پر فائز تھے۔ یوسف علیہ السلام "رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ" کی روشنی میں تعبیر خواب کے علم عظیم سے مشرف تھے۔ اور صفات مختصہ میں گریۂ یعقوب، صبر ایوب، شکر داؤد، ذبح ولد میں ایثار ابراہیم، جاں سپاری میں اطاعت اسمٰعیل علیہم السلام وغیرہم مذکورہ ایک ایک صفت و خصوصیت سے موصوف ومتصف تھے۔ لیکن خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو اَنَا اَوَّلُهُمْ خَلْقًا وَآخِرُهُمْ بَعْثًا اور كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ کی اولیت ہے، اور "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" اور "أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" کی آخریت سے نوازنا بذات خود اس طرف مشیر ہے کہ مذکورہ اور غیر مذکورہ تمام انبیاء کرام کی انفرادی وہ خصوصیات تھیں کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اجتماعی طور پر عطا فرما کر آپ کی امتیازی

خصوصیات بنا دی گئی تھیں۔لیکن اصل خصائص محمدی کا آغاز تو ان سب کے بعد ہی منصۂ شہود پر آیا اور بقدر ضرورت علم تمام انبیاء کرام کو ملا لیکن آپ کو أُوتِيتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخَرِيْنَ سے مشرف فرمایا گیا۔لیکن آپ کا اختصاصی وہ علم جو خصائص محمدی میں ہے وہ "عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ" ہے۔جس کی نہایت تک تمام ارباب فضل وکمال نہ آج تک پہنچ سکے ہیں اور نہ کبھی پہنچ سکیں گے۔

ایک ایک خصوصی صفت سے جو تمام انبیاء کرام کو عطا فرمائی گئیں ان سب کے علاوہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدیت کاملہ کے ساتھ اللہ رب العزت نے اپنی ان آیات صفات مختصہ کے حق کے مشاہدہ ایک بار نہیں بار بار نوازا کہ جو لا یسعہ ملک مقرب ولا نبی مرسل کا حقیقی مصداق ہیں۔

ان خصائص بے شمار کا احاطہ امت کے ارباب فضل وکمال نہ کر سکے ہیں اور نہ کرسکیں گے، لیکن اس فیضانِ نبوی سے محرومی بھی امت کے اربارب علم وفضل کو گوارا نہیں ہوئی۔اس لیے ان خصائص کے کسی نہ کسی حد تک ذکر سے ارباب علم اپنی سعادتوں پر اضافہ کرتے رہے ہیں۔

اس توفیق سے اللہ تعالیٰ نے مصنف کتاب خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم، محترم پروفیسر مولانا حافظ زاہد علی صاحب کو بھی نوازا۔مصنف موصوف نے اردو زبان کو ایک ناقابل فراموش ہدیہ علمیہ سے نواز کر شکر گزار فرمایا۔حق تعالیٰ موصوف کی اس خدمت جلیلہ کو قبولیت عامہ، قبولیت تامہ، ارزانی فرمائے، اور زاد آخرت فرما کر رضائے کامل سے نوازے۔

حضرت اقدس
مولانا محمد عبید اللہ مدظلہ
فاضل دیوبند، ستارہ امتیاز حکومت پاکستان
رئیس جامعہ اشرفیہ، لاہور پاکستان

(خصائص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسا عنوان ہے جس کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے انتہائی اہمیت ہے۔ اگرچہ ہر سیرت نگار نے اس عنوان کو سیرت کا ایک جزء بنایا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ اس پر لکھا ہے مگر صرف اس موضوع پر اب تک لکھی جانے والی کتب کی تعداد یقیناً کم ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے بعد سے لکھی جانے والی کتابوں کے ماخذ وہی کتب ہیں جو چھٹی صدی ہجری سے پہلے کی ہیں تاہم ترتیب اور اسلوب تحریر میں مختلف ہیں۔ ہر دور میں اس دور کے تقاضوں اور زبانوں کے لحاظ سے خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمع کیا جاتا رہا ہے۔ خود ہندوستان میں اردو زبان پر کئی ادوار آئے اس کے تلفظ سے لے کر نقش تحریر تک میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ خصائص نبوی کے بکھرے موتیوں کو نئے نئے انداز میں جمع کیا جاتا رہا۔ اہل علم و دانش منفرد انداز میں یہ موتی پروتے رہے یہاں تک کہ جامعہ اشرفیہ کے ایک ذی استعداد اور ہونہار استاذ حافظ زاہد علی سلمہٗ (جو جامعہ سے فارغ التحصیل بھی ہیں) نے اپنے انداز میں خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمع کیا ہے۔

یقیناً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حافظ صاحب نے اس کتاب میں خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ کرلیا ہے کہ ایسا کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کی ہمہ جہتی کی تحدید کسی بھی عنوان پر ناممکن ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اہم اہم خصوصیات کا ذکر اس کتاب میں آ گیا ہے۔

گو ان خصائص کو انہوں نے قرآن و حدیث اور اس موضوع کی مستند اور معتبر کتابوں سے جمع کیا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ قرون اولیٰ یا اس کے بعد لکھی جانے والی کتب سے استغناء برتتے ہوئے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا جا سکے۔

حافظ زاہد علی صاحب نے اپنی اس تصنیف لطیف میں جو انداز اختیار کیا ہے یہ اپنے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے بلکہ دور حاضر کے مزاج شناسوں کے لیے مشعل راہ بھی ہے۔اور اردو ادب کی سیرت نگاری میں گرانقدر علمی اضافہ ہے۔

مجھے امید ہے کہ دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ اس تصنیف سے تشنگان علم حسب استطاعت استفادہ کرسکیں گے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو ہم سب کے لیے خاتمہ بالا یمان کا ذریعہ بنائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

فقط والسلام

جامعہ اشرفیہ لاہور

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر علامہ سید سلمان ندوی حفظہ اللہ
سابق صدر شعبہ اسلامیات ڈربن یونیورسٹی جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حافظ زاہد علی صاحب کی کتاب خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ حافظ صاحب کا مجھ سے شدید تقاضا اور اصرار ہے کہ میں اس کتاب کے لیے ایک تعارفی مقدمہ لکھوں مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے اور اسی اعتراف کی بنا پر میں نے عذر بھی پیش کیا لیکن مجھ سے اپنے حسن ظن کی بنا پر ان کا اصرار میری معذرت پر غالب آیا۔ اس لیے اپنی علمی کوتاہی کے اعتراف کے باوجود ان کے اصرار پر چند سطریں حاضر ہیں اور ممنون ہوں کہ مجھے بھی اس سعادت میں شرکت کا موقع ملا۔

(یہ کتاب جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی خصوصیات پر مشتمل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک سے محبت تو ہر مسلمان کے ایمان کا جزو ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ہر پہلو سے کما حقہ واقفیت حاصل کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی امتیازی خصوصیات کا علم حاصل کرے۔ اردو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کی امتیازی خصوصیات پر مبنی تحریر میں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ سیرت نگاروں نے اس عنوان کی طرف کم توجہ کی ہے) البتہ قاضی سلیمان صاحب منصور پوری (م: 1349/1930) نے اپنی گراں قدر کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کی تیسری جلد میں خصائص النبی ہی کے عنوان 26 امتیازی

خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ عربی میں البتہ اس موضوع پر کئی کتابیں موجود ہیں۔ احادیث کے مجموعوں میں بھی مختصر طور پر خصوصیات محمدیؐ کا تذکرہ ہے۔ لیکن چند کتابیں جو خاص اسی موضوع پر ہیں ان میں ابوعیسیٰ محمد الترمذی (م: 279/892) کی شمائل۔ ابوبکر البیہقی (م: 458/1066) کی دلائل النبوہ۔ مالکی فقیہ قاضی عیاض ابن موسیٰ (م: 544/1149) کی الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ اور عبدالرحمٰن السیوطی (م: 911/1505) کی الخصائص الکبریٰ کو عمومی شہرت حاصل ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ کی ذاتی امتیازی خصوصیات تو اَن گنت ہیں اور ہر ایک وصف کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن ذاتی امتیازات سے نوازا تھا اس کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین جیسی عظیم خصوصیت اور سب سے بڑے شرف سے نوازا جائے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی کسی نہ کسی شکل میں معراج عطا کی گئی مگر رسول اکرم ﷺ کو جس شکل میں معراج عطا کی گئی اور جس طرح قاب قوسین اوادنیٰ کے شرف سے ممتاز کیا گیا اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

اردو میں حافظ زاہد صاحب نے رسول اکرم ﷺ کی ذاتی امتیازی خصوصیات ومحامد کو خصائص النبی کے عنوان سے ترتیب دے کر اردو خواں حضرات کے لیے بڑا ہی قیمتی سرمایہ مہیا کر دیا ہے۔ حافظ صاحب نے ان خصوصیات ومحامد کا احاطہ جس ترتیب سے اپنی کتاب میں کیا ہے اس سے نہ صرف خصوصیات محمدیؐ کا علم ہوتا ہے بلکہ اس سے اسلام کے دین کامل ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس علمی کاوش کو ہر طرح قبول عام بخشے۔

ایک بے ساختہ خواہش وتمنا کا اظہار مرتب کتاب سے کرنے کا جی چاہتا ہے کہ اس تازہ ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد اس کتاب کا ترجمہ انگریزی میں کر کے یا کرا کے شائع کیا جائے کیونکہ انگریزی میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے۔ آخر

انگریزی خواں طبقہ کو کیوں محروم رکھا جائے وہ مسلمان جو اس وقت یورپ و امریکہ میں آباد ہیں ان کی اور ان کی اولاد کی مادری زبان انگریزی ہو چکی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ان کو بھی یہ لٹریچر مہیا کیا جائے۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بس عزم کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرما دیں گے اور مالی وسائل کا بھی انتظام فرما دیں گے ع

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ

سید سلمان ندوی
حال مقیم ڈربن - جنوبی افریقہ
۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
۲۰ اپریل ۲۰۰۶ء

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی حفظہ اللہ
سابق صدر، شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج شیخوپورہ
ریسرچ آفیسر شعبہ فارسی
جی سی یونیورسٹی
لاہور

باسمہ تعالیٰ

رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات اور سیرت مبارکہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر دنیا میں سب سے زیادہ خامہ فرسائی کی گئی ہے اس کے باوجود یہ مضمون آج بھی اسی طرح شاداب اور تروتازہ ہے

کیا کیا چمن شگفتہ ہیں اس رہگذار پر
رشک گلاب ولالہ ہے اس نقش پا کا رنگ

نثر کی کتابوں، مقالات اور مضامین کی لا متناہی فہرست سے قطع نظر اگر صرف اقلیم نظم پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی قابل ذکر مسلمان شاعر ایسا ہوگا جو آنحضرت ﷺ کی مدح سرائی کی سعادت سے محروم رہا ہو اور جس نے نعت کی صورت میں آپ ﷺ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش نہ کیا ہو۔ ایک چیز جو ان سب مدحت سراؤں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے یہ ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے سے بڑے شاعر تک ہر ایک نے اس فریضے کا حق ادا کرنے میں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ عرفی جیسا خود پسند اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والا شاعر بھی جب اس میدان میں قدم رکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

اور غالب جیسا نکتہ رس اور قادر الکلام سخن ور بھی اس مقام پر پہنچ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم
کاذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

(ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم شعبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات عالیہ کے بیان سے متعلق ہے۔ یوں تو تمام انبیائے کرام علیہ التحیات والسلام ایک مسلمان کے لیے قابل احترام ہیں بلکہ ان سب پر ایمان لائے بغیر ہمارا ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ بقول ولی اورنگ آبادی

جس گرد اُپر پاؤں رکھیں تیرے رسولاں
اُس گرد کو میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ فضلنا بعضکم علیٰ بعض کی رو سے ان میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے اور بلا شبہ امام الانبیاء ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جملہ انبیاء پر بوجوہ تفوق اور برتری حاصل ہے)۔ یہی پہلو ہے جسے حافظ زاہد علی صاحب نے اپنی تالیف ''خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا موضوع بنایا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ کوئی نیا موضوع نہیں ہے۔ غالب کے شعر

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

کے مصداق اس سے پہلے عربی اور فارسی کے بعض اہل قلم اس پہلو پر اپنے اشہب قلم کو رواں دواں کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر فارسی میں ملا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی الہروی (المتوفی ۹۰۷ھ) المعروف بہ معین واعظ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ موصوف ہرات کے تیموری سلطان ابوالغازی حسین کے عہد کے مشہور فاضل، بلند پایہ مفسر قرآن اور شعلہ بیان واعظ تھے۔ مولانا جامی کے ہم عصر تھے اور ہرات کے قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ موصوف صاحب تصنیفات کثیرہ ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے اور معینی تخلص کرتے تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کا دیوان معینی محض غلط فہمی اور عقیدت کی بنا پر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ ملا معین واعظ مسلسل چالیس برس تک وعظ و تذکیر میں مصروف رہے۔ ان کی

تالیفات میں ایک ضخیم کتاب ''مدارج النبوۃ فی معارج الفتوۃ'' ہے جو ایک مقدمہ، چار اراکین اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ یوں تو اس کا موضوع حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات و سیرت ہے لیکن ضمناً کثرت کے ساتھ لطائف و اشارات درج کیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ خود اپنے اور دیگر شعرا کے اشعار سے مضامین کو آراستہ کیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن وصورت وسیرت کے جامع اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے محاسن اخلاق کے مخزن تھے

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ملا معین واعظ مدارج النبوۃ کے رکن اول کی فصل سوم میں رقم طراز ہیں، (اردو ترجمہ)

''کیا تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں جہان کے بادشاہ ہیں، ہر فقیر بے نوا کی پناہ ہیں، اٹھارہ ہزار عالم کا خلاصہ ہیں، اولاد آدم کے انسان کامل بلکہ سعادت آدم ہیں۔ حضرت شیثؑ کی سعادت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا وسیلہ تھی، حضرت نوحؑ کی کشتی نجات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نمونہ تھی، حضرت ابراہیمؑ کا سکوت خلت محمد کا ایک قطرہ تھا، حضرت سلیمانؑ کا تخت سلطنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک رکن تھا، حضرت اسمٰعیلؑ کا صدق صداقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک لمحہ تھا، حضرت یوسفؑ کا حسن جمال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک کرشمہ تھا، حضرت ایوبؑ کا صبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے پناہ صبر کا ایک ذرّہ تھا، حضرت داؤد کا نغمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کا ایک مصرع تھا، سکندر کا تخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شوکت کا ایک ادنیٰ سا دبدبہ تھا، حضرت موسیٰؑ کے مکالمات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کا ایک جزو تھا، حضرت ہارونؑ کی وزارت رتبۂ محمدی کا ایک انعام تھا، لقمان کی حکمت حکمت محمدی کے دفاتر کی ایک سطر تھی، حضرت یحییٰؑ کی عصمت عفت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ثانیہ تھا، حضرت عیسیٰؑ کی رفعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

منزل ارفع کا ایک پایہ تھا..................''

لیکن معاملہ محض مجموعۂ صفات رسل ہونے کا نہیں بلکہ اس سے آگے کا ہے چنانچہ اسی رکن کی فصل چہارم میں ''خصائص وفضائل حضرت رسالت مآب ﷺ'' کے آغاز میں کہتے ہیں: ''ان خصائص سے مراد وہ امور ہیں جو صرف سرور دو عالم ﷺ کی ذات گرامی سے ہی مخصوص ہیں، کسی دوسرے کو ان میں مشارکت نہیں۔ ان خصوصیات میں نہ تو انبیاء کرام کو شرکت ہے نہ ملائکہ علیہم السلام کو حصہ ملا ہے.......... ہم .... ان کمالات وفضائل کو بیان کرنے سے قاصر ہیں لیکن بعض خصائص کو نہایت اختصار سے بیان کرنے میں سعادت سمجھتے ہیں۔''

اس کے بعد کوئی پینتیس صفحات میں آپ ﷺ کی سولہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض کے متعدد پہلو گنوائے گئے ہیں۔ پھر مختلف انبیاؑ علیہم السلام پر آنحضرت ﷺ کی فضیلت کا موضوع چھیڑا گیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰ تک نو جلیل القدر پیغمبروں کے نام نمایاں ہیں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم کے مصداق کتاب کے خاتمے میں ایک بار پھر ان مباحث کی توسیع نظر سے گزرتی ہے۔

اس طریق کار میں یہ خامی ہے کہ ایک موضوع کو ایک ضخیم کتاب میں جگہ جگہ تقسیم کر دینے سے قارئین کرام کو زحمت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا معین واعظ جس انداز میں ایک بات سے دوسری بات پیدا کرتے اور پھر فروعات کی تفصیل دیتے ہوئے اصل سے دور ہو جاتے ہیں اس سے بھی قاری الجھن میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے حافظ زاہد علی صاحب کا انداز بیان سادہ، صریح اور قریب الفہم ہے۔ دوسری بات یہ کہ زیر نظر تالیف میں آنحضرت ﷺ کے خصائص کی تعداد بھی زیادہ ہے لیکن سب سے اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اردو زبان میں اس موضور پر ایک مستقل اور جامع کتاب وجود میں آ گئی ہے جس کے لیے فاضل مؤلف ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

واقعہ معراج آنحضرت ﷺ کا ایک انوکھا تخصص ہے۔ اس کا ذکر مولانا معین واعظ نے بھی کیا ہے اور حافظ زاہد علی صاحب نے بھی۔ اس واقعے کے دو پہلو ہیں

یعنی ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالم بالا میں تشریف لے جانا اور دوسرا عالم آب وگل میں واپس تشریف لانا۔ یہ دوسرا پہلو بلحاظ اہمیت پہلے سے کسی طور کم نہیں ہے۔ دراصل انسانی فطرت کا مسلمہ تقاضا ہے کہ وہ کسی بلند مرتبے پر پہنچنے کے بعد اس سے چھوٹے مقام پر ہبوط گوارا نہیں کرتا۔ اسے کتب اخلاق میں علو ہمت کا مثبت نام دیا جاتا ہے۔

محمد عوفی نے ''جوامع الحکایات ولوامع الروایات'' میں لکھا ہے کہ ایک دن عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں عمارہ بن حمزہ امرأ کے زمرے میں اپنے رتبے کے مطابق بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ عمارہ نے فلاں موضع میں میری زمین دبا لی ہے۔ منصور نے عمارہ کو حکم دیا کہ اپنی جگہ سے اٹھ اور مدعی کے برابر کھڑے ہو کر اس کی شکایت کا جواب دے۔ عمارہ نے کہا: ''میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ جس زمین کا یہ ذکر کر رہا ہے وہ خواہ اس کی ہے یا میری، اگر میرے قبضے میں ہے تو میں یہیں بیٹھے بیٹھے اسے بخش دیتا ہوں لیکن یہ نہ ہو گا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ جاؤں جہاں امیر المومنین نے میرا مرتبہ بڑھا کر مجھے بٹھایا ہے۔ میں کسی زمین کی خاطر اپنا رتبہ نہیں کھو سکتا۔''

اسی تناظر میں ایک بار حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نے فرمایا تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے جو معراج پر جانے کے بعد واپس آ گئے، اگر میں ہوتا تو ہرگز نہ آتا۔ اس پر حاسدین نے حاشیے چڑھائے کہ لو! یہ اپنا مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ جب یہ اعتراض ان تک پہنچا تو کہا:

''یہ لوگ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ ہم تو غرض کے بندے ہیں۔ ایک اعلیٰ مقام چھوڑ کر ادنیٰ پر آنا کب گوارا کرتے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شان تھی کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی اور نجات کی خاطر اتنی بڑی قربانی دی۔''

واقعہ معراج کا ایک ذیلی پہلو بھی قابل غور ہے۔ جب ذات باری اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین وہ مکالمہ ہوا جس کی اہمیت کے باعث اسے نماز کی حالت قعود میں دہرایا جاتا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات۔ اس کے جواب میں ارشاد باری ہوا: السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تو آپ نے فوراً گرہ لگائی: السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین۔

یعنی ایسے نازک موقع پر بھی آپ نے نوع بشر کے بندگان صالح کو فراموش نہیں کیا اور انہیں اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سلام اور رحمت و برکت میں شامل کرلیا۔ یہ جوانمردی اور فتوت کا وہ اعلیٰ وارفع مظاہرہ ہے جس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی اور یقیناً یہ بھی آپ کے تخصصات میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل محمد۔

حافظ زاہد علی صاحب کا یہ گلدستۂ عقیدت دیکھ کر بے اختیار حضرت محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے کے یہ اشعار یاد آجاتے ہیں ؎

گل خوش رنگ رسول مدنی العربی
زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
نہ کوئی اس کا مماثل ہے نہ ثانی نہ نظیر
نہ کوئی اس کا مقابل نہ برابر نہ بدل

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی
شیخوپورہ
۱۲ دسمبر سنہ ۲۰۰۲ء

☆☆☆

ڈاکٹر محمود الحسن عارف حفظہ اللہ
نائب صدر، عالمی رابطۃ الادب الاسلامی پاکستان
چیئرمین
شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

شذرات

''خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پچاس خصوصیات حدیث کی معتبر کتابوں سے:

از حافظ زاہد علی ملک

اسلام دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے آخری مذہب ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے آخری دور میں دنیا کی فلاح ونجات کے لیے نازل فرمایا' یہ دین ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہے' دین اسلام کی اساس ''توحید الٰہی'' کے بعد' جس بنیادی اصول پر استوار ہے' وہ ''رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا اصول ہے۔

اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور دوسرے مذاہب اور ادیان سے مختلف ہے' اسلام سے پہلے مذاہب میں یا تو نبی اور رسول کا تصور واضح نہیں یا پھر بعض مذاہب میں انبیاء علیہم السلام کو خدا کی ''اولاد'' قرار دیا گیا تھا اور بعض مذاہب میں انہیں ''خدا'' کا درجہ عطا کیا گیا تھا۔

اسلام نے ان مذاہب کے ''برعکس'' نہ صرف یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مقام و رتبہ کا صحیح تصور دیا' بلکہ ان کے کارناموں اور ان کے کردار کا بھی تعین کیا۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے ''رسول'' کو مرکزی اہمیت حاصل ہوتی ہے' وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو پہنچانے والا' اس کا نمائندہ اور اس کی طرف سے نذیر و بشیر ہوتا ہے' وہ دنیا کو یہ بتاتا ہے' کہ اللہ تعالیٰ کس بات سے خوش ہوتے ہیں' اور کس بات سے خفاء' وہ دنیا میں امن و سلامتی' حسن و صداقت' راستی و پاکبازی' عدل و انصاف اور حق

گوئی وحق شناسی کا محور و مرکز ہوتا ہے' اس کی ذات سے ہدایت و رہنمائی کی کرنیں پھوٹتی ہیں' اس کی ذات دنیا کے لیے ''سراج منیر'' اور ''قمر مستنیر'' ہوتی ہے اور دنیا کے لیے روشنی کا مینارہ ثابت ہوتی ہے۔

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ دنیا کے آخری نبی اور سید الرسل ہونے کا اعزاز رکھتی ہے' اس لیے بہ حیثیت نبی اور بحیثیت رسول آپ کا مقام سب انبیاء سے ارفع و اعلیٰ ہے' آپ سب سے آخر میں تشریف لائے' مگر اپنے مرتبہ و مقام میں سب سے سبقت لے گئے' آپ ''مہبط وحی'' اور منبع رشد و ہدایت ہیں' اسی لیے آپ کی ذات ایمان کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد کونین محو گردش ہیں' آپ دنیا کی وہ ہستی ہیں' جنہیں ''بعد از خدا بزرگ تر'' ہونے کا اعزاز حاصل ہے' اسی لیے امت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص و کمالات کا موضوع ہمیشہ سے موضوع بحث و تحقیق رہا ہے۔ جن میں امام السیوطی کی الخصائص الکبریٰ سب سے زیادہ سرفہرست ہے' تاہم اردو میں اس عنوان پر کچھ زیادہ کام نہیں ملتا۔

پروفیسر زاہد علی ملک صاحب ہماری طرف سے شکریئے کے مستحق ہیں' کہ انہوں نے علامہ سیوطی کی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' سے استفادہ کرتے ہوئے ''خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے کتاب مرتب کی ہے' جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان خصائص کا تذکرہ کیا ہے' جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔

پروفیسر زاہد علی ملک صاحب اگرچہ تصنیف و تالیف کے میدان میں نو وارد ہیں' لیکن وہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے فارغ التحصیل' وہاں کے ایک ذمہ دار استاد اور علوم عربیہ و اسلامیہ پر عبور رکھنے والے ایک محقق بھی ہیں' اس لیے ان کے علم اور قلم میں بڑی گہرائی ہے۔

زیرنظر کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے

حصہ اول پیش لفظ پر مشتمل ہے' جس میں کتاب کا اور موضوع کا تعارف کرایا گیا ہے' جبکہ

دوسرا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص و کمالات کے بیان پر مشتمل ہے' اس

حصے میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سو سے زائد خصائص اور کمالات کا تذکرہ کیا ہے۔

فاضل مؤلف کا انداز بیان سادہ' مگر مؤثر ہے' البتہ کسی کسی جگہ عربی الفاظ اور ترکیبوں کے استعمال کی بنا پر' اس میں ثقل اور بھاری پن بھی محسوس ہوتا ہے' تاہم ایک علمی کتاب کے لیے ایسا ہوتا ہے' غیر متوقع نہیں ہے۔

زیادہ مناسب ہوتا' کہ کتاب کو مختلف ابواب اور فصول میں تقسیم کیا جاتا' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کو مختلف ابواب میں مدون کیا جاتا۔(۱) حسب الہدایت کتاب کو ابواب میں مدون کردیا گیا ہے۔ زاہد

بایں ہمہ میرے خیال میں کتاب عمدہ ہے' اور اردو زبان و ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

1-12-06

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک حفظہ اللہ
چیئرمین، شعبہ عربی
پنجاب یونیورسٹی لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف ایک ایسا موضوع ہے جو ہمہ گیری بھی ہے اور وسعت پذیر بھی ۔ ہر دور میں ان گنت انسانوں نے دربار رسالت میں اپنی عقیدت ومحبت کے گلدستے پیش کئے ۔مقدس زندگی کے ہر پہلو سے نقاب اٹھایا، اس طرح کہ خصائص وشمائل کا ہر رُخ صفحہ قرطاس کی زینت بنا۔مگر بہت کھینے کے باوجود بہت کچھ باقی ہے، کہنے والوں کو قرار نہیں اور موضوع کی وسعت کی کوئی حد نہیں۔

﴿اَلْمَوْضُوْعُ وَاحِدٌ وَلٰكِنَّ الْحَدِيْثَ لَا يَنْفَدُ لِأَنَّ شَخْصِيَّتَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعْظَمُ مِنْ أَنْ تُحِيْطَ بِمَا دَرَاسَةً﴾(۱)

اس موضوع کی وسعت کا تعین ناممکن ہے اور اس کی حدود کو صیغہ ابہام میں رکھا گیا ہے ملاحظہ ہو اعجاز قرآنی کا اس ضمن میں اسلوب وانداز:

''فَأَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا أَوْحٰی'' اپنے بندے کو دے دیا جو دے دیا۔

(کیا دیا؟ معلوم نہیں)

''وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ۔'' اے محبوب! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔

(کتنا بلند کیا؟ معلوم نہیں)

''وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ'' اے محبوب! جو آپ نہیں جانتے تھے سب سکھا دیا۔ (کتنا سکھایا؟ معلوم نہیں)

''وَرَفَعَ بَعْضُھُمْ دَرَجَاتٍ'' اور جو کچھ وہ ہیں جنہیں درجوں بلند کیا۔

(کتنا بلند کیا؟ معلوم نہیں)

۱۔ الدین والأ خلاق فی شعر شوقی: ۱۱٦

اس اسلوب قرآنی پر تدبر و تفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رب عظیم کا بنی آدم کہ یہ جتلانا مقصود ہے کہ ہمارے محبوب کے خصائص و فضائل اور مقام رفعت کا تعین اور اس کی حدود کا ادراک تمہارے بس کی بات نہیں۔ تمہاری زباندانی اور فہم و ذکاء کا لقچہ ان کلمات و الفاظ سے ہی خالی ہے جن کے ذریعے تم اسے بیان کر سکو۔ اس موقف کی تائید سورۃ النجم کی آیت ''فکان قابقوسین أو أدنـی '' سے بھی ہوتی ہے جس میں لفظ ''أو'' سے مقام کے تعین کی صاف نفی کر دی گئی ہے۔

علامہ علی القاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں:

﴿قَالَ بَعْضُ الصُّوفِيَةِ: اَنَاكْثَرَ النَّاسِ عَرَفُوا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَمَا عَرَفُوا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ حِجَابَ الْبَشَرِيَّةِ عَطْى اَبْصَارِهِمْ﴾ (۱)

بعض صوفیاء کرام کا ارشاد ہے کہ اکثر لوگوں نے اللہ عزوجل کو تو پہچان لیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارفانہ نظر سے نہیں دیکھ پائے کیونکہ ان کی اپنی بشریت کا حجاب ان کی آنکھوں کو ڈھانپے ہوئے ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کائنات اپنی تمام وسعتوں اور پہنائیوں کے ساتھ محدود و محاط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص و کمالات اور شمائل و خصائل غیر محدود و غیر محاط ہیں، اس لیے قلم، الفاظ اور لسان حسب طاقت بشری جملہ انواع بلاغت اور قوانین فصاحت سے کام لے کر بھی بیان حقیقت خصائص اور وصف شمائل و فضائل کے ادراک سے عاجز رہ جاتے ہیں۔

ہمارے فاضل و محقق دوست پروفیسر حافظ زاہد علی زید مجدہ نے دلائل و خصائص نبوت کے عربی ذخیرہ کتب سے استفادہ کرتے ہوئے کمال محنت و تحقیق سے زیر

۱۔ شرح الشمائل لعلی القاری

نظر کتاب ''خصائل النبی ﷺ'' تالیف کی ہے۔ انداز بیان علمی و تحقیقی اور متین و مدلل ہے۔ حافظ صاحب نے متعدد کتب حدیث و سیر اور ذخیرہ خصائص و دلائل و شمائل میں منتشر معلومات کو بطریق احسن یکجا و مرتب کر کے خوبصورت علمی و تحقیقی تعلیقات کا اضافہ کیا ہے۔ ان کے سلیس وشستہ انداز بیان نے اس کتاب کو عام اردو خواں کے لیے پرکشش اور سہل الاستفادہ بنا دیا ہے۔ دعا ہے اللہ کریم ان کی اس عقیدت و محبت سے لبریز کاوش کو بارگاہ نبوی میں قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

۱۰۔۱۱۔۲۰۰۶

☆☆☆

حضرت اقدس مولانا احمد شفیع حفظہ اللہ
شیخ الحدیث
خلیفہ اجل سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

رئیس
الجامعة الأهلية
دار العلوم معين الاسلام
چاٹگام، بنگلہ دیش

حضور سرور دعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے افتخار آدم و بنی آدم بنایا آپ کی ذات گرامی حسن صورت اور جمال سیرت کے لحاظ سے اس قدر اکمل اور جامع ہے کہ ازل سے ابد تک تمام شخصی محاسن کو جمع کیا جائے تو پھر بھی ان کا موازنہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی جامع المحاسن والصفات کی ہمہ جہتی خصائص کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ذات مصطفیٰ ذات خدا کی مظہر ہے اور صفات مصطفیٰ صفات خدا کی مظہر ہیں اسی کو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے مخصوص انداز میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

وشق له من اسمه ليجله
فذو العرش محمود وهذا محمد
وضم الاله اسم النبي الى اسمه
اذا قال في الخمس المؤذن اشهد

''اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو شان بخشنے کے لئے ان کا نام اپنے نام سے مشتق کیا، عرش والا خدا محمود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے جب مؤذن اذان میں شہادتین پڑھتا ہے۔''

پروردگار عالم نے آپ کو نام ہی محمد دیا کہ آپ سے بڑھ کر کسی کی تعریف نہیں ہوگی۔ دوسرا نام احمد دیا کہ آپ سے بڑھ کر میری تعریف و توصیف کرنے والا کوئی نہ ہوگا، ایک مسلمان جب عشق و محبت کو اپنا راہ نما تسلیم کر کے اپنے آقا و مولی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتوں، رفعتوں، خصائص، صفات اور محاسن کا تصور کرتا ہے تو ورطہ حیرت

میں کھو جاتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس قدر اعلیٰ وارفع ہیں، کس قدر بلند مرتبہ اور عالی النسب ہیں، کس قدر ذی وجاہت اور ذی شان وذی احترام ہیں، تو بے اختیار قلب ودماغ سے آواز آتی ہے کہ تجھے بھی ان سے کوئی تعلق بڑھانا چاہیے:

تیری معراج کہ عرش تک پہنچا
میری معراج کہ تیرے قدم تک پہنچا

یہ جذبہ وارفتگی ایک عاشق صادق کو ابھارتا ہے کہ جس کی شان کو خود خدا بیان کرے تو تو بھی ہمت کر اور اس مبارک فہرست میں نام رقم کر، چنانچہ بے شمار عشاق نے اپنے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں لکھا اور بہت کچھ لکھا اور آخر کار ان کو تسلیم کرنا پڑا ؎

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلا پا اور مدح باقی ہے

اور یہ اعتراف کیوں نہ ہوتا جبکہ ایک طرف پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محبوب خدا ہیں تو دوسری طرف محبوب خلائق بھی ہیں، جامع الخصائل بھی ہیں، مجمع الکمالات بھی ہیں، نور خدا کے مظہر بھی ہیں، عشاق کی چاہتوں کے مرکز بھی ہیں۔ آپ کے جمال جہاں آراء کو جس نے ایک مرتبہ دیکھا دیکھتا ہی رہ گیا۔ آپ کے مقام رفعت کو جس نے دیکھا اس کی نظریں خیرہ ہوگئیں اور شیخ سعدی کو لکھنا پڑا ؎

سوار جہانگیر یکراں براق
کہ بگذشت از قصر نیلی رواق

یہی وجہ تھی کہ بلال، صہیب، خباب، عمار، خبیب پروانے بن کر جان سپرد کرنے کے لئے بے تاب نظر آتے تھے۔

بہرحال یہی وہ باعث ومحرک ہے جو کسی صاحب قلم کو قلم اٹھانے کی جرأت دیتا ہے، یقیناً یہی جذبہ حافظ زاہد علی سلمہٗ کے لئے بھی محرک بنا اور انہوں نے اس علمی اور دلکش موضوع کے لئے قلم اٹھایا اور انہوں نے ''خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے نام سے اردو زبان کے ذخیرہ ادب میں ایک گراں قدر علمی اثاثہ کا اضافہ کیا اور یہ کتاب متعدد محاسن کا مرقع ہے حسن عنوان، حسن انتخاب، حسن اسلوب، حسن ترتیب اور حسن طباعت۔ بہر

حال کتاب ظاہری وباطنی طور پر مؤلف موصوف کے حسن ذوق کی آئینہ دار ہے۔ جس پر جناب حافظ صاحب ہماری طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جو یقیناً حافظ صاحب کے پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کی عکاسی ہے۔ یہ کتاب عزیزم قاری محمد طاہر صاحب زید مجدہ (مدرس جامعہ اشرفیہ، لاہور) کی وساطت سے مجھ تک پہنچی اور مطالبہ تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنی رائے پیش کروں، ان کی خواہش پر چند کلمات تحریر کردیئے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش میں اخلاص نصیب فرمائے اور اس کو ہم سب کے لیے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرب ومحبت کا وسیلہ بنائے۔ آمین

احمد شفیع

رئیس

الجامعة الأهلية دار العلوم معين الإسلام

هات هزاري۔ شیتاغونغ۔ بنغلادیش

☆☆☆

مُقَدِّمَة

مقدمہ

اسلام میں رسول اور نبی کا تصور دوسرے تمام مذاہب سے الگ اور جداگانہ ہے۔ عیسائیوں نے تو نبی کو خدا کا بیٹا بنالیا جب کہ یہودیوں نے انبیاء علیھم السلام کو عام انسانوں سے بھی کم تر درجہ دیا' لیکن اسلام میں رسول ایک انسان ہے اور عام انسانوں پر اس کی برتری سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ (Messenger) ہوتا ہے اور اس کی جانب سے منصب اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جگہ جگہ رسولوں کی بعثت (Prophetic Mission) کے ساتھ ساتھ ان کا انسان ہونا ایک مستقل انعام کے طور پر بیان فرمایا بلکہ بعض مقامات پر سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد کو بنیادی طور پر جو تعلیم دی گئی اس میں رسول کے انسان ہونے کا عقیدہ بھی تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسول اللہ ﷺ تک جتنے بھی رسول اور نبی تشریف لائے ان میں کوئی بھی رسول ایسا نہ تھا جو انسان نہ ہو۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ عیسائیوں کی نظروں میں کچھ مشتبہ ہو گیا تھا اس کو قرآن حکیم نے "ذرية بعضها من بعض" کہہ کر صاف کر دیا اور یہ بتا دیا کہ جب وہ بھی انسانوں کی اولاد تھے تو یقیناً ان کو بھی ایک انسان ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں نبی اور رسول اگر انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کے احوال سے آشنائی حاصل کر سکتے۔ نسل انسانی پر یہ ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کا مربی (Educater) اور مصلح (Reformer) کسی اور نوع (Species) میں پیدا ہو' اس لیے رسول اور نوع انسانی کا شرف و کمال یہی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہو۔

نبوت کسبی نہیں وھبی ہے:

دوسری بات رسول کے بارے میں یہ ہے کہ وہ محنت و ریاضت سے رسول نہیں بنتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت اجتباء و اصطفاء(Choice) کے تحت منتخب ہوتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت براہ راست ان کو اس مقصد کے لیے چن لیا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اس وقت دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں جب ہر طرف کفر وشرک کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوتا ہے اور کفر وشرک کی آندھیوں نے توحید کے ایوانوں کو مسمار کر دیا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ آتے ہیں تو گمراہوں میں راہ نما' مفسدوں میں مصلح اور جاہلوں میں عالم بن کر آتے ہیں۔ رسالت سے قبل بھی ان کا دامن شرک اور کفر کی تمام نجاستوں سے پاک ہوتا ہے اور اپنی پاکیزہ اور صاف اور بے لوث زندگی کی وجہ سے قوم میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لیتے ہیں' اور خود ان کی زندگی ان کی دعوت اور دعویٰ کی ایک زندہ مثال ہوتی ہے۔ وہ اگر لوگوں سے کسی بات پر پاؤ بھر عمل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود اس پر سیر بھر عمل کرتے ہیں۔ ان کی کتاب دعوت اور کتاب عمل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ غرض کہ ان کی رسالت کسب واکتساب(Acquisition) کا ثمرہ نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے اصطفاء اور انتخاب کا نتیجہ ہوتی ہے۔

جس طرح رسول خود بنتے نہیں اسی طرح خود بولتے بھی نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ترجمان ہوتے ہیں۔ جو کچھ بارگاہ خداوندی سے انہیں کہا جاتا۔ اس کو وہ لوگوں میں بیان کر دیتے ہیں۔ ''وما ینطق عن الھویٰ[1] ان ھو الاوحی یوحیٰ[1]'' کا منصب جلیل انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ہر حکم واجب العمل اور مفترض الطاعت ہوتا ہے۔ اس کے حکم سے اعراض خداتعالیٰ کے حکم سے انحراف کے مترادف ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ وحدت ملی کا ایک مستحکم مرکز ہوتا ہے کیونکہ اس کی ذات ایمان وکفر کا محور ہوتی ہے۔ اس کے ماننے والے دولت ایمان سے مزین ہوتے ہیں اور وہ ہزاروں اختلافات کے باوجود رسول کی ذات سے وابستگی کے بعد وحدت واخوت کے ناقابل شکست رشتہ میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اہل کفر میں سے ان کا کوئی بھائی بندحتیٰ کہ ان کا باپ بھی ان کے مقابل آجائے تو وہ اس کو قتل کرنے

سے بھی نہیں چوکتے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا﴾ (۱)

اور اسی وحدت پر جو قوم جنم لیتی ہے اس کے سامنے دنیا کی تمام وحدتیں ہیچ ہیں۔ اسی حقیقی وحدت پر بھی قومی وحدت، وطنی وحدت، قبائلی وحدت اور حسب ونسب کی وحدت کے سوا اور جتنی وحدتیں پیدا ہوسکتی ہیں وہ سب اس کے سامنے پرکاہ (Blade of Straw) کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس وحدت کے وزن (Momentum) کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھی اس وحدت حقیقی کی دوسری وحدتوں سے ٹکر ہوئی تو دوسری تمام وحدتیں پاش پاش ہوکر مٹ گئیں اور یہی مرکزی وحدت باقی رہ گئی۔

نبی کے معنیٰ:

پیشتر اس کے کہ ہم نبوت کی خصوصیات پر کچھ بحث کریں، ہم نبوت کے بارے میں اپنے قارئین کو کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ نبوت کیا ہوتی ہے؟ علماء لغت نے لکھا ہے کہ ''نبی'' کا لفظ ''نباء'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خبر لیکن لغت عرب میں ہر خبر ''نباء'' نہیں کہلاتی بلکہ ''نباء'' اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں۔

(۱) خبر فائدے کی ہو۔

(۲) فائدہ بھی معمولی نہیں بلکہ عظیم الشان ہو۔

(۳) اور اس خبر سے سننے والے کو اطمینان قلب اور یقین کامل حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ راغب اصفہانی ''نباء'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿اَلنَّبَاءُ خَبَرٌ ذُوْفَائِدَةٍ عَظِيْمَةٍ يَحْصُلُ بِهٖ عِلْمٌ اَوْ غَلَبَةُ ظَنٍّ وَلَا يُقَالُ لِلْخَبَرِ فِي الْاَصْلِ نَبَاءٌ حَتّٰى يَتَضَمَّنَ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ الثَّلَاثَةَ﴾

''نباء اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑے فائدے والی ہو اور اس سے علم یقین یا ایسا علم جس پر یقین غالب ہو، حاصل ہو اور کسی خبر کو اس وقت تک نباء نہیں کہتے جب تک کہ اس میں یہ تین چیزیں نہ ہوں۔''

۱۔ سورۃ ال عمران: آیت نمبر ۱۰۳

اس معنی کی رو سے نبی کی تعریف یہ ہو گی کہ نبی وہ انسان ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کے بندوں کو حق تعالیٰ کی جانب سے نفع اور فائدے کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائے جن تک ان کی نارسا (Limited) عقلیں پہنچنے سے قاصر ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم یقین اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا اس کی زندگی ہی اس قدر پاکیزہ، اعلیٰ اور اتنی مقدس ہو کہ اس کے متعلق جھوٹ کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکے اور اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کا لفظ ہی مندرجہ بالا حقائق پر روشنی ڈالتا ہے۔ نبی کے علاوہ اور کوئی لفظ اس کے معنی کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن ہمامؒ نے نبی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہو۔ رسول اللہ کی تعریف بھی یہی ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، لیکن ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو شریعت لے کر آئے اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کے لیے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو''۔ المسایرہ مع المسامرہ: ص ۲۰۷

علامہ تفتازانی نے بھی یہی دو تعریفیں لکھی ہیں۔ پھر دوسری تعریف کے اعتبار سے رسول کے بارے میں یوں لکھا ہے:

''رسول نبی سے خاص ہے۔ رسول وہ ہے جس کی اپنی شریعت ہو اور اس پر کتاب بھی نازل ہوئی ہو''۔ (۱)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی نبی کی تعریف بڑے اچھے الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ (۲)

اسی کتاب میں ایک مقام پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''نبی فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ لغت عرب میں یہ

۱۔ شرح المقاصد: ۵ / ۶

۲۔ ملاحظہ ہو النبوات: ص ۲۲۲، ۲۲۳

وزن فاعل اور مفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن زیادہ مناسب اور قرین قیاس یہی ہے کہ اس کو مفعول کے معنی میں لیا جائے، اس لحاظ سے نبی کے معنی ہوں گے "اَلَّذِیْ نَبَاءَ اللّٰهُ "یعنی وہ ذات جس کو حق تعالیٰ نے غیب کی خبریں دی ہوں اور اس کو نبی بنایا ہو۔ اب جس شخص کو حق تعالیٰ شانہ، نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں، اس کے لیے ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی ان خبروں سے مطلع کرے۔ ہاں، اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا تو وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کرے گا وگرنہ نہیں۔ لیکن جس بات پر کسی نبی کا نبی ہونا موقوف ہے، وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غیب کی خبریں دی جائیں نہ کہ وہ ان خبروں کو دوسروں تک پہنچائے۔ معلوم ہوا کہ نبی اور غیر نبی میں جس شے سے امتیاز ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبر دینا اور نہ دینا ہے۔"

غیب کی خبریں انبیاء علیہم السلام کی طرح کاہن اور جوتشی (Fortune) teller بھی دیتے ہیں، پھر ان کو نبی کیوں نہیں کہا جاتا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ کاہنوں اور جوتشیوں کو خبر دینے والا شیطان ہوتا ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام کو خبر دینے والا رحمان ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔" (۱)

اس بات کو ایک اور مثال سے بھی ذہن نشین کرنے کی کوشش کریں۔ اس دنیا میں تین قسم کی چیزیں۔ جمادات، نباتات اور حیوانات ہیں۔ جمادات وہ ہیں جن میں جمود ہو لیکن نمو اور بڑھنے کی طاقت ان میں نہ ہو۔ جیسے کہ پتھر۔ پتھر سو سال تک بھی اگر کہیں پڑا رہے تو وہ اتنا ہی رہے گا جتنا پہلے روز تھا۔ لیکن اگر کسی جماد میں بڑھنے اور نشو ونما

۱۔ النبوات: ص ۱۶۶، فتاویٰ شیخ الاسلام: ۱۸ / ۶

کی صفت پیدا ہو جائے تو اس سے نوع بدل جائے گی اور وہ جمادات سے نباتات کی نوع میں چلا جائے گا۔ پھر اگر کسی نبات میں چلنے پھرنے کی صفت پیدا ہو جائے تو اس کو حیوان کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ایک حیوان میں اگر عقل و دانش کا اضافہ ہو جائے تو وہ حیوان کی نوع سے نکل کر انسان کی نوع میں شامل ہو جائے گا۔ پھر اس حیوان ناطق (انسان) میں جس میں عقل وشعور ہے اور دانش وخرد بھی اگر ایک صفت وحی کا اضافہ ہو جائے تو اس میں وہ خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جس سے وہ نبی کہلاتا ہے۔ اب اس کا پورا وجود اللہ کی مرضی کے تابع ہو جاتا ہے۔ اس کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ ایک عام انسان اپنی مرضی سے کھاتا پیتا ہے لیکن ایک نبی اللہ کی مرضی سے کھاتا اور پیتا ہے۔ وہ اپنے مرضی سے بولتا بھی نہیں بلکہ ''مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ'' کے تحت وہ کلام کرتا ہے۔ وحی (Revelation) کی وجہ سے نبی اور رسول کا رشتہ عالم غیب (The Invisible World) کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے' چنانچہ جب وہ چلتے ہیں تو عالم غیب ان کے سامنے ہوتا ہے' نماز پڑھتے ہیں تو بھی عالم غیب ان کے سامنے ہوتا ہے' حتیٰ کہ سونے کی حالت میں بھی بیداری کی طرح عالم غیب ان کے سامنے رہتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے خواب بھی وحی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور سونے سے ان کا وضو بھی نہیں ٹوٹتا کیونکہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کا دل بیدار رہتا ہے۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی وہ خود جا کر عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی خود عالم غیب ان کے اتنا قریب آ جاتا ہے کہ وہ اس کے باغات کے پھل توڑ کر لوگوں کے حوالہ کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح وہ عالم شہادت میں عالم غیب کی ایک مجسم دلیل ہوتے ہیں۔

اسی وحی ربانی کے تعلق کی وجہ سے ان میں یہ خصوصیت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ دشمنوں کی سازشوں کی اطلاعات بھی انہیں ملتی رہتی ہیں۔ یہ اطلاعات کبھی تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو دیتے ہیں اور کبھی خود وہ اشیاء ان کو اطلاع دے دیتی ہیں۔ چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم میں ہے وہ فرماتے تھے کہ تم لوگ اپنے گھروں میں جو کھاتے پیتے اور جمع کر کے رکھتے ہو' میں ان سب کو جانتا ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ایک بیوی صاحبہ نے اپنی ایک رازدارانہ گفتگو پر آپ کو آشنا دیکھ کر

نہایت تعجب سے پوچھا: "مَنْ اَنْبَاکَ هٰذَا" آپ کوکس نے اس قدر پوشیدہ بات بتائی۔ آپ نے فرمایا: "نبانی العلیم الخبیر" مجھے اس نے بتایا ہے جس سے بڑھ کر کوئی علیم اور خبیر نہیں ہے۔ اسی طرح فتح خیبر کے موقع پر جب ایک یہودی عورت نے آپ کو کھانے میں زہر دیا تو بکری کا گوشت آپ کے سامنے بول اٹھا کہ مجھے نہ کھایئے مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔

وحی کی وجہ سے دولتمندوں کی سازشوں کی اطلاع:

اس وحی کے ذریعہ نبی کو جو علوم دیے جاتے ہیں وہ حقیقت کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ کوئی افسانوی علوم نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے ان کے اصول ناقابل ترمیم ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی ترمیم اور کمی بیشی نہیں ہوتی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے اسلام کے اصول جو بذریعہ وحی سرکار دو عالم ﷺ پر نازل ہوئے، ابھی تک ناقابل ترمیم ہیں اور قیامت تک کوئی شخص ان میں کوئی ترمیم نہیں کرسکتا۔

پھر ان اصولوں میں جزم وقطعیت کی شان پائی جاتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ عالم غیب انسانی عقلوں کے نزدیک جتنا علم ویقین سے دور ہے اتنے ہی اس کے اصول قطعی اور یقینی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جب وہ علوم ہمارے انسانی دماغ کے تراشیدہ علوم سے مطابقت نہیں رکھتے تو ہم فوراً ان پر نکتہ چینیاں کر کے انہیں ظنی اور افسانوی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس وقت ہم "فوق العقل" اور "خلاف عقل" کے فرق کو بھی بھول جاتے ہیں۔

نبی اور رسول کے مقام میں نبی اور رسول ہی کلام کرسکتا ہے:

انبیاء علیھم السلام میں رشد وہدایت کی جو صفات پائی جاتی ہیں خواہ وہ ان کی قوت علمیہ سے متعلق ہوں یا قوت عملیہ سے، وہ دوسری تمام مخلوقات کی صفات سے علیحدہ ہوتی ہیں کیونکہ ان کی صفات کا منبع (Source) براہ راست اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہوتی ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں نبی کی صفات کاملہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا مظہر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سمندر دو ٹکڑے ہو کر اس کو راستہ دے دیتا ہے۔ اور آسمان کے

فرشتے نمازوں اور جنگوں میں حاضر ہو کر ان میں شرکت کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ صداقت' دیانت' امانت اور اخلاق کی بلندی اور ان کا عدل و انصاف وغیرہ دوسرے انسانوں سے نہایت بلند و بالا ہوتا ہے۔ یہ صفات اگرچہ عام انسانوں میں بھی پائی جاتی ہیں مگر وہ اس خاص نوعیت کی نہیں ہوتیں جو نوعیت انبیاء کرام علیھم السلام کی صفات کی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیھا سے جب آپ کے اخلاق کے بارہ میں پوچھا گیا کہ وہ کیسے تھے؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے ایک جملہ میں آپ کے جملہ اخلاق کو واضح فرما دیا کہ ''کان خلقه القرآن'' آپ کا اخلاق دیکھنا چاہو تو اس قرآن کو دیکھ لو۔ اس ایک جملہ سے آپ نے آپ کے معجز اخلاق (Amazing Chararter) کی پوری پوری تصویر کھینچ دی کہ سارا قرآن آپ کے اخلاق ہی تو ہیں۔ اسی وجہ سے شیخ اکبرؒ نے فرمایا:

﴿فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّتَكَلَّمَ فِيْ مَقَامِ الرَّسُوْلِ اِلَّا رَسُوْلٌ وَلَا فِيْ مَقَامِ الْاَنْبِيَاءِ اِلَّا نَبِيٌّ وَلَا ذُوْقٌ لَنَا فِيْ مَقَامِ الْاَنْبِيَاءِ حَتّٰى نَتَكَلَّمُ عَلَيْهِ﴾(۱)

''اس لیے رسول کے مقام کے بارے میں رسول ہی کو اور انبیاء کرام کے بارے میں صرف نبی ہی کو گفتگو کرنے کا حق ہے۔ جب ہم لوگ انبیاء کرام علیھم السلام کے مقام سے آشنائی ہی نہیں رکھتے تو اس کے بارے میں بحث کیا کر سکتے ہیں۔''

اسی وحی ربانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہوتی ہے' ان میں کچھ ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کو تمام نوع بشر سے ممتاز کرتی ہیں۔ ہوتے وہ بشر ہی ہیں لیکن وہ ایسے بشر نہیں ہوتے جیسے عام بشر ہوا کرتے ہیں' بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز اور بلند ہوتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عام انسان اور نبی دو علیحدہ علیحدہ صنفوں کے افراد ہیں۔ انبیاء کرام علیھم السلام نہ صرف اپنی سیرت ہی میں بلکہ اپنے جسم و روح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی دوسرے تمام انسانوں سے ارفع و اعلیٰ ہوتے

۱۔ الیواقیت والجواھر : ۲ / ۴۷

ہیں۔قرآن حکیم تو انبیاء کرام کی بیویوں کو بھی عام عورتوں سے بلند تر کہتا ہے۔''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ''(الاحزاب:۳۲)اے نبی کی بیویو!تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔تمہاری بات ان سے بالکل الگ ہے۔پس جس طرح نبی کی بیویاں عورتوں کی صنف میں شامل ہونے کے بعد پھران سے ممتاز بھی ہیں'اسی طرح انبیاء کرام بشر ہونے کے باوجود دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔چنانچہ کئی مواقع پر وہ اس کا اظہار بھی فرماتے ہیں''لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ''میں تمہاری طرح نہیں۔کبھی فرماتے ہیں''ایکم مثلی'' تم میں کون مجھ جیسا ہے۔اوران کا یہ کہنا غلط نہیں ہوتا۔ان کے دست مبارک میں بہت سے اعجازی کرشمے ہوتے ہیں'ان کی انگلی سے چاند دوٹکڑے ہو جاتا ہے'ان کی انگشتان مبارک(Holy fingers) سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ان کی انگلی کے ایک اشارے سے بادل ہٹ کراطراف کا رخ اختیار کرلیتے ہیں۔وہ بیمار پر ہاتھ پھیر دیں تو اسے شفا ہو جاتی ہے'چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام جس طرح اپنی روحانی قوتوں میں عام بشر سے ممتاز ہوتے ہیں۔اسی طرح اپنی جسمانی طاقتوں میں بھی دوسرے تمام لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں'یعنی اپنی سامعہ'باصرہ(Vision)'شامہ'(Smell)اور ذائقہ تمام قوتوں میں دوسروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔(۱)

یہی وجہ ہے ان کے قدموں سے پتھر نرم ہو جاتے ہیں- ان کی ضربت کاری سے پتھر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں'لوہا ان کے ہاتھوں میں نرم ہو جاتا ہے اور وہ اس لوہے سے زرہیں بناتے ہیں۔ان کی آواز دور ونزدیک یکساں سنی جاتی ہے۔چنانچہ آپ ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں میدان عرفات میں خطبہ دیا تو صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں اس کو سننے کے لیے ہمارے کان کھول دیئے گئے اور ہم جہاں جہاں تھے وہیں ہم نے اس خطبہ کو سنا۔یہ سننا ہوا کی مخالفت وموافقت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یہ پیغمبرانہ خصوصیت تھی۔

اسی طرح ان کی قوت ذائقہ بھی عام لوگوں کی قوت ذائقہ سے ممتاز ہوتی ہے۔عام

۱۔ تفسیر کبیر: ۴/۴۵۵

لوگوں کی زبانیں تو صرف تلخ وشیریں کا احساس کرتی ہیں، لیکن نبی اور رسول کی زبان حلال و حرام کا بھی احساس کرتی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ایک انصاری صحابیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آپ کے ساتھ ایک جنازے میں گئے۔ جب آپ واپس تشریف لا رہے تھے تو ایک عورت کی طرف سے دعوت دینے والا آیا۔ آپ نے اس کی دعوت قبول فرمالی۔ ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جب کھانا لایا گیا تو ہم سب نے کھانا شروع کیا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا کہ آپ منہ میں ایک لقمہ چبا رہے تھے اور نگل نہیں رہے تھے۔ آپ نے وہ لقمہ پھینک دیا اور فرمایا: ''مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ یہ سالن اس بکری کے گوشت کا ہے جس کو اس کے مالک کی مرضی کے خلاف ذبح کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے تحقیق احوال کے لیے اس عورت کو بلایا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے نقیع یعنی منڈی کی طرف کسی کو بھیجا تا کہ وہ میرے لیے وہاں سے بکری خرید لائے لیکن وہاں بکری نہ ملی۔ میں نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس کے پاس ایک بکری تھی کہ وہ بکری مجھے قیمت کے عوض بھیج دے، لیکن وہ پڑوسی نہ ملا۔ میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیج کر یہ بکری اس بیوی سے لے لی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو'' (۱)

اپنے سامنے کی شے کو دیکھ لینا ہر شخص کا کام ہے لیکن نبی اور رسول کو اپنے سامنے اور پیچھے دیکھنے کی یکساں طاقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہوتی ہے چنانچہ نبی اپنے ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) سے کہتا ہے کہ سنو! اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو اور خوب مل مل کر کھڑے ہوا کرو کیونکہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔ اور اگر کوئی شخص آخری صف میں بھی کچھ کوتاہی کرتا ہے تو نبی نماز سے فارغ ہو کر اس کو آواز دے کر فرماتا ہے: اے فلاں! اللہ سے ڈرتا نہیں؟ تو دیکھتا نہیں کہ کیسی نماز پڑھتا ہے؟ تمہیں شاید یہ خیال ہو کہ جو حرکتیں تم کرتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ رہتی ہیں؟ اللہ کی قسم! جیسا میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبہات، رقم الحدیث ۳۳۳۲، مسند احمد، حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثناء معاویہ.....الخ : ۵ / ۲۹۳، جامع الاصول: حدیث نمبر ۸۸۸۹

(واللہ! انی لاریٰ من خلفی کما اریٰ من بین یدی)

نبی کا لعاب دہن بھی ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔ عام لوگوں کا لعاب دہن (Saliva) مختلف بیماریوں کو جنم دیتا ہے اسی وجہ سے ریل گاڑیوں اور مختلف مقامات پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ ''یہاں مت تھوکیے'' لیکن پیغمبر کا لعاب دہن اپنے اندر اعجازی شان رکھتا ہے۔ اس سے لوگوں کا آشوب چشم (Conjunctivitis) ختم ہو جاتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جڑ جاتی ہیں۔ کھارے پانی میٹھے ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کے لیے ایک مرہم شفا کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ جب کوئی شخص بیمار پڑتا یا اس کے جسم میں کوئی زخم ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی میں اپنا لعاب دہن ڈال کر انگلی سے ملاتے جاتے اور یہ کلمات پڑھتے جاتے ''بسم اللہ تربة ارضنا بریقة بعضنا یشفیٰ سقیمنا باذن ربنا'' یعنی یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارا لعاب دہن ہے۔ ہم ان دونوں کو ملا کر اللہ کے نام کے ساتھ لگاتے ہیں تاکہ ہمارے رب کے حکم سے ہمارا بیمار شفایاب ہو جائے۔ ''اللھم صل وسلم و بارک علیہ کما تحب و ترضیٰ'' دعا کے الفاظ سے یہ پتہ چلا کہ اللہ کا پیغمبر اپنا لعاب دہن لگانے کے بعد بھی لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالتا کہ یہ ساری شفا حکم ربانی کے تحت ہوتی ہے۔ گویا رسول ہر موقع پر نفع وضرر کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔

یہ تو پیغمبر کے مختلف اعضاء کی برکات اور خصوصیات تھیں، پیغمبر کی ہر حالت اپنے دامن میں بہت سی خصوصیات سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔ عام لوگ خواہ وہ کتنے ہی اونچے مرتبے پر کیوں نہ ہوں، سونے سے ان کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ سوتے وقت ان کی آنکھوں کے ساتھ ان کے دل بھی سو جاتے ہیں، لیکن نبی اور رسول جب سوتے ہیں تو ان کے قلوب اس وقت بھی بیدار رہتے ہیں۔ یہ بیداری ایسی ہوتی ہے جس کا ہم ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ وہ بیداری ہوتی ہے جس کے سامنے عالم غیب سب کھلا ہوا ہوتا ہے۔ گویا عام لوگ جس طرح بیداری میں عالم شہادت کا ادراک کرتے ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام نیند کی حالت میں اس سے بڑھ کر عالم غیب کا ادراک فرماتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ سوتے جاگتے ہوشیار ہوتے ہیں۔ پھر ان کے ادراک کی نوعیت

بھی ہمارے ادراک (Perception) سے مختلف ہوتی ہے۔ ان کے خواب کے ادراکات کو بھی وحی کا مقام حاصل ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا دستور یہ تھا کہ جب سرکار دو عالم ﷺ استراحت فرمارہے ہوتے تو وہ آپ کو بیدار نہ کرتے تھے جب تک کہ آپ از خود بیدار نہ ہو جاتے۔ (۱)

کیونکہ صحابہ کرامؓ سمجھتے کہ معلوم نہیں کہ اس حالت نوم (Sleep) میں بھی کیا کیا اسرار پنہانی (Hidden Secrets) آپ پر منکشف ہو رہے ہوں۔ آخر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خواب ہی تو آیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اسی وحی منامی (Revelation in Sleep) کی وجہ سے وہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

حدیث میں ہے "اَلنَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ" نیند موت کا بھائی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کی نیند کی یہ امتیازی خصوصیت ہے تو ان کی موت بھی دوسروں سے امتیازی شان رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو وفات کے وقت اختیار ملتا ہے وہ دنیا میں ابھی اور رہنا چاہتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ یہ اختیار ان کی تشریف و تکریم کے لیے دیا جاتا ہے۔ پس موت انبیاء علیہم السلام کو بھی آتی ہے لیکن عام بشر کی طرح اچانک نہیں بلکہ انہیں پہلے اطلاع دی جاتی ہے۔ اور روح ان کی بھی قبض ہوتی ہے لیکن ان کی اجازت کے ساتھ۔ چنانچہ حدیث میں سیدنا ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے تو آپ نے فرمایا! "اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو دنیا کے مال و دولت کی رونق جیسی وہ چاہتا ہے اس کو عطا فرما دی جائے۔ اور اگر وہ چاہے تو جو انعامات اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے تیار ہیں ان کو اختیار کر لے۔ اللہ تعالیٰ کے اس بندے نے ان دونوں میں سے ان انعامات ہی کو پسند کر لیا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے ہیں۔ (۲)

۱۔ مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلوٰۃ : ۱/ ۲۴۰

۲۔ مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلوٰۃ: ۱/ ۲۴۰، مشکوٰۃ، کتاب الرویا، باب صفت اھل لجنۃ : ص ۵۰۰

وفات کے وقت جب ان کی روح قبض کی جاتی ہے تو ان کے پاس بیٹھنے والوں کو مشک کی خوشبو آتی ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال میری ٹھوڑی اور سینہ کے درمیانی حصہ میں ہوا۔ جب آپ کی روح مبارک عالم قدس کی طرف پرواز کرنے لگی تو میں نے ایک ایسی خوشبو محسوس کی جو اس کے بعد پھر کبھی محسوس نہ کی۔ (بزار و بیہقی) بیہقی ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو میں نے اپنے ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر رکھ کر آپ کو دیکھا۔ اب کئی جمعے گذر گئے، میں کھاتی بھی ہوں اور وضو بھی کرتی ہوں لیکن وہ مشک و کستوری کی سی خوشبو میرے ہاتھوں سے ابھی تک نہیں گئی۔ (۱)

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جس جسم میں اتنی خوشبودار روح بسیرا کیے ہوئے ہو وہ جسم خود بھی خوشبودار ہو گا اور اس کے فضلات (Excreta) تک میں خوشبو رچی بسی ہو گی، کیونکہ روح کی خوشبو سارے جسم و جان میں رچی بسی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا! ذرا میرے قریب آنا۔ جب میں آپ کے قریب گیا تو میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی خوشبو نہ تو مشک میں دیکھی اور نہ ہی عنبر میں (ولا شممت مسکا ولا عنبرا من ریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) (۲)

اسی سلسلہ میں سیدنا جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ پھر جب آپ نماز سے فراغت کے بعد اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ سامنے سے کچھ بچے آ نکلے۔ آپ نے ازراہ شفقت و محبت ان سب کے ایک ایک رخسار پر ہاتھ پھیرا۔ جب میرا نمبر آیا تو آپ نے میرے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا۔ اس وقت میں نے آپ کے دست مبارک کی خنکی محسوس کی اور اس کی خوشبو سونگھی۔ وہ ایسا مہک رہا تھا جیسا ابھی عطر فروش کے ڈبہ سے نکالا ہے۔ (۳)

۱۔ خصائص: ۲ / ۲۷۴

۲۔ مسلم، کتاب الرؤیا، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفاتیہ: ص ۵۱۶،

۳۔ مسلم کتاب الرؤیا، باب عرقہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۲/۲۵۷

یہی وجہ تھی کہ آپ جس گلی یا شاہراہ سے گزر جاتے وہ راستہ آپ کی خوشبو سے ایسا مہک اٹھتا کہ بعد میں اس راستہ پر چلنے والوں کو پتہ چل جاتا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس راستہ سے گزرے ہیں' جیسا کہ سیدنا جابرؓ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے۔فرماتے ہیں کہ جب بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی راستہ پر جاتے۔ پھر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص اس راہ پر جاتا تو فوراً پہچان لیتا تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اس راستہ سے ہوا ہے کیونکہ آپ کی خوشبو سے پورا راستہ مہکا ہوا ہوتا تھا۔ (۱)

اسی سلسلہ میں سیدنا انس بن مالکؓ کی وہ روایت بھی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت آپ نے ہمارے گھر ہی میں قیلولہ (Siesta) فرمایا۔آپ کو پسینہ آیا تو میری والدہ ام سلیمؓ ایک شیشی لائیں اور آپ کا پسینہ پونچھ پونچھ کر اس میں ڈالنے لگیں آپ جب بیدار ہوئے تو فرمایا! ''ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟'' عرض کیا: یہ آپ کا پسینہ ہے ہم اپنے عطروں میں اس کو ملا لیتے ہیں' اور یہ عطر ہمارے یہاں سب سے زیادہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔ (۲)

ایک اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمیں امید ہے کہ اس کی برکت ہمارے بچوں کو بھی لگ جائے گی۔آپ نے فرمایا: ''تم نے درست کہا۔''

انبیاء کے فضلات پاک ہوتے ہیں:

محدثین نے لکھا ہے کہ آپ کے پسینہ کی یہ خوشبو اس لیے نہ تھی کہ آپ خوشبو کا استعمال زیادہ فرماتے تھے بلکہ یہ آپ کے فضلات کی خوشبو تھی حالانکہ ہمارا پسینہ جسم کے ان فضلات میں سے ہے جس میں عام طور پر بدبو ہوتی ہے' لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ اس قدر خوشبودار تھا کہ عرب کے عطروں کو شرمندہ کرتا تھا۔

آپ کے فضلات کے بارے میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی یہ روایت بھی

۱۔ دارمی، کتاب المقدمة، باب فی حسن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ٦٦

۲۔ مسلم، کتاب الرویا، باب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۲/۲۵۷، مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتیه: ص ۵۱۷

قابل توجہ ہے۔ سیدہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں' اس کے بعد جو شخص بیت الخلاء میں جاتا ہے وہ آپ کے فضلہ کا کوئی نشان تک نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا: عائشہ! کیا تم نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء کے خارج شدہ فضلہ کو جذب کر لے۔ (۱)

انسانی فضلات میں سب سے گرا ہوا درجہ بول و براز (Urine and faeces) ہے۔ اس میں بھی انسانی غذا اور جسمانی صحت کے فرق سے کیفیات اور مقدار کا بھی بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ جب انسانی غذا اور جسمانی صحت سے ان فضلات میں فرق پڑ سکتا ہے تو روحانی بلندی سے کیوں فرق نہ پڑتا ہوگا۔ پھر جب کہ حدیث رسول کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے جسم اہل جنت کی ارواح سے بنے ہیں۔ (اَنَا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ تَنْبُتُ اَجْسَادُنَا اَعْلیٰ اَرْوَاحَ اَهْلَ الْجَنَّةِ) اسی لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسمانی خواص عام انسانوں سے کہیں بالاتر اور بلندتر ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے جسم اور جسم کا پسینہ خوشبودار ہوتا ہے' اور ہو سکتا ہے کہ ان کے یہ فضلات بھی بعض احکام میں عام انسانوں سے ممتاز ہوں۔ اور اسی لیے زمین سرکار دو عالم ﷺ کے ان فضلات کو فوراً اپنے اندر جذب کر لیتی تھی۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں' اس لیے اگر کہیں غذا کی مادیت حائل نہ ہو جاتی تو اس بات کا بھی امکان تھا کہ اہل جنت کی طرح آپ کی غذاؤں کا فضلہ بھی پسینہ کی راہ سے خارج ہو جاتا۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے انبیاء کے فضلات کے بارے میں طہارت کا قول بھی نقل کیا ہے۔ (۲)

انبیاء کی وفات بھی بہت خصوصیت کی حامل ہوتی ہے

گذشتہ سطور میں یہ بتایا گیا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی نیند بھی چونکہ عام

۱۔ رواہ السیوطی فی الخصائص

۲۔ مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ، کتاب الرؤیا، باب فی المعجزات: ۱۱/۱۷۴

انسانوں سے ممتاز اور بہت سی خصوصیات اپنے دامن میں لیے ہوتی ہے۔اس لیے ان کی وفات بھی بہت سی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ عام انسان کے مرنے کے بعد ان کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ عمل ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ان کی طاعات برابر جاری ہیں۔ اگر چہ وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن اب ان کے چلنے پھرنے کا جہان یہ دنیا نہیں بلکہ عالم برزخ ہے۔ایک لحاظ سے وہ اپنی قبروں میں ہیں' لیکن ایک جہت سے ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بلند و بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گذر رہے تھے۔ ہم ایک وادی کے پاس سے گذرے تو آپ نے پوچھا: ''یہ کون سی وادی ہے؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کی: ''وادی ازرق۔(Blue valley)'' آپ نے فرمایا!''میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔'' آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بالوں کے بارہ میں بھی بتایا کہ وہ کیسے ہیں۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے واقعی انہیں کو دیکھا ہے اس لیے آپ نے ان کے رنگ اور بالوں کا ذکر فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آج کوئی امر ممنوع نہیں ۔وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔

بخاری میں بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''موسیٰ کو تو گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ وادی میں اترتے لبیک کہہ رہے ہیں۔''(۲)

یہ لبیک کہنا حج اور عمرہ کے اعمال میں سے ہے جس کا تعلق اسی زمین سے ہے۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا لبیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتلاتا ہے کہ اس برزخی زندگی

۱۔ مسلم: ۱/ ۹۵: کتاب الایمان، باب اسراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مشکوٰۃ: ص ۵۰۸، کتاب الرؤیا، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء۔

۲۔ بخاری: ۱/ ۲۱۰، کتاب المناسک، باب التلبیہ

میں ان کے یہاں کے بعض اعمال جاری وساری ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ ایک حدیث ''فَاِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے' اور اعمال بجالانا ابدان سے ہوتا ہے صرف ارواح سے نہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے موقع پر وادی عسفان کے پاس سے گذرے تو آپ نے وہاں سے سیدنا ہود علیہ السلام اور سیدنا صالح علیہ السلام کے گذرنے کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: ''ہود اور صالح (علیہما السلام) اونٹوں پر سوار آپ کے پاس سے گذرے ہیں۔ ان کے اونٹوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی' ان کی لنگیاں' عباء اور چادریں اون کی تھیں۔ تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت عتیق کا طواف کرنے جا رہے تھے۔'' حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کی سند کو حسن کہا ہے۔ (۱)

حافظ ابو یعلیٰؒ نے سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے۔ (۲)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ' فَلَامَانِعَ اَنْ یَّحُجُّوْنَ' قَالَ الْقُرْطُبِیُّ حُبِّبَتْ اِلَیْھِمُ الْعِبَادَۃُ فَھُمْ یَتَعَبَّدُوْنَ بِمَا یَجِدُوْنَ مِنْ دَوَاعِیَ اَنْفُسِھِمْ﴾ (۳)

''انبیاء علیہم السلام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں' انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے' تو یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔''

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: ان کے دلوں میں عبادت کی محبت ڈال دی گئی ہے

۱۔ البدایہ والنہایہ: ۱ / ۱۲۸

۲۔ البدایہ والنہایہ: ۱/ ۱۱۹

۳۔ فتح الملھم: ۱ / ۳۳۰، کتاب الرؤیا، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اب وہ اپنے داعیہ نفس (Inner motive) سے اپنے خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

یہ تو صرف حج کے بارے میں ہے۔ معراج کی رات جب سرکار دو عالم ﷺ نے ایک سرخ ٹیلے کے پاس سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے۔ آپ کی نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا کوئی اور۔ کبھی فرماتے: ''کانی انظر الیه'' گویا میں انہی کو دیکھ رہا ہوں۔

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وفات کے بعد بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے اعمال طاعت جاری ہیں جب کہ دوسرے انسانوں کے اعمال تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ انبیاء کے ابدان وفات کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ''یہ مختلف قسم کے افعال بجالانا ابدان ہی سے ہوسکتا ہے، صرف ارواح سے نہیں۔'' (۱)

انبیاء کرام اور عام انسانوں کی موت کا فرق ہوتا ہے:

موت تمام انسانوں پر طاری ہوتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام بھی موت کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں لیکن دونوں کی موتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ عام لوگوں کی موت ''اِبَانَةِ الرُّوْحِ عَنِ الْجَسَدِ'' ہوتی ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات انقباض الروح فی القلب ہے یعنی آپ ﷺ کی روح آپ ﷺ کے جسد اطہر سے الگ نہیں ہوئی بلکہ روح اقدس سارے جسد سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلب مبارک میں مستور ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم ہٹ گیا۔ آثار حیات قلب انور میں پھر پھیل گئے اور روح مبارک اس تعلق کے باوجود علیین سے بھی متعلق ہو گئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''بالجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس پر بھی پورے سواد اعظم (Majority) کا اجماع ہے کہ حضور علیہ السلام کے پردہ قبر میں جانے کے بعد پھر آپ کے جسد اطہر

۱۔ مرقات: ۱۱ / ۱۵۷، کتاب الرؤیا، باب فی المعراج

میں حیات لوٹا دی گئی۔ ادخال روح سے اس دنیا والے جسم عنصری
میں اعادہ حیات ہوا یا تاثیر روح سے آپ کے جسد عنصری میں
حیات لوٹ آئی، اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا، لیکن انجام کار
سب کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض
بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ فائز الحیات ہے۔ آپ ﷺ کی
یہ حیات قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالرزق
روحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔"(۱)

عام لوگوں کے اجسام مرنے کے بعد قبر میں مٹی ہو جاتے ہیں، لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مٹی نہیں ہوتے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی اس کی شہادت موجود ہے۔ سیدنا عزیر علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ منظر دکھانے کے لیے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کر دی اور وہ سو سال اسی حالت میں رہے۔ ان کا گدھا مٹی میں ہڈی ہڈی ہو چکا تھا لیکن انہیں کچھ نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر سے اٹھایا اور فرمایا:

﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

"اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں گے، اور تو گدھے کی ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ کس طرح

۱۔ آب حیات: ص ۲۱۹

ہم انہیں ابھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہو گیا تو اس نے کہا: مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''(۱)

سورہ بقرہ کی ان آیات سے معلوم ہوا کہ گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا' لیکن سیدنا عزیر علیہ السلام پر سو سال کی موت نیند کی طرح تھی۔ اور ان کا بدن پوری طرح محفوظ رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑا رہنے کے لیے قرآن حکیم میں ''لبثـــــت'' یعنی آپ رہے الفاظ استعمال فرمائے' اور قرآن حکیم میں اصحاب کہف(Catacomb Comrades) کے سوئے پڑے رہنے کو بھی اسی لفظ ''لبثـــوا'' سے بیان فرمایا۔ جس طرح اصحاب کہف کو پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے اسی طرح سیدنا عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے۔ صورت حال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل اور نہ وہاں۔

کھانا پینا زندگی کا ایک نشان اور اس کی علامت ہے۔ سیدنا عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا اور نہ باسی ہوا۔ اس میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا حالانکہ کھانا بہت جلد باسی ہو جاتا ہے۔ کھانے میں زندگی رہی' تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی مخفی حیات دے رکھی ہو جس کا انہیں خود بھی علم نہ ہوا ہو۔ اور یہ تو حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جسم (بنیہ) جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آ سکتی۔ اس لیے انبیاء کے اجسام قبر میں بھی محفوظ رہتے ہیں۔ وہ مٹی نہیں ہوتے حالانکہ وہ مٹی میں ملتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور پیغمبر سیدنا سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان فرمایا ہے جو اپنی وفات کے بعد ایک مدت تک لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے۔ جب لاٹھی کو کیڑا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو سیدنا سلیمان علیہ السلام کا جسد اطہر زمین پر گر پڑا' لیکن اسے کیڑا نہ لگا کیونکہ وہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔ جب سیدنا سلیمان علیہ السلام زمین پر گرے تو ان

۱۔ البقرہ: ۲۵۹

کا جسم بالکل تر و تازہ اور نرم تھا۔ جس سے پتہ چلا کہ ان کی روح کے آثار ر باقیہ اب تک جسم کو محیط تھے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام اور دیگر علماء کرام نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا جسد اطہر آج بھی قبر مبارک میں اسی طرح تر و تازہ اور نرم و گداز ہے جیسے کہ اس کو ابھی قبر مبارک میں رکھا گیا ہو۔ (۱)

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ انبیاء کے اعمال ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں اور جن کے اعمال جاری رہیں ان کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی حاصل ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

> ''سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے' یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں باقی رکھا گیا۔'' (۲)

اور کامل حیات عنصری اس روز ملے گی جب قیامت کے لیے لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں ہی حیات بعد الوفات پر فائز کر دیے جاتے ہیں۔ قیامت کے روز انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہوگا اور ان کا عالم برزخ اچانک عالم آخرت میں بدل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کی قبور شق ہوں گی جب کہ عامۃ الناس خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے بلکہ انہیں قدرت خداوندی سے روح و جسد (Soul and body) میں جمع کیا جائے گا کیونکہ ان کے جسم ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ اس کے برعکس انبیاء کرام علیہم السلام کے قیامت کے روز زندہ کیے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا' بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا﴾ (۳)

۱۔ بدایہ، باب الجنائز : ۱ / ۱۲ ، کتاب الروح لابن قیم: ص ۵۴

۲۔ فوائد عثمانی: ص ۵۵۷

۳۔ مشکواۃ: ص ۵۱۴، کتاب الرؤیا ،باب فضائل سید المرسلین ﷺ

''جب لوگ قیامت کے روز اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنی قبر سے نکلنے والا ہوں گا۔''

اس حدیث میں دوسروں کے لیے تو لفظ بعث (اٹھایا جانا) استعمال کیا گیا جب کہ اپنے لیے لفظ خروج (نکلنا) استعمال کیا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ انبیاء علیہم السلام کی موت دوسروں کی موت سے مختلف ہے۔ ان کی برزخی زندگی دوسروں کی برزخی زندگی سے مختلف ہے اسی طرح ان کا حشر بھی دوسروں کے حشر سے مختلف ہے۔ اوروں کو تو اپنی اپنی قبروں سے اٹھنا ہے جب کہ انبیاء کرام کو اپنی اپنی قبروں سے نکلنا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ مضمون کہ حشر آخرت زمین کے ''ذرات منتشرہ'' (Dispersed Particles) اور ''عظام رامیم'' سے ہو انبیاء کرام علیہم السلام اس ذیل میں نہیں آتے۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر ہی ہے جس کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ﴾

''کوئی شخص ایسا نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دے گا۔ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں گا۔'' (۱)

یہ تو اس سلام کے بارے میں ہے جو آپ کے روضہ اقدس پر جا کر پڑھا جائے لیکن دنیا کے کسی کونے میں اگر کوئی شخص سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پڑھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں۔

﴿مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا بَلَغْتُهُ﴾

''جو شخص میری قبر پر آ کر مجھ پر درود پڑھتا ہے اسے میں خود سنتا

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب المساجد، باب البکافی الصلوٰۃ، ۱ / ۱۷۹، مسند امام احمد بن حنبل، حدثنا اللہ حدثنی ابی ثناء عبداللہ بن یزید......الخ، ۲ / ۵۲۷،

۲۔ فتح الباری، کتاب الوضو، باب من للکبائر ان لایستنزء من بولہ، ۱ / ۳۱۹

ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔''

یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ وفات کے بعد غسل دیتے وقت ان کے جسم سے کپڑے نہیں اتارے جاتے بلکہ ان کو انہیں کپڑوں میں غسل دیا جاتا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے آپ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو ان میں یہ گفتگو ہونے لگی کہ عام لوگوں کی طرح آپ کے جسم سے کپڑے اتارے جائیں یا نہ۔ جب اختلاف زیادہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی نیند غالب کی کہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے نہ جا لگی ہو۔ پھر کاشانہ نبوت(Abode of the prophet) کے ایک گوشہ سے کسی کہنے والے نے یہ کہا اور یہ معلوم نہیں کہ وہ تھا کون کہ ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے کپڑوں ہی میں غسل دے دو''۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ کو انہی کپڑوں میں غسل دیا۔(۱)

وحی کے اس نزول کی وجہ سے جس نے آپ کو دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز کیا آپ کی ہر بات میں ایک خصوصیت پیدا کر دی۔ ان خصوصیات کو حافظ ابونعیمؒ امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں جمع فرما دیا ہے۔ ان خصوصیات میں سے آپ کے جنازے کی بھی ایک امتیازی خصوصیت تھی جس کو سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت بڑھ گئی تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے انتقال کے بعد آپ کو غسل کون دے؟ آپ نے فرمایا: میرے گھر کے وہ آدمی جو نسب میں مجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے بھی شامل ہوں گے جو تم کو دیکھتے ہیں لیکن تم ان کو نہیں دیکھتے۔ پھر ہم نے عرض کیا: ''آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے؟ آپ نے فرمایا: ''جب تم مجھے غسل دے کر اور کفن پہنا کر فارغ ہو جاؤ تو مجھ کو میری اس چارپائی پر رکھنا اور پھر اس کو میری قبر کے کنارے پر رکھ دیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد تم سب باہر نکل آنا' کیونکہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھیں گے وہ جبرئیل علیہ

۱۔ خصائص : ۲ / ۲۷۵

السلام ہیں' اس کے بعد میکائیل' پھر اسرافیل' پھر ملک الموت (عزرائیل) اور ان کے ساتھ اور بہت سے فرشتے ہوں گے۔ اس کے بعد میرے اہل بیت مجھ پر نماز پڑھیں اس کے بعد تم لوگ جماعت کی شکل میں اور علیحدہ علیحدہ داخل ہونا اور نماز پڑھنا۔ ہم نے پوچھا: آپ کو قبر میں کون اتارے؟ آپ نے فرمایا: ''میرے گھر کے مرد اور ان کے ساتھ اور بہت سے فرشتے ہوں گے جو تم کو دیکھتے ہیں لیکن تم ان کو نہیں دیکھتے۔ (۱)

تمام خصوصیات کے باوجود انبیاء بشر ہوتے ہیں:

اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے قدم قدم پر امتیازات ہوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ ہر بشری عوارض (Human attributes) میں بھی شریک ہوتے ہیں' بعض عقل و دانش سے محروم لوگ ان کا صحیح مقام سمجھنے میں مغالطہ کھا جاتے ہیں' حالانکہ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ بشر ہوتے ہیں بلکہ افضل البشر ہوتے ہیں اور ابوالبشر کی ذریت میں سے ہوتے ہیں۔ ان کی امتیازی صفات (Distinguishing Qualities) میں سے ایک صفت بھی ایسی نہیں جو بشر کی صفت نہ ہو' لیکن قرآن وسنت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرب و بلندی کے سارے مقامات طے کرنے کے بعد بھی رب العالمین کے سامنے کسی کی ہستی بندگی (عبدیت) سے آگے نہیں جاتی۔

آپ کی ایک خصوصیت کتابوں میں یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے اہل بیت سے تعزیت ملائکہ نے بھی کی۔ صرف ایک آواز آتی تھی' لیکن کوئی شخص نظر نہ آتا تھا اور تعزیت کے الفاظ یہ تھے''

﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اِنَّ فِي اللّٰهِ عَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَ خَلَفًا مِنْ كُلِّ فَائِتَةٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا وَاِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾ (۲)

۱۔ خصائص کبریٰ: ۲ / ۲۷۶

۲۔ خصائص کبریٰ: ۲ / ۲۷۹

''یعنی اے اہل بیت !السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ' ہر مصیبت میں اللہ کی ذات صبر کا سبب ہے اور ہر شے کا جو ہاتھوں سے نکل جائے اللہ تعالیٰ کی ذات بہترین جانشین ہے (یعنی اس کا بدل دے دیتا ہے) لہٰذا صرف اسی کی ذات پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید لگائے رکھو کیونکہ محروم صرف وہ کہا جاتا ہے جو ثواب سے بھی محروم ہو جائے۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ:

انتقال کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام بھی عامتہ الناس کی طرح دفن ہوتے ہیں' لیکن جس طرح ان کی ولادت اور موت کے حالات میں امتیاز ہوتا ہے اسی طرح ان کے دفن کے حالات میں بھی امتیاز ہوتا ہے۔ وہ ہر جگہ دفن نہیں ہوتے بلکہ وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں وہ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات چونکہ سیدہ عائشہؓ کے گھر میں ہوئی تھی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دفن ہونے کی خواہش بھی وہیں تھی' گویا کہ آپ کی وفات کے بعد محل رہائش کا بھی فرق نہیں پڑا' صرف اس کی صورت ذرا بدل گئی۔

عام لوگ جب مر جاتے ہیں تو ان کی وراثت (Heritage) ان کے عزیزوں میں تقسیم ہوتی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی وراثت کسی کو نہیں ملتی۔ یہ بھی ان کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ ان کا تمام ترکہ راہ خدا میں صرف کیا جاتا ہے۔ شہداء ہوں یا صدیقین' کسی بھی بڑے بزرگ کی ازواج کو شوہروں کی وفات کے بعد نکاح کرنے سے نہیں روکا گیا' لیکن نبی کے حق میں اس کو اتنا اہم سمجھا گیا کہ خود قرآن نے ان کو نکاح ثانی سے روکا' کہ نہ کوئی امتی ان سے نکاح کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی اور سے نکاح کر سکتی ہیں۔

وحی انبیاء کی سب سے بڑی خصوصیت ہوتی ہے:

یہ ساری خصوصیات جن میں سے چند ایک کا تذکرہ سطور بالا میں کیا گیا ہے' صرف وحی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام میں پیدا ہوتی ہے' کیونکہ نزول وحی ایک بہت بڑا امتیاز ہے جو انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگیوں میں عامتہ

الناس کے مقابلہ میں ایک امتیازی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے دلیل نبوت کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنی زندگی کو جس میں دوسروں کے مقابلہ میں ایک خصوصی اور امتیازی شان پائی جاتی تھی، بطور دلیل پیش کیا۔ قرآن حکیم نے آپ کی اس امتیازی زندگی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿قَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ صرف اس لیے روتے تھے کہ آپ کے اس دنیا سے جانے کے بعد ہمیشہ کے لیے وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، جو کہ انسانیت کے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے کیونکہ خالق و مخلوق کے مابین ہم کلامی گو بالواسطہ ہو، انسانیت کا ایک بہت بڑا شرف ہے، اور جب دنیا کی عمر آخر ہوئی تو یہ شرف بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ سے کہا کہ آؤ ام ایمن کے پاس اسی طرح چلیں جس طرح سرکار دو عالم ﷺ ان کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں حضرات سیدہ ام ایمنؓ کے گھر پہنچے تو سیدہؓ ان دونوں کو دیکھ کر بے اختیار رونے لگیں۔ انہوں نے سیدہؓ سے رونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہ آپ حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ عیش و آرام کے سامان موجود ہیں۔ میں اس پر تو نہیں روتی، رونا اس پر ہے کہ اب آسمان سے وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ کہہ کر سیدہ ام ایمنؓ نے ان دونوں حضرات کو بھی خوب رلایا۔ (۱)

سیدہ ام ایمنؓ سرکار دو عالم ﷺ کی آزاد کردہ باندی (Maid) تھیں جو آپ کو اپنے والد کے ترکہ میں ملی تھیں۔ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت آیا کی طرح کی تھی، اس لیے آپ ماں کی طرح ان کا اکرام و احترام کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کی ملاقات کے لیے بھی تشریف لے جاتے۔ سیدہؓ بہت ذہین و فہیم بھی تھیں اور وہ خالق و مخلوق کے مابین گفت و شنید (Conversation) کی اہمیت کو پورا پورا سمجھتی تھیں

۱۔ مسلم:

اوراس نعمت عظمیٰ کے گم ہو جانے کے غم میں گھلی جا رہی تھیں۔ جب یہ دونوں حضرات ان کی ملاقات کے لیے گئے تو سیدہؓ کی زبان سے نکلے ہوئے ایک فقرے نے ان کے پیمانہ صبر کو چھلکا دیا اور وہ بھی سیدہؓ کے مابین اس سلسلہ گفت وشنید کی اہمیت پر رونے لگے کیونکہ ان کے ذہنوں میں بھی خالق ومخلوق کے مابین اس سلسلہ گفت وشنید کی اہمیت کا احساس ابھرنے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہی نہیں بلکہ نبی الانبیاء تھے:

یہ وہ خصوصیات ہیں جو عامتہ الناس (Common people) سے ایک نبی کو ممتاز کرتی ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نبی اور رسول ہی نہیں تھے بلکہ نبی الانبیاء اور سید النبیین والمرسلین تھے۔ اس وجہ سے آپ میں کچھ خصوصیات ایسی بھی تھیں جو دوسرے انبیاء علیھم السلام میں بھی نہیں تھیں۔ چنانچہ آپ نے خود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ:

> ''مجھے دوسرے انبیاء (علیھم السلام) پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ (۱) مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے اور (۲) میری مدد مجھے رعب عطا کر کے کی گئی (۳) مال غنیمت (Booty) میری شریعت میں حلال کیا گیا (۴) میرے لیے ساری زمین مسجد اور سامان تیمم بنائی گئی (۵) میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا (۶) اور انبیاء کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا۔'' (۱)

اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیھم السلام سے افضل و برتر تھے کیونکہ رب العالمین نے آپ کو اپنی کتاب قرآن حکیم میں ''رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ'' کے لقب سے نواز ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ (۲)

۱۔ وجعلت لنا الارض کلها مسجد. صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، ۱/ ۱۹۹

۲۔ الانبیاء: ۱۰۷

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

کائنات اپنی بقاء میں آپ کی محتاج ہے:

آپ چونکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں' اور یہ ایک فطری اصول ہے کہ اپنے وجود کی بقا کے لیے ہر شے کو رحمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے پوری کائنات آپ کی محتاج ہوئی۔ اور یہ بھی اصول ہے کہ محتاج الیہ محتاج سے افضل و برتر ہوتا ہے' اس لیے آپ ساری کائنات بلکہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہیں۔ اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ تمام انبیاء اور رسول سے افضل ہیں۔

اسی افضلیت کی وجہ ہی سے تمام انبیاء اور رسل سے آپ پر ایمان لانے کا اقرار لیا گیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی سورہ آل عمران آیت نمبر ۸۱۔۸۲ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر نبی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا مکلّف (bound) ہے۔ اگر انبیاء سابقین میں سے آپ کسی نبی کے زمانے میں مبعوث ہو جاتے تو اس نبی پر لازم اور ضروری تھا کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔" (۱)

اس حدیث کو امام بغویؒ نے اپنی کتاب شرح السنہ جلد ۳ ص ۲۱۹ پر بھی نقل کیا ہے امام ابو یعلی نے اپنی کتاب مسند میں سیدنا جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خدا کی قسم اگر موسیٰ تمہارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ (۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف نبی ہیں بلکہ نبی الانبیاء ہیں۔ اور آپ اپنی خلقت (Creation) کے لحاظ سے تو اول النبیین ہیں

۱۔ المصنف لابن ابی شیبہ: ۹/ ۴۷

۲۔ مسند ابی یعلی: ۲/ ۲۴۷، مسند احمد، حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یونس، ۳/ ۳۳۸

اور بعثت کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔ چنانچہ سیدنا عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرکار مدینہ علیہ الصلواۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت بھی ''خاتم النبیین'' لکھا ہوا تھا جب کہ آدم ابھی اپنی مٹی میں تھے۔ اور عنقریب میں تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا' میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔ اور میں اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا' اور بے شک ان سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے''۔ (۱)

اس حدیث کو دوسرے کئی ایک اور محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عام تھی:

آپ کی افضلیت (Superiority) کی ایک دلیل علماء نے یہ بھی نقل کی ہے کہ ہر نبی کسی خاص علاقہ یا خاص قوم کی طرف مبعوث ہوا لیکن آپ کی بعثت عمومی تھی اور تمام قوموں' تمام علاقوں اور تمام زمانوں کے لیے تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ (۳)

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے معلوم ہوا کہ آپ قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔''

چنانچہ بخاری میں بھی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر نبی خصوصی طور پر اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا جب کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔'' (٤)

۱۔ مسند احمد، حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثناء ......الخ دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسیٰؑ، ۴/ ۱۲۷۔ ۱۲۸

۲۔ ملاحظہ ہو، المستدرک جلد ۲ ص ۶۰۰' حلیتہ الاولیاء جلد ٦ ص ۸۹' دلائل النبوت بیھقی جلد ۲ ص ۱۳۰' معجم کبیر طبرانی جلد ۸ ص ۲۵۲ وغیرہ۔

۳۔ سباء: ۲۸

٤۔ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب کراھۃ الصلوٰۃ فی المقابر: ۱/ ٦۲، شرح السنہ: ۷/ ۵

مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی یعنی اب قیامت تک کوئی اور نبی آنے کا نہیں۔ اب قیامت تک میری ہی نبوت کا دور دورہ ہے۔ (۱)

اس موضوع پر اور بھی بہت سی روایات مختلف کتابوں میں منقول ہیں جن میں اگرچہ کچھ الفاظ کا اختلاف ہے لیکن یہ بات سب میں مشترک ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے لیے سب لوگوں اور سب علاقوں کے لیے مبعوث ہوئے۔ (۲)

آپ کی تمام انبیاء پر افضلیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ تمام کمالات اور اوصاف کے جامع تھے جس کو حضرۃ ملا علی قاری قدس سرہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''آپ کا ظاہر و باطن بالکل صاف تھا' آپ میں نبوت و رسالت مجتمع تھی۔ آپ میں انوار الٰہیہ نہایت قوی تھے' اور آپ انوار صمدیہ (Eternal Light) کے مظہر تھے' اور آپ اپنی ذات میں ایسے کامل تھے کہ اگر آپ دعویٰ نبوت نہ کرتے پھر بھی لوگوں میں آپ کی نبوت ظاہر و باہر ہو جاتی۔''(۳)

ہمارے دعویٰ کی ایک دلیل مسلم کی وہ حدیث بھی ہے جس میں سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیھا نے آپ کے اخلاق کو قرآن حکیم سے تعبیر کیا۔ (٤)

۱۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، ۱ / ۱۹۹

۲۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث ابی موسیٰ اشعریؓ، ۴/ ۴۱۶، حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثناء محمد بن جعفر ۵ / ۱۶۱۔۱۶۲، مجمع الزوائد: ۸ / ۲۵۸

۳۔ شرح شفاعلیٰ ھامش نسیم الریاض: ۱ / ۱۱۳

٤۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ اللیل، ۱ / ۲۵۶، ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ اللیل، ۱/ ۱۸۹، نسائی، کتاب قیام اللیل، باب قیام اللیل، ۱ / ۲۳۷، مسند دارمی: ۱ / ۲۸۴، مسند احمد بن حنبل، حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثناء اسمعیل بن یونس......الخ، ٦ / ۲۱٦

اس حدیث سے پتہ چلا کہ قرآن حکیم کو اگر انسانی پیکر (Human body) میں ڈھالا جائے تو وہ پیکر سرکار دو عالم ﷺ کا ہوگا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ ﷺ کی زندگی انسانیت کے ہر شعبہ پر محیط تھی اور آپ سے قبل کوئی نبی اور رسول محاسن و مکارم اخلاق کا اس قدر جامع نہیں گذرا۔ لہٰذا سب انبیاء و رسل میں آپ کو افضلیت کا مقام حاصل تھا۔

آپ کی افضلیت کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی شریعت تمام شرائع کی ناسخ اور آپ کا دین تمام ادیان کو منسوخ کرنے والا تھا۔ اسی لیے قرآن حکیم نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (۱)

"اور جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنی نعمت تامہ (Complete blessing) قرار دیا۔"

چنانچہ فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (۲)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل (Perfect) کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام (Complete) کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔"

اسی افضلیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (۳)

"عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔"

۱۔ آل عمران: ۸۵

۲۔ المائدہ: ۳

۳۔ الاسرا: ۷۹

مقام محمود وہ مقام ہے جس پر فائز ہونے والے کی تمام اولین و آخرین حمد کریں گے۔ اور لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) آپ کے ہاتھ میں ہوگا' اور آپ ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا منصب عطا کیا جائے گا۔ چنانچہ مسلم میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب تم موذن سے اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو اذان کے ہیں۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو' اور وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید یعنی یقین ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔'' (۱)

پھر اسی افضلیت کی خصوصیت کے باعث آپ کے ذکر کو بلند کیا گیا۔ خود قرآن نے کہا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (۲)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ' اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھ دار انسان نہایت عزت و رفعت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان' اقامت' خطبہ' کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ کا نام لیا جاتا ہے' اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرماں برداری کی تاکید کی ہے۔'' (۳)

سرکار دو عالم ﷺ کے ذکر کی بلندی اور رفعت کا اس سے اندازہ فرمائیں کہ

۱۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الامساک، عن الاغارۃ، ۱/ ۱۶۶

۲۔ انشراح: ۴

۳۔ فوائد عثمانی: ص ۷۹۵

اللہ تعالیٰ نے ہر عزت کے مقام پر آپ کے ذکر کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (۱)

''اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلواۃ پڑھتے رہتے ہیں۔''

قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلواۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ نے صرف تین بار سلام نازل کرنے کا ذکر کیا ہے۔

﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾ (۲)

یعنی یوم ولادت، یوم وفات اور یوم بعثت پر سلام بھیجا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صلواۃ پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر وہاں سلام کا ذکر ہے لیکن یہاں صلواۃ کا ذکر فرمایا۔

عربی دان حضرات جانتے ہیں کہ لفظ ''ان'' تاکید پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ بات قطعی ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمیشہ صلواۃ (درود) بھیجتے رہتے ہیں۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

''یہ آیت مضارع کے صیغہ کے ساتھ جو دلالت کرنے والا ہے استمرار اور دوام (Continuance and permanence) پر، دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔''

اور علامہ اسماعیل حقی صاحب روح البیان لکھتے ہیں:

''بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے درود بھیجنے کا مطلب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام محمود تک پہنچانا ہے اور وہ مقام شفاعت ہے۔ اور ملائکہ کے درود کا مطلب ان کی دعا کرنا ہے حضور اقدس کی زیادتی مرتبہ (Elevation of rank) کے لیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

۱۔ الاحزاب: ۵۶

۲۔ مریم: ۳۳

امت کے لیے استغفار اور مومنین کے درود کا مطلب حضور ﷺ کا اتباع اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت اور حضور ﷺ کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ اور تعریف۔ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اعزاز و اکرام جو اللہ جل شانہٗ نے حضور ﷺ کو عطا فرمایا ہے اس اعزاز سے بہت بڑھا ہوا ہے جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عطا فرمایا تھا' اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کے اس اعزاز و اکرام میں اللہ تعالیٰ خود بھی شریک ہیں' بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے اعزاز کے کہ وہاں صرف فرشتوں کو حکم فرمایا۔''

يُصَلِّيْ عَلَيْهِ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهُ
بِهٰذَا اَبَدًا لِلْعَالَمِيْنَ كَمَالِهِ
عقل دور اندیش می داند کہ تشریفے چنیں
ہیچ دیں پرور ندید' وہیچ پیغمبر نیافت (۱)

آپ کی اسی افضلیت کی وجہ سے آپ کو قائد المرسلین (Leader of the Prophets) بنایا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قبروں سے اٹھنے والوں میں میں سب سے پہلا ہوں۔ جب لوگوں کے وفد آئیں گے تو میں خطیب ہوں گا' اور جب لوگ مایوس ہو جائیں گے میں بشارت دوں گا' اس روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اولاد آدم میں اپنے اللہ کے نزدیک میں سب سے مکرم (Ravered) ہوں اور میں فخر نہیں کرتا۔'' (۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز اولاد آدم کا میں سردار ہوں گا' اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ اور میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور اس پر فخر نہیں کرتا اور

۱۔ بحوالہ فضائل درود شریف: ص ۹۔۱۰

۲۔ مسلم، کتاب الرؤیا، باب فضائل النبی ﷺ، ۲/۲۴۵

آدم اور ان کے علاوہ جتنے نبی ہیں وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے' اور جب زمین شق ہوگی تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا' اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔"

حافظ ابن عساکر نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں قائد المرسلین ہوں اور مجھے فخر نہیں ہے' اور میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے فخر نہیں ہے۔ اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی' اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔" (۱)

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائد المرسلین اور نبی الانبیاء تھے اور آپ میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں جو دوسرے انبیاء و رسل سے آپ کو ممتاز کرتی تھیں۔ جب عامتہ الناس (Common people) کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام میں کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جن سے دوسرے لوگ محروم ہوتے ہیں' تو آپ چونکہ "نبی الانبیاء" تھے' اس وجہ سے آپ کو کچھ ایسی خصوصیات بھی عطا فرمائی گئی تھیں جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں عطا کی گئی تھیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں حدیث کی روایات سے بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پچاس خصوصیات کو نہایت اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ نبوت کی شان کس قدر عظیم ہوتی ہے' اور دوسرے انبیاء علیہم السلام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا مقام تھا۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کے مطالعہ سے اپنے علم میں نہ صرف اضافہ محسوس کریں گے بلکہ نبوت کے بارہ میں ان کے فکری اور ذہنی شکوک و شبہات کا ازالہ بھی ہوگا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مختصر تاریخ دمشق : ۲ / ۱۰۶

باب اول

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی جسمانی خصوصیات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں پائی جانے والی وہ امتیازی خصوصیات جو آپ ہی کا وصف خاص ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی جسمانی خصوصیت

اس بات میں کوئی شبہ نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی نصوص سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت اور عیاں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بشر ہوتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ وہ عام بشروں کی طرح بشر ہوتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز ہوتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نگاہ ڈالی جائے تو ایسا لگتا ہے کہ گویا یہ دونوں الگ الگ اصناف کے افراد ہیں جیسا کہ متنبی نے کہا ہے ؎

وَاِنْ تَـفُـقِ الْاَنَـامَ وَاَنْـتَ مِـنْـهُـمْ
فَـاِنَّ الْـمِسْـکَ بَـعْـضُ دِمَ الْـغَزَالِ

یعنی اے میرے ممدوح! اگر تو مخلوق میں شامل ہوکر پھر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے، آخر مشک بھی تو اسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوا ہے۔ لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت، وہ متعفن اور یہ معطر، وہ ناپاک اور یہ پاک۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی نفس بشریت میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن ان سے مشک کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ صرف اپنی سیرت ہی میں نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی۔ قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو بھی عام عورتوں سے کچھ علیحدہ شان سے بیان کیا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے: "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" یعنی اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہاری بات ان سے بالکل الگ ہے۔ پس جس طرح نبی کی بیویاں دوسری عورتوں سے الگ ہیں اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام بشر ہو

کر ان سے ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرما دیا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جی ہاں، لیکن کیا تم میں سے کوئی میری طرح ہے؟''

﴿إِنِّیْ أَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ﴾ (۱)

''میں رات اپنے پروردگار کے پاس گزارتا ہوں، وہ مجھ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔''

اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری بشریت کے سب خواص وہی نہیں ہیں جو تمہاری بشریت کے ہیں۔ میری بشریت آب وغذا میں بھی تم سے مختلف ہے۔ آب وغذا کی نوعیت جو بھی ہو، آپ نے اس کو شب کے ساتھ مقید فرما دیا۔ اگر ''انی ابیت'' کے بجائے ''انی اصبح'' فرما دیتے یعنی میں صبح کرتا ہوں اس حالت پر، تو عام انسانوں کے لیے آب وغذا کے ساتھ روزہ کی حقیقت کو قائم رکھنا کس قدر بھاری ہو جاتا۔ مختصر یہ کہ اگر ایک طرف انبیائے کرام علیہم السلام میں بشریت کی وہ عام صفات موجود ہوتی ہیں جو ان کی بشریت کا ایک واضح اور بدیہی ثبوت ہوتی ہیں تو اسی کے ساتھ دوسری طرف ان میں وہ صفات بھی موجود ہوتی ہیں جو عام بشریت سے ان کی فوقیت کا اس سے زیادہ بدیہی ثبوت ہوتی ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب استحباب صیام ثلثة ایام......الخ: ۸/۵۰

محمد رسول اللہ ﷺ
کی پیدائش کے وقت پاکیزگی

آپ جب پیدا ہوئے تو نہایت لطیف اور پاک صاف تھے۔ جسم مبارک ہر قسم کی گندگی اور غلاظت سے محفوظ و مصؤن تھا۔ خود سیدہ آمنہ کا بیان ہے کہ آپ جب پیدا ہوئے تو نہایت لطیف اور پاک وصاف تھے اور جسم مبارک پر کسی قسم کی کوئی گندگی اور آلائش نہ تھی۔ (۱)

ایسا ہونا غیر ممکن بھی نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام اگر چہ بشر اور انسان ہوتے ہیں لیکن اللہ جل مجدہ نے ان کے حواس اور جملہ افعال میں ایک خاص خصوصیت رکھی ہوتی ہے جو ان کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ چنانچہ ان کا اٹھنا بیٹھنا، ان کا سونا، ان کا جاگنا، ان کا دیکھنا، ان کا سننا، ان کا لعاب دہن، ان کا پسینہ، ان کی پیدائش، ان کا بچپن، ان کی جوانی اور ان کے بڑھاپا غرضیکہ ان کی جملہ حرکات وسکنات میں حق تعالیٰ نے ایک خاص خصوصیت رکھی ہوتی ہے۔ ان کی ہر چیز میں خصوصیت کیوں ہوتی ہے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ان میں سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا خمیر ہی جنت کی مٹی سے اٹھایا ہوا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس دنیا میں رہنے کے باوجود ان میں اہل جنت کے خواص پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خود سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَآءِ وَبُنِيَتْ اَجْسَادُنَا عَلٰى اَرْوَاحِ اَهْلِ الْجَنَّةِ﴾ (۲)

۱۔ طبقات ابن سعد: ۱/ ۶۳، زرقانی شرح مواہب: ۷/ ۱۸۹

۲۔ الاصابۃ: ۱۰۸/۸

''ہم گروہ انبیاء کے اجسام کی پیدائش اور نشوونما اہل جنت کی ارواح کے طور طریق پر ہوتی ہے۔''

امام رازیؒ قدس سرہ نے انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کی ماہیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان نفوس میں فہم وفراست، ذکاء و فطانت اور جسمانیات اور شہوات کے لحاظ سے ایک خاص قسم کا ترفع اور برتری پائی جاتی ہے۔ جب ایک طرف روح اپنی پاکیزگی اور شرف کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور دوسری جانب جسم بھی طہارت و پاکیزگی کا مجسمہ ہو تو لازمی طور پر ان کے قوائے محرکہ اور مدرکہ اپنے کمال کی انتہا پر ہوں گے کیونکہ جب فاعل اور قابل انتہائی کامل ہوں گے تو پھر ان کے آثار قوت و شرف اور پاکیزگی بھی نہایت کامل ہوں گے۔'' (۱)

اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی پیدائش اور ان کی تمام حرکات و سکنات دوسرے عام انسانوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور سیدنا عبداللہ کی جبین سعادت سے منتقل ہو کر سیدہ آمنہ کے شکم مبارک میں قرار پایا تو سیدہ کے بیان کے مطابق یہاں بھی اس کی شان نرالی تھی۔''

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں:

﴿مَا شَعِرْتُ اَنِّیْ حَمَلْتُ بِهٖ وَلَا وَجَدْتُ لَهٗ ثِقَةً كَمَا تَجِدُ النِّسَآءُ اِلَّآ اَنِّیْ اَنْكَرْتُ رَفْعَ حَيْضِیْ وَرُبَمَا كَانَتْ تَرْفَعُنِیْ وَتَعُوْدُ وَ قَدْ أَتَانِیْ آتٍ وَاَنَا بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ. فَقَالَ هَلْ شَعِرْتَ اَنَّكِ حَمَلْتَ؟ فَكَاَنِّیْ اَقُوْلُ مَاادْرِیْ فَقَالَ:

۱۔ تفسیر کبیر: ۲/ ۴۵۶

﴿اِنَّکَ قَدْ حَمَلْتَ بِسَیِّدِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَنَبِیِّهَا﴾ (۱)

''مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ نہ مجھے اس حمل کا کوئی بوجھ محسوس ہوا جو ان حالات میں دوسری عورتوں کو محسوس ہوتا ہے۔ مجھے صرف اتنا محسوس ہوا کہ میرے ایام حیض بند ہو گئے ہیں۔''

چنانچہ ایک روز میں نیند اور بیداری کے بین بین تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے پوچھا: ''تجھے معلوم ہے کہ تو حاملہ ہے؟'' میں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر اس نے بتایا: تم حاملہ ہو اور تمہارے شکم میں امت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہے۔

چنانچہ آپ کے ایام حمل نہایت آرام سے گزرے اور آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اور جس روز آپ کی ولادت باسعادت ہوئی سیدہ آمنہ سے ایک نور نکلا جس نے سارے گھر کو بقعہ نور بنا دیا اور ہر طرف مجھے نور ہی نور نظر آتا تھا۔ پھر یہی نظافت جو پیدائش کے وقت آپ سے ظاہر ہوئی پوری زندگی آپ میں اور آپ کی تعلیمات میں ظاہر رہی۔ چنانچہ آپ نے امت کو تعلیم دی۔

﴿بُنِيَ الدِّيْنُ عَلَى النَّظَافَةِ﴾ (۲)

''دین اسلام کی بنیاد ہی نظافت اور پاکیزگی پر رکھی گئی ہے۔''

اور آپ نے پوری امت کو یہ تعلیم دی کہ اپنے لباس اور جسم کو صاف اور ستھرا رکھیں۔ اور خود آپ کی اپنی حالت یہ تھی کہ سیدنا جابر بن سمرہؓ بیان فرماتے ہیں

﴿اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ خَدَّهُ، قال: فَوَجَدْتُ لِيَدِهٖ بَرْداً وَّرِيْحاً كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ﴾ (۳)

''ایک روز سرکار دو عالم ﷺ نے میرے رخسار پر اپنا دست مبارک پھیرا تو آپ کے دست مبارک کی خنکی اور مہک میں نے

۱۔ الوفاء، الطبقات الکبری، باب ذکر حمل آمنة برسول الله ﷺ: ۹۸/۱

۲۔ المصنوع: ۷۷/۱

۳۔ تهذیب الکمال: ۵۹۴/۲۱

محسوس کی، اور یوں محسوس ہوا جیسے عطار کی صندوقچی سے دست مبارک ابھی نکالا ہے۔"

آپ کے خادم خاص سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں

﴿مَاشَمَمْتُ عَنْبَراً قَطُّ وَلَا مِسْكاً وَلَا شَيْئاً اَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم﴾ (۱)

"میں نے کبھی کوئی عنبر کوئی مشک اور نہ ہی کوئی اور شے سونگھی جس کی مہک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔"

علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کرتا تو سارا دن اس کا ہاتھ خوشبو میں ڈوبا رہتا اور اگر آپ کسی بچے کے سر پر دست شفقت پھیرتے تو آپ کے ہاتھ کی خوشبو کے باعث وہ بچہ دوسرے تمام بچوں میں شناخت کیا جا سکتا تھا۔

اسی وجہ سے آپ کے پسینہ میں بھی خوشبو تھی جب کہ دوسرے انسانوں کے پسینہ میں بدبو ہوتی ہے۔

چنانچہ دارمی، بیہقی اور ابو نعیم نے سیدنا جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کسی راستہ پر چلتے تو اس پورے راستہ میں آپ کی مہک بس جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے والا آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس راستہ سے گزرے ہیں گویا کہ

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی
بتائے دیتی ہے خوشبو ہوا کی

ابن عساکر نے سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی والدہ سیدہ ام سلیمؓ سے جو شے وراثت میں ملی وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک چادر مبارک، ایک پیالہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ نوش فرمایا کرتے تھے، خیمہ کا ایک کھمبا اور ایک رامک۔ رامک ایک سیاہ رنگ کی خوشبو ہوتی تھی جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ

۱۔ شعب الایمان، فصل فی بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم......الخ: ۲/۱۵۴

مبارک میں گوندھ کر بنائی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا جیسے بخار کے مریض کو آتا ہے۔ سیدہ ام سلیمؓ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے اور دوپہر کا قیلولہ وہیں فرماتے۔ سیدہ ام سلیمؓ سوتے میں حضور ﷺ کا پسینہ جمع کرتی رہتیں اور اس کو رامک خوشبو میں ڈالتیں اور وہ خوشبو دلہنوں کے کام آیا کرتی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک سے ہر وقت خوشبو اٹھتی رہتی تھی۔ گویا کہ آپ کا جسم مبارک ایک مجسم خوشبو تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے جو فضا چھو جاتی تھی وہ بھی از خود معطر ہو جاتی تھی۔

آپ کی اسی جسمانی ماہیت کے یہ اثرات تھے کہ جس طرح پیدائش کے وقت آپ نظیف و پاکیزہ پیدا ہوئے تھے اسی طرح سیدنا علیؓ کے فرمان کے مطابق آپ ﷺ کے وصال بعد بھی آپ کا جسم مبارک غسل کے وقت ہر قسم کی آلودگی اور نجاست سے پاکیزہ تھا جو عام طور پر ہر میت میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی اس نظافت اور پاکیزگی کو دیکھ کر سیدنا علیؓ نے فرمایا: ''طبت حیا و میتا'' اے اللہ کے رسول! آپ زندگی میں بھی اور وصال کے بعد بھی دونوں حالتوں میں پاکیزہ اور طیب ہیں۔ (۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ علل الدارقطنی، باب اول، حدیث عمر بن الخطابؓ: ۳/۲۱۹

محمد رسول اللہ ﷺ کا ناف بریدہ اور مختون پیدا ہونا

آپ ناف بریدہ اور مختون (Circumcised) پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور فرمایا "لیکونن لابنِي هٰذا شَأنٌ" کہ میرے اس بیٹے کی بہت بڑی شان ہوگی۔ (۱)

آپ کے ناف بریدہ اور مختون پیدا ہونے کے بارے میں حاکم نے تو تواتر کا دعویٰ کیا ہے' لیکن علماء کو اس سے اتفاق نہیں۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مختون پیدا ہوئے۔ ابن عساکر نے سیدنا انس سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور کسی شخص نے میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ (۲)

ختنہ کے بارے میں تین اقوال منقول ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب نے ساتویں روز آپ کی ختنہ کی جیسا کہ عرب میں دستور چلا آرہا تھا۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آپ کی ختنہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں ہوئی' اس قول کو تمام علماء نے ضعیف کہا ہے۔

دوسرے قول کے بارے میں کچھ روایات کتابوں میں ملتی ہیں لیکن حافظ ابن

۱۔ الطبقات الکبری، باب ذکر أسماء رسول الله ﷺ: ۱/۱۰۳

۲۔ مجمع الزوائد، باب ختانه ﷺ: ۸/ ۲۲۴

کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان روایات کی صحت محل بحث ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا تو مختون ہی ہوئے البتہ ختنہ کی تتمیم اور تکمیل آپ کے دادا نے کی۔ چنانچہ آپ کے مختون پیدا ہونے والی روایت کو بہت سے علماء نے نقل کیا ہے۔ (۱)

اس لیے اس روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا مشہور اور معتبر قول اس بارے میں پہلے دو ہی ہیں۔ اور علماء نے ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ آپ پیدا تو مختون ہی ہوئے البتہ ختنہ کی تتمیم اور تکمیل آپ کے دادا نے کی۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ الطبرانی الاوسط: ۱۸۸/٦، المعجم الصغیر: ۱۴۵/۲، التمہید لابن عبدالبر: ۱۴۰/۲۳، الطبقات الکبریٰ، باب ذکر مولد رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۰۳/۱

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا شق صدر ہونا

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ نقل کی گئی ہے کہ آپ کا سینہ مبارک شق ہوا۔ بعض روایات کے مطابق چار بار اور بعض روایات کے مطابق دو بار آپ کا شق صدر ہوا۔ پہلی بار اس وقت جب آپ سیدہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک روز آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل میں گئے ہوئے تھے کہ آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہانپتا کانپتا آیا اور کہا کہ دو سفید لباس پہنے ہوئے اشخاص آئے اور ہمارے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر اس کا شکم چاک کیا۔ اب وہ اس کو سی رہے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حلیمہ اور اس کا شوہر افتاں و خیزاں اس جنگل کی طرف دوڑے ہوئے گئے۔ دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہیں لیکن چہرہ اقدس کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ سیدہ حلیمہ کا بیان ہے کہ میں نے محمد (ﷺ) کو دیکھتے ہی فوراً اپنے سینہ سے چمٹا لیا۔ حلیمہ کے بعد آپ کے رضاعی باپ نے نہایت محبت و شفقت سے اپنے سینے سے لگایا اور پوچھا کہ کیا واقعہ ہوا؟ آپ نے جو کچھ دیکھا تھا سب کچھ بیان فرما دیا۔ حلیمہ اور اس کا خاوند آپ کو فوری طور پر گھر واپس لے آئے۔ (۱)

اس وقت آپ کی عمر چار سال کی تھی۔ یہ سفید پوش دو اشخاص دو فرشتے جبرائیل اور میکائیل تھے۔ وہ دونوں انسانی شکل میں ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لے کر آئے۔ اور آپ کا شکم مبارک چاک کر کے آپ کے قلب مبارک کو باہر نکالا۔ پھر قلب کو چاک کر کے اس کے اندر ایک یا دو جمے ہوئے خون کے ٹکڑوں کو نکالا اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر قلب کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا' بعد ازاں

۱۔ ابن هشام : ۱ / ۵۶، مجمع الزوائد : ۸ / ۲۲۱

قلب کو اپنی جگہ رکھ کر سینہ کو سی دیا اور دونوں کے درمیان ایک مہر (Seal) لگا دی۔ اس شق صدر کے بارے میں مختلف روایات مختلف صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ (۱)

دوسری بار یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری اور مسلم اور صحاح کی دوسری کتابوں میں منقول ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ دوسری مرتبہ یہ واقعہ آپ کو اس وقت پیش آیا جب آپ کی عمر دس سال تھی۔ (۲)

تیسری بار یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا۔ (۳)

بعض حضرات اور آج کل کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ شق صدر سے مراد شرح صدر لیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ شرح صدر اور شے ہے اور شق صدر دوسری شے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی نے اپنی مشہور کتاب مواہب اللدنیہ اور حافظ زرقانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ جو کچھ مروی ہے یعنی شق صدر اور آپ کے قلب مبارک کا باہر نکالنا وغیرہ اس قسم کے خوارق (Miracles) کا اسی طرح تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح یہ منقول ہوئے۔ ان کو اپنی اصل حقیقت سے نہ پھیرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی شے محال نہیں ہے۔ دوسرے تمام علماء نے بھی یہی کچھ لکھا ہے کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور صحیح حدیث اس کی موید (Supporter) ہے' وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ سلائی کا نشان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بعض جہلائے عصر شق صدر سے انکار کرتے ہیں اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرتے ہیں' یہ صریح جہالت اور سخت

۱۔ فتح الباری، باب المعراج : ۱/ ۲۰۵ ،مستدرک حاکم ، باب خاتم النبوۃ : ۲/ ۶۱۶ ، مجمع الزوائد : ۸ / ۲۲۲ ، زرقانی : ۱/ ۱۶۰ ، دلائل ابی نعیم : ۱ / ۷۱ ،طبقات ابن سعد: ۱ / ۱۹۷ ،البدایہ والنہایہ : ۲ / ۲۷۵

۲- فتح الباری ، باب ماجاء فی قولہ عزوجل وکلم اللہ موسیٰ.....الخ: ۱۳/ ۴۸۱، زرقانی: ۱ / ۱۸۳ ،مجمع الزوائد: ۸ / ۲۲۳

۳- مسند ابی داؤد طیالسی: ص ۲۱۵ ، دلائل ابی نعیم : ۱/ ۶۹ ،فتح الباری، باب ماجاء فی قولہ عزوجل وکلم اللہ موسیٰ.....الخ: ۱۳/ ۴۸۱ ،مجمع الزوائد: ۸ / ۲۵۵

غلطی ہے (فَهُوَ جَهْلٌ صَرَاحٌ وَ خَطَاءٌ قَبِيْحٌ) جو اللہ کی عدم توفیق اور علوم فلسفیہ میں منہمک اور علوم سنت سے، بعد اور دوری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔(۱)(آمین)

شق صدر کے اسرار:

علماء نے شق صدر کے بہت سے اسرار و حکم لکھے ہیں۔ پہلی مرتبہ جو حلیمہ سعدیہ کے ہاں زمانہ قیام میں آپ کا قلب چاک کر کے ایک یا دو سیاہ نقطے نکالے گئے' وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس کو آپ کے قلب مبارک سے نکال باہر کیا تاکہ آپ کا قلب مبارک پاک و مطہر ہو جائے۔ اور آپ کے قلب مبارک کو برف سے اس لیے دھویا گیا کہ گناہ کا مزاج گرم ہوتا ہے' اس لیے گناہ کے مادہ کو بجھانے کے لیے برف کا استعمال کیا گیا کہ گناہ کی حرارت کا نام و نشان بالکل ختم ہو جائے۔ چنانچہ قرآن و سنت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ کا مزاج گرم ہوتا ہے۔ ابوداؤد میں حدیث ہے۔ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے

﴿وَاِنَّمَا يُطْفَى النَّارُ بِالْمَآءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّاْ﴾(۲)

''اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے' اس لیے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لے۔''

آگ میں دو صفات ہیں: ایک حرارت اور دوسرے علو یعنی اوپر کو چڑھنا۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے وصف کے لحاظ سے غصہ کا علاج یہ بتایا کہ وضو کر کے غصہ کی آگ کو پانی سے بجھاؤ اور دوسرے وصف کا علاج یہ بتایا کہ ''جس کو غصہ آئے وہ بیٹھ جائے اور اگر بیٹھنے سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے''۔(۳)

اسی لیے حدیث میں ہے کہ آپ نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:

۱۔ مواهب اللدنيه: ۵۱/۸

۲۔ ابوداؤد، كتاب الادب، باب مايقال عندالغضب، رقم الحديث: ۴۱۵۲

۳۔ رواه احمد، رقم الحديث: ۲۰۳۸۶

﴿اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَآءِ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ﴾

"اے اللہ! میری خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے۔"

گناہوں میں چونکہ نجاست کے ساتھ حرارت بھی ہوتی ہے اس لیے غسل یعنی تطہیر نجاست کے ساتھ تبرید (Cooling) اور تسکین حرارت کی دعا بھی مانگی۔

احادیث نبویہ سے پتہ چلتا ہے کہ محبت خداوندی کا مزاج سرد ہے جس طرح کہ مخالفت خداوندی (گناہ) کا مزاج گرم ہے۔ اس لیے حدیث میں اس سلسلہ میں ایک اور دعا بھی آئی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ﴾ (۱)

"اے اللہ! اپنی محبت میرے لیے سب سے زیادہ محبوب بنا دے حتیٰ کہ میرے نفس سے اور میرے اہل سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ۔"

معراج میں جانے سے قبل جو آپ کا شق صدر کیا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا قلب مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات خداوندی اور آیات الٰہیہ کے مشاہدے کا تحمل کر سکے۔ غرض کہ جتنی بار بھی آپ کا شق صدر کیا گیا ہر بار اس کی جداگانہ حکمت تھی۔

اور بعض روایات میں جو شق صدر کے بعد مہر لگانے کا ذکر ہے تو اس کی حکمت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ جب کسی شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو اس شے کو بند کر کے اوپر مہر لگا دیتے ہیں تا کہ جو شے اس میں رکھ دی ہے وہ باہر نکلنے نہ پائے۔ اسی طرح شق صدر سے جب قلب مبارک کا اندرونی حصہ حظ شیطان سے پاک کر دیا گیا تو دونوں شانوں کے درمیان قلب کے مقابل مہر لگا دی گئی تا کہ جو کچھ علم و حکمت کا خزینہ قلب مبارک میں رکھا گیا ہے وہ باہر نہ نکل سکے۔ اور قلب مبارک شیطانی وسوسوں (Satanic apprehension) اور دیگر حملوں سے محفوظ ہو جائے۔ گویا پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ الترمذی، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید: ۵۲۲/۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قوت ذائقہ کی خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوت ذائقہ بھی دوسرے سب لوگوں سے ممتاز تھی، جیسا کہ امام رازیؒ نے عام انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کے بارے میں لکھا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ ایک انصاری صحابی کہتے ہیں کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ قبر کے اوپر سے ایک گورکن کو یہ ہدایت فرماتے تھے، دیکھنا ذرا پائنتی کی طرف سے اور کشادہ کرنا، ذرا سرہانے کی طرف سے اور کشادہ کرنا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو دفن کر کے واپس ہوئے تو سامنے سے اس کی بیوی کی جانب سے ایک شخص آپ کو بلانے کے لیے آیا۔ آپ اس کے ساتھ ہو لیے۔ اس وقت ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ حسب دستور کھانے کے لیے پہلے آپ نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے ہاتھ بڑھائے اور کھانا شروع کیا۔ ہم نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لقمہ چبا رہے ہیں لیکن نگلتے نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔'' متوفی کی بیوی نے کہلا بھیجا: ''یا رسول اللہ! واقعہ تو یہ ہے کہ میں نے نقیع کے بازار میں جہاں بکریاں فروخت ہوتی تھیں ایک آدمی بھیجا تھا تاکہ وہ میرے لیے ایک بکری خرید لائے۔ جب وہاں بکری نہ ملی تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کے پاس آدمی بھیجا۔ اس نے ایک بکری خریدی تھی کہ جس قیمت میں اس نے وہ بکری خریدی ہو اسی قیمت میں وہ مجھے دیدے۔ اتفاقاً وہ نہ ملا۔ پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا۔ اس نے مجھ کو یہ بکری بھیج دی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

﴿اَطْعِمِیْ هٰذَا الطَّعَامَ الْاَسْرٰی﴾ (۱)

''اس کھانے کو قیدیوں کو کھلا دو۔''

اس حدیث سے سرکار دو عالم ﷺ کی امتیازی خصوصیت کے ایک پہلو کا پتہ چلتا ہے کہ عام انسانوں کی زبانیں تو تلخ و شیریں کا احساس کرتی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی زبان حلال و حرام کا بھی احساس کرتی ہے۔ اس سے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اسلام کس قدر نازک اور پاکیزہ دین ہے کہ اس کے نزدیک ضیافت کا کھانا غیر ذمہ دارانہ اجازت کے بعد بھی کھانے کے قابل نہیں ہوتا، وہ ایسے ہی مصرف میں آ سکتا ہے جہاں زیادہ چھان بین کا محل نہ ہو۔ جو لوگ میت کے مال میں سے قرض اور تقسیم وراثت سے قبل ہی کھانے پکا پکا کر خود کھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے کھانے اور اس قسم کے کھانے والوں سے میت کو ثواب ملتا ہے وہ ذرا ٹھنڈے دل سے اس حدیث پر غور کریں اور سوچیں کہ وہ کیا کھا رہے ہیں۔ کہیں وہ یتامیٰ کا مال کھا کر اپنے پیٹوں میں آگ تو نہیں بھر رہے؟ جیسے قرآن کریم میں ہے

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ (۲)

''بے شک جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں اور کچھ نہیں بس وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔''

یارب صل وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ عون المعبود، باب فی اتناب الشبہات: ۹/۱۳۰

۲۔ النساء: ۴، آیت: ۱۰

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے دست مبارک کی خصوصیت

ویسے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک کے اعجازی کرشمے بہت سی احادیث نبویہ میں آئے ہیں۔ انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ انگلی کے ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے بھی ہو گئے اور انگلی ہی کے ایک اشارہ میں مدینہ طیبہ سے ہٹ کر بادلوں نے اطراف کا رخ کر لیا، مگر اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست شفا میں شفا کی خاصیت عام معجزات کی طرح وقتی اور غیر اختیاری نہ تھی بلکہ اس کا طبعی اثر تھا۔ چنانچہ حدیث میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ جب بیمار ہوتے تو پہلے اپنے ہاتھوں پر آپ معوذات پڑھ کر دم کرتے اس کے بعد ان کو اپنے سارے جسم پر پھیر لیتے۔ جب ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آخری بیماری ہوئی:

﴿كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِهِنَّ وَاَمْسَحُ بِيَدِهٖ لِبَرْكَتِهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾

''تو میں معوذات پڑھ کر دم تو خود کرتی لیکن ہاتھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پھیرتی۔''(۱)

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی فہم کتنی قابل داد ہے اور وہ اس نکتہ کو جانتی تھیں اور وہ آپ کے اس معمول کو آپ کی بیماری میں اس طرح پورا کرتی تھیں کہ معوذات تو وہ خود پڑھتیں اور بیماری میں آپ کو اس کی تکلیف نہ دیتیں، لیکن جہاں دیکھتیں کہ اب یہاں وہ نیابت سے قاصر ہیں وہاں مجبور ہو کر آپ ہی کے دست مبارک کو استعمال

۱۔ صحیح البخاری، باب الرقی بالقرآن والمعوذات: ۲۱۶۵/۵

کرتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ہاتھ میں کوئی امتیازی خصوصیت تھی جس میں عام لوگ تو کیا امہات المومنین بھی شرکت نہ رکھتیں۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ جس طرح عام بشر سے اپنی روحانی قوتوں میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح جسمانی طاقتوں میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔اپنی سامعہ باصرہ، شامہ اور ذائقہ سب ہی طاقتوں میں ممتاز ہوتے ہیں۔(۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ تفسیر کبیر: ۴/۴۵۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی آواز کی خصوصیت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خصوصیت رکھی گئی تھی۔ ہوا کی مخالفت وموافقت سے اور آواز کی قدرتاً بلندی وپستی سے دور تک آواز پہنچنے یا نہ پہنچنے کا فرق تو عام انسانوں میں بھی ہو جاتا ہے لیکن ایک ہی انسان میں اس کے معمول کے برخلاف اس کی آواز ہر ہر خیمہ میں اس طرح جا پہنچی جیسے وہ یہاں کھڑا بات کر رہا ہے، کبھی کبھی یہ عمل انبیاء علیہم السلام ہی میں ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کرام بھی کتنے فہیم، کتنے با ایمان اور مستحکم عقیدہ کے لوگ تھے کہ نہ تو انہوں نے آپ کی اس غیر معمولی آواز کو ہوا کی موافقت کا کرشمہ سمجھا اور نہ اس کو غیر معقول تصور کیا بلکہ بڑی آسانی کے ساتھ یوں حل کر لیا کہ جس قدرت نے ہم کو ایک محدود فاصلہ پر شنوائی کی قوت عطا فرمائی ہے، اسی نے آج اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر شنوائی کی قوت بخش دی ہے چنانچہ سیدنا عبدالرحمن معاذ التیمی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں ہمیں خطبہ دیا۔

﴿فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا حَتّٰی اَنْ کُنَّا لَنَسْمَعُ مَایَقُوْلُ وَنَحْنُ فِیْ مَنَازِلِنَا﴾

”تو اس کو سننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان اس طرح کھول دیئے تھے کہ ہم تمام لوگ جہاں جہاں بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سب سن رہے تھے۔“ (۱)

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام تو اپنے جسمانی خواص میں ممتاز ہوتے ہی تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے مخاطب بھی ساری مخلوق میں ممتاز صفت ہوتے تھے۔

۱۔ سنن البیهقی الکبریٰ، باب أخذ الحصی لرمی جمرة العقبی: ۱۲۷/۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی چشم مبارک کی خصوصیت

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جماعت کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف رخ پھیر کر فرمایا:

﴿اِسْتَوُوا مَرَّتَيْنِ اِنِّيْ اَرَاكُمْ مِّنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ بَيْنَ يَدَيَّ﴾

''اپنی صفیں سیدھی کرو اور خوب مل مل کر کھڑے ہو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔'' (۱)

بخاری ہی کی ایک اور روایت میں جو سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم میرا قبلہ توجہ صرف سامنے کی طرف سمجھتے ہو۔

﴿وَاللّٰهِ! مَا يُخْفٰى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ وَاِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ﴾

''خدا کی قسم! تمہارا رکوع کرنا اور تمہارا خشوع یعنی قلبی خوف بھی مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا میں تمہیں اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔'' (۲)

یہ رؤیت تو اس عالم کی رؤیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم دور بین اس عالم سے گزر کر کبھی کبھی جنت اور دوزخ کا بھی مشاہدہ کر لیتی ہے۔ آپ تو آپ ہی ہیں

۱۔ الطبرانی فی الاوسط، باب من اسمه ابراهيم: ۱۲۰/۳

۲۔ بخاری، باب الخشوع فی الصلاۃ: ۱/۱۶۱

آپ کے صحابہ کرامؓ تک جنگ کے موقعوں پر کبھی کبھی فرشتوں کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ کسی صحابی کو خدا کا فرشتہ سلام کرتا اور وہ اس کی آواز سن لیتا تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ مقام نہاوند کی جنگ مدینہ میں بیٹھ کر دیکھتے تھے اور آپ کی "یا ساریۃ الجبل" کی آواز آپ کا جرنیل نہاوند میں سن لیتا تھا۔ آج ریڈیو کی آواز نے آواز کا مسئلہ تو ختم کر دیا ہے۔ اگر ذرا سی وسعت دے کر بصر کے متعلق بھی آپ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو چنداں دشوار نہیں ہے۔ اب بھی خورد بین اور دوربین کے ذریعہ سے ہم چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ عام آنکھیں اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔ خوردبین سے بیماریوں کے جراثیم چلتے پھرتے نظر آجاتے ہیں جب کہ دوربین کے ذریعہ سے سینکڑوں میل کا فاصلہ کس طرح کفِ دست معلوم ہونے لگتا ہے۔ اگر ارباب روحانیت وتزکیہ کی نظر بھی مادیت میں ڈوبی ہوئی نظروں سے کسی بلند عالم کا مشاہدہ کرتی ہیں تو ہمیں اس کا بھی انکار نہیں کرنا چاہیے، اور یہ سمجھنا چاہیے کہ بیماری کے باریک جراثیم کی طرح ان کے دیکھنے کا ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں۔ اگر فرض کرلو وہ تیزیٔ نظر ہمیں بھی میسر آجائے تو ہم بھی خورد بین کے بغیر ان جراثیم کا مشاہدہ کر لیں۔ یہاں انکار یا تاویل کرنا دونوں راستے غلط ہیں۔ انکار تو اس لیے کہ جو خود دیکھتا ہے نہ دیکھنے والوں کو اس کے مشاہدہ کے رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسے اپنی قصور نظر کا اعتراف کرنا چاہیے نہ کہ ایک قوی النظر شخص کی رؤیت کا انکار۔ اسی لیے ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے سیدہ عائشہؓ کو اپنا سلام کہلوایا تو آپ نے جواب دے کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "تری مالا نری"(۱) یعنی آپ تو ان کو دیکھ رہے ہیں ہم نہیں دیکھ پاتے۔ گویا اپنی قصور نظر کا اعتراف کیا اور آپ کے مشاہدہ کی تصدیق کی۔

آخر جب عام طور پر نظروں میں قوت بصر کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے تو اگر انبیاء علیہم السلام کی نظر عام نظروں سے کچھ اور تیز مان لی جائے تو اس کے انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور تاویل کرنا اس لیے غلط ہے کہ جو شخص خود دیکھتا ہے، اپنے متعلق یہی عقیدہ رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی یہی باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ درحقیقت دیکھتا ہے اور وہی

۱۔ صحیح ابن حبان، باب ذکر عمرو بن العاص السهميؓ: ۱۲/۱۶

الفاظ استعمال کرتا ہے جو صرف دیکھنے کے لیے مستعمل ہیں، اور اس کے خلاف کوئی ادنیٰ اشارہ تک نہیں کرتا، تو ان کو کشف والہام پر محمول کر لینا یقیناً غلط ہے بلکہ ایک واقعہ کا انکار ہے۔ ہمیں اس کا کیا حق ہے کہ اگر ہماری آنکھیں کچھ چیزوں کو نہیں دیکھتیں تو جو آنکھیں انہیں دیکھتی ہیں ہم ان کے لیے بھی تاویلیں تراشنے بیٹھ جائیں۔ بعض لوگوں نے تو اسی مغالطہ میں تمام جگہ آپ کے چشم دید حالات کو صرف کشف کہہ دیا ہے حتیٰ کہ معراج کو بھی ایک قسم کا کشف ہی کہہ دیا۔ تعجب ہے کہ خود دیکھنے والا تو اپنے متعلق دیکھنے کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہی باور کرانے کی سعی کرتا ہے مگر سننے والا ہے کہ اس کی خیر خواہی میں صرف اس لیے اس کے الفاظ کی تاویل کرنے لگتا ہے کہ اس کی آنکھوں نے اس کو نہیں دیکھا۔

نبی اور امتی کی قوت بصریہ میں فرق:

ہمارے نزدیک نبی اور امتی کی قوت بصریہ میں ایک فرق یہ ہے کہ امتی کی نظر اس عالم میں صرف اسی عالم کی اشیاء تک محدود رہتی ہے۔ جب وہ اس جہان سے گزر کر برزخ میں جا پہنچتا ہے تو پھر اس پر گاہ عالم برزخ بن جاتا ہے، اور جب برزخ سے آخرت کی طرف بڑھ جاتا ہے تو کائنات آخر اس کی نظر کی جولا نگاہ ہو جاتی ہے۔ غرض جس عالم میں وہ خود ہوتا ہے اس کی نظر بھی اسی عالم میں محدود رہتی ہے۔ اس کے برعکس نبی کی نظر اسی عالم میں تمام عالمین کی سیر کرسکتی ہے۔ وہ اسی عالم میں برزخ اور آخرت کی کائنات کا اس طرح مشاہدہ کرسکتی ہے جیسا امتی کی نظر اس عالم میں پہنچ کر کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس جہاں میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں، اس لیے دنیا میں بھی ان کی قوتوں کے وہ آثار ملتے ہیں جو اہل جنت کے جنت کے بارہ میں منقول ہیں۔

اپنے سامنے کی چیز کو دیکھ لینا تو ہر انسان کا خاصہ ہے لیکن رسول وہ ہوتے ہیں جن کو حق تعالیٰ شانہ سامنے اور پیچھے دونوں طرف دیکھنے کی یکساں طاقت عنایت فرما دیتا ہے۔ اگر آنکھ میں اپنے سامنے دیکھنے کی طاقت عام طور پر نہ ہوتی تو کیا کوئی انسان صرف عقل سے یہ حکم لگا سکتا تھا کہ اس عضو میں دیکھنے کی طاقت ہونی چاہیے۔ پس جس

نے اس میں صرف ایک سمت دیکھنے کی طاقت عام طور پر رکھ دی ہے کیا اس کو قدرت نہیں کہ وہ کسی کے حق میں مخالف سمت میں دیکھنے کی طاقت بھی پیدا فرما دے۔ قرآن کریم میں روز محشر انسانی جوارح کا بات چیت کرنا ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ جب انسان اپنے خلاف ان کی شہادت سن کر ان سے تعجب سے کہے گا: ''لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا'' تو اس کے جواب میں وہ بھی کہیں گے ''جس نے اور چیزوں کو قوت گویائی عطا فرمائی تھی، اس نے آج ہم کو بھی یہ طاقت عطا فرما دی ہے۔'' صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ ہم اپنے سامنے رکھے ہوئے کھانے کی تسبیح خود سنتے تھے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کھانے میں سے بکری کا دست اٹھا کر یہود سے فرمایا تھا کہ کھانے میں زہر ملانے کی خبر مجھ کو اس نے دی ہے۔ جب ان اعضاء میں نطق کی طاقت پیدا ہو جانا ممکن ہوا تو آنکھ میں صرف بینائی کی طاقت کا اور ترقی کر جانا ناممکن کیوں سمجھا جائے۔ یہاں اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قسم کھانے کے بعد بھی اگر کسی کو یقین نہ آئے تو اس کے لیے اب اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت بھی مختلف صحابہ کرامؓ سے مختلف طور پر روایت کی گئی ہے، چنانچہ روایت میں سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس میں ایک شخص نے جو آخری صف میں شامل تھا نماز میں کچھ کوتاہی کی۔ آپ نے جب سلام پھیرا تو اس شخص کو آواز دے کر فرمایا:

﴿يَا فُلَانُ! أَ لَا تَتَّقِي اللّٰهَ، أَلَا تَرىٰ كَيْفَ تُصَلِّيْ، إِنَّكُمْ تَرَوْنَ أَنَّهٗ يُخْفىٰ عَلَيَّ شَيْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ، وَاللّٰهِ! إِنِّيْ لَأَرىٰ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا أَرىٰ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ﴾

''اے فلاں! اللہ سے ڈرتا نہیں، دیکھتا نہیں کیسی نماز پڑھتا ہے۔ تم لوگوں کا خیال شاید یہ ہوگا کہ جو حرکتیں تم کرتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ رہتی ہیں۔ بخدا! جیسا میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔''(۱)

۱۔ مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمر ابن الخطابؓ: ۲/۴۴۹

روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز ظہر کا تھا۔ جو شخص اس ارشاد کا باعث بنا وہ سب سے آخری صف میں شامل تھا۔ یہاں اتنی بات اور زیادہ ہے کہ نمازوں میں تمہاری ہر ہر حرکت کا مجھے علم ہو جاتا ہے، وہ بھی کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ خاص دیکھ کر۔ اوراس لیے آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس طرح میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔ راہِ اعتدال یہ ہے کہ حدیثوں میں جو صفات جس حد تک ثابت ہوں ان کو بے چون و چرا تسلیم کرلیا جائے۔ نہ ان میں تاویلات کی جائیں اور نہ ان میں اپنی جانب سے مبالغے کیے جائیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قوت سامعہ کی خصوصیت

قوت سامعہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل تھی۔ چنانچہ سیدنا زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خچر پر سوار بنو النجار کے کسی باغ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ دفعتاً آپ کی سواری اس زور سے بدکی کہ آپ گرنے لگے۔ دیکھا تو وہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپ نے پوچھا: ''کوئی ایسا شخص تم میں ہے جو ان قبروں میں دفن شدہ لوگوں کو پہچانتا ہو؟ ایک شخص بولا کہ میں پہچانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا یہ مردے کس زمانہ کے ہیں۔ اس نے جواب دیا: ''شرک کے زمانہ کے۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس امت کا قبر میں امتحان ہوتا ہے۔ اگر کہیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مارے دہشت کے تم مردوں کو دفن کرنا ہی بھول نہ جاؤ گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ جو عذاب قبر میں سنتا ہوں وہ تم کو بھی سنا دے۔ پھر آپ نے ہماری طرف رخ کر کے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عذاب جہنم سے پناہ مانگو۔ لوگوں نے فوراً کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے عذاب جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر فرمایا عذاب قبر سے بھی پناہ مانگو۔ ہم نے فوراً اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے بھی پناہ مانگی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا تمام فتنوں سے بھی پناہ مانگو، ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔'' ہم نے فوراً کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے تمام قسم کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ آخر میں آپ نے فرمایا: ''دجال کے فتنے سے بھی پناہ مانگو۔ ہم نے فوراً دعا مانگی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ (۱)

۱۔ صحیح مسلم، باب عرض مقعد المیت من الجنة.....الخ: ۲۱۹۹/۴

زندہ بیمار اور غم رسیدہ انسانوں کی آہ و بکا تو ہر بشر اور انسان سنتا ہے لیکن رسول وہ ہوتے ہیں جو مردہ انسانوں کے نالہ وفریاد بھی سن لیتے ہیں۔ چونکہ ان کے یقین کے عالم میں عقیدہ اور چشم دید حالت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا، اس لیے جو باتیں وہ جانتے ہیں ان کو دیکھنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔ عام انسانوں میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس لیے بعض شنیدہ واقعات کے دیکھنے کی ان میں طاقت اور سکت نہیں ہوتی۔ یہاں آپ نے مستقبل کے ہولناک حوادث میں سے سب سے پہلے عذاب دوزخ کی یاد دلائی اور سب سے آخر میں ایک ایسے فتنے کی یاد تازہ کی جو امت میں سب سے زیادہ ہولناک اور خوفناک ہوگا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ہولناک فتنہ کا اثر بعض اہل قبور پر بھی ہوگا اس لیے اس موقعہ پر اس سے بھی تعوذ کی تعلیم فرمائی۔ افسوس ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس کس طرح ہر ہر موقعہ پر جن فتنوں کی یاد دہانی کرائی تھی امت کے ناخلف افراد آج یا تو ان کا صاف انکار کر رہے ہیں یا پھر ان کی تاویل کرتے ہیں۔

اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث کتابوں میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ دور بین قبر کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ کر مردوں کی آہ وزاری اور فریاد کو دیکھتی اور سنتی تھی۔ چنانچہ آپ کی قوت سامعہ کو دوسرے لوگوں پر ایک امتیازی شان اور خصوصیت حاصل تھی۔

یارب صل وسلم دائما أبدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لعاب دہن کی امتیازی خصوصیت

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا بیان فرماتی ہیں کہ جب کوئی شخص بیمار پڑتا یا اس کے جسم میں کہیں زخم ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی میں ذرا سا اپنا لعاب دہن ڈال کر انگلی سے ملاتے جاتے اور یہ کلمات پڑھتے جاتے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا﴾

''بسم اللہ، یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارا لعاب دہن ہم اس کو ملا کر اللہ کے نام کے ساتھ لگاتے ہیں تا کہ ہمارے رب کے حکم سے ہمارا مریض شفایاب ہو جائے۔''(۱)

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح نصیب فرمائے گا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیارے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا ہے۔ اس بشارت کو سن کر لوگ تمام رات بے چین رہے کہ دیکھئے کل جھنڈا کس کو ملتا ہے۔ دوسرے دن ہر شخص اسی امید پر آپ کے سامنے حاضر ہوا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''علی کہاں ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی وہ بالکل درست ہو گئے جیسے کہ کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی ہو۔

روایات میں ہے کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

﴿خُذْ هٰذِهِ الرَّايَةَ فَامْضِ بِهَا حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ﴾

۱۔ صحیح البخاری، باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۵/۲۱۶۸

''اے علی! یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے اسے فتح فرمائے۔''(۱)

سرکار دو عالم ﷺ کے لعاب دہن پر ماں باپ قربان جس کی معجزانہ تاثیر سے سیدنا علیؓ آن کی آن میں شفایاب ہو گئے۔

عام انسانوں کے لعاب اور تھوک سے تو مختلف قسم کے جراثیم پھیلتے اور جنم لیتے ہیں جو متعدد بیماریوں کا باعث بنتے ہیں، اسی لیے شہروں میں جگہ جگہ لکھا ہوا ہوتا ہے ''تھوکیے مت'' لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے لعاب دہن سے بیماروں کو شفا اور امراض کا ازالہ ہوتا ہے۔ کہیں آشوب چشم ختم ہوتی ہے اور کہیں ٹوٹی ہڈی جڑ جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کھاری کنواں میٹھے پانی کا کنواں بن جاتا ہے۔ سیدنا علیؓ کی آنکھیں سخت قسم کے آشوب چشم میں مبتلا تھیں۔ لیکن حدیث میں ہے:

﴿بَصَقَ فِیْ عَیْنَیْهِ، وَدَعَالَهُ، فَبَرَأَ حَتّٰی كَانْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ﴾

''آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا، پھر ان کے لیے دعا فرمائی چنانچہ وہ اسی وقت شفایاب ہو گئے جیسے ان کی آنکھیں کبھی بیمار ہی نہیں ہوئی تھیں۔''(۲)

سیدہ عائشہؓ کی حدیث جو پہلے نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے لیے آپ کا لعاب دہن مرہم شفا کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی کس قدر فروتنی تھی اور اس فروتنی میں کتنی حقیقت تھی کہ اس مرہم کی ساری شفاء کا تصور آپ اسی کے نام کی برکت کے ساتھ وابستہ فرماتے ہیں جو رب محمد ﷺ ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

غور فرمائیں کہ ہر ہر موقع پر انسانی نفع و ضرر کا رشتہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں۔ کون تھا جس کو شفا تو اس کیمیاوی نسخہ سے ہوتی مگر اس کے سامنے تصور یہ رہتا کہ یہ ساری شفا حکم ربانی کے تحت ہے۔

۱۔ السیرۃ النبوۃ، باب ذکر المسیر الیٰ خیبر: ۳۰۵/۴، مسند الرویانی، باب مشائخ سلمۃ: ۲۶۲/۲

۲۔ صحیح البخاری، باب مناقب علیؓ: ۱۳۵۷/۳

محمد رسول اللہ ﷺ کے فضلات کی طہارت

سرکار دو عالم ﷺ کے جسم کی پاکیزگی اور لطافت کے اثرات کی وجہ سے آپ کے جسم اطہر و مطہر سے خارج ہونے والے فضلات بھی پاکیزہ اور طاہر تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی برتر ہستی مجمع کمالات بلکہ منبع کمالات تھی۔ ان کی جسمانی خصوصیات کو سن کر معمولی بات سمجھ لینا بہت زیادہ خلاف واقع ہے۔ پسینہ بالعموم جسم کا ایک بدبودار فضلہ ہوتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے پسینہ کے متعلق صحیح حدیثوں میں صحابہ کرامؓ کا بیان یہ ہے کہ وہ ان کی بہتر سے بہتر خوشبوؤں میں صرف تبرکاً نہیں بلکہ اضافہ خوشبو کے لیے شامل کیا جاتا تھا۔ جس گلی کوچہ سے آپ گذر جاتے تھے وہ معطر ہو جاتی تھی۔ جو آپ سے مصافحہ کرتا تھا آپ ﷺ کے دست مبارک کی خوشبو سے مست ہو جاتا تھا۔ ان صحیح خصوصیات کو معمولی بات کہہ کر ٹال دینا معمولی بات نہیں۔

پسینہ مبارک کی خوشبو:

بے شمار احادیث نبویہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا پسینہ مبارک مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار تھا۔ چنانچہ آپ کے خادم خاص سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

﴿مَاشَمَمْتُ عَنْبَراً قَطُّ وَلَا مِسْكاً وَلَا شَيْئاً اَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم﴾(۱)

۱۔ مسلم رقم الحديث: ۲۳۳۰، صحيح مسلم، باب طيب رائحة النبى ﷺ: ۱۸۱۴/۴، مسند احمد: ۳/ ۲۰۰، شعب الايمان، فصل فى خلق الرسول ﷺ: ۱۵۴/۲

[illegible]

[illegible]

خوشبو [illegible]

خوشبو رہے۔

[illegible]

[illegible] درست [illegible]

مسلم کی ایک روایت میں [illegible]

۱۔ صحیح مسلم، [illegible]

﴿نرجوا برکتہ بصبیاننا، قال اصبت﴾

''ہم اس میں اپنے بچوں کے لیے برکت کی امید رکھتے ہیں۔
آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری امید درست ہے۔''(۱)

ایک اشکال کا جواب:

بعض حضرات کی طرف سے ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ احادیث کے مطابق تو اجنبی عورت کے ہاں جانا جائز نہیں، پھر آپ ﷺ ان کے ہاں کیوں جا کر سوتے تھے اور قیلولہ فرماتے تھے۔ اس اشکال کا جواب علامہ خفاجیؒ نے یہ دیا ہے کہ سیدہ ام سلیمؓ اور سیدہ ام حرامؓ دونوں سگی بہنیں تھیں اور یہ رشتہ میں آپ کی رضاعی خالہ تھیں۔ اس وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ ان کے ہاں جا کر سویا کرتے تھے۔ (۲)

آپ ﷺ کے پسینہ کے خوشبودار ہونے کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث کتابوں میں مروی ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے ہمیشہ نہایت پاکیزہ خوشبو آتی تھی۔ خواہ آپ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں امام احمد بن حنبلؒ نے سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے کسی پھول، مشک یا عنبر کو سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ خوشبودار نہیں پایا۔ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ کوئی عطر اور خوشبو سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ خوشبودار نہیں تھی۔ امام ابو یعلیٰؒ نے روایت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیٹی کو رخصت کرتا، رسول اللہ ﷺ اپنی انگلیوں سے اپنا پسینہ پونچھ کر ایک شیشی میں ڈال کر اس کو دے دیتے، اور اس شخص سے فرماتے کہ اپنی لڑکی سے کہو اس خوشبو کو لگا لے۔ جب وہ لڑکی اس پسینہ کو لگاتی تو اہل مدینہ اس خوشبو کو سونگھتے اور لوگ اس کے گھر کو خوشبو والا گھر کہتے۔ امام دارمیؒ، امام بیہقیؒ اور امام ابو نعیمؒ نے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جس راستہ سے گزر جاتے تو بعد میں جو بھی اس راستہ سے گزرتا، اس کو آپ ﷺ کے پسینہ کی خوشبو آتی اور وہ آپ کو پہچان لیتا۔

۱۔ صحیح مسلم، باب طیب عرق النبی ﷺ: ۱۸۱۵/۴

۲۔ ملاحظہ ہو نسیم الریاض: ۱ / ۳۴۹۰

اور آپ جس پتھر کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ کو سجدہ کرتا تھا۔(۱)

اور امام ابو یعلی موصلیؒ اور امام بزارؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جس راستہ سے گزر جاتے تھے وہاں بہت پاکیزہ خوشبو آتی تھی اور اس خوشبو کو سونگھ کر لوگ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس راستہ سے گزرے ہیں۔(۲)

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے خوشبو جسم و جان کی

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں منیٰ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھے اپنا ہاتھ ملانے کے لیے دیں۔ آپ نے اپنا ہاتھ مجھے دیا۔ جب میں نے آپ سے ہاتھ ملایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔(۳)

اسی طرح سیدنا وائلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے پاس پانی کا ایک ڈول لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے اس ڈول میں کلی کی (یا کہا کہ آپ ﷺ نے اس ڈول سے پانی نوش فرمایا) پھر اس پانی کو کنویں میں ڈال دیا (یا کنویں میں کلی کی) تو اس کنویں سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔(٤)

خوشبوؤں کا یہ سلسلہ آپ ﷺ کے جسم کے ہر عضو سے جاری وساری تھا اور یہ کیفیت اعلان نبوت کے بعد پیدا نہیں ہوئی بلکہ اول روز ہی سے آپ کو دنیوی کثافتوں اور آلائشوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہؓ فرماتی ہیں کہ میں جب تاجدار مدینہ ﷺ کو رضاعت کے لیے اپنے گھر کی طرف لے کر چلی تو وہ تمام راستے خوشبوؤں سے معطر ہو گئے جن راستوں سے میں آپ کو اپنے قبیلہ بنو سعد میں لے کر گئی، اور جب میں بنو سعد میں پہنچی تو بنو سعد کا نہ

۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ٦ / ٦٩

۲۔ شرح الشمائل: ۲ / ۲

۳۔ دلائل النبوۃ، بیہقی: ۱ / ۲٥٦

٤۔ دلائل النبوۃ، بیہقی: ۱ / ۲٥٧

صرف سارا قریہ بلکہ کوچہ کوچہ سرکار دو عالم ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو سے مہک اٹھا۔
علامہ محمد بن یوسف بن علی شامی صالحی نے سیدہ حلیمہ سعدیہؓ کے الفاظ یوں نقل فرمائے ہیں:

﴿وَلَمَّا دَخَلْتُ بِهٖ اِلٰى مَنْزِلِىْ، لَمْ يَبْقَ مَنْزِلٌ مِّنْ مَنَازِلِ بَنِىْ سَعْدٍ اِلَّا شَمَمْنَا مِنْهُ رِيْحَ الْمِسْكِ﴾

''اور جب میں سرکار دو عالم ﷺ کو اپنے گھر لے کر آئی تو بنی سعد کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ تھا جس سے ہمیں مشک کی خوشبو محسوس نہ ہوتی تھی، گویا سارا قبیلہ مہک اٹھا۔'' (۱)

اور امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے:

﴿كَانَتْ هٰذَا الرِّيْحُ الطَّيِّبَةُ صِفَتُهَا، وَاِنْ لَّمْ يَمَسَّ طِيْبًا﴾ (۲)

''یہ خوشبو سرکار دو عالم ﷺ کی صفات میں سے تھی، اگرچہ حضور ﷺ نے خوشبو نہ بھی استعمال فرمائی ہوتی۔ (پھر بھی آپ کے جسم اطہر سے خوشبوؤں کے چشمے پھوٹتے)''

اور امام رازیؒ نے آپ کی اس جسمانی مہک کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿فَاِذَا هُوَ فِىْ غَايَةِ اللِّيْنِ وَطِيْبِ الرَّائِحَةِ كَاَنَّهٗ غُمِسَ فِى الْمِسْكِ﴾ (۳)

''حضور ﷺ کا جسم اطہر نہایت نرم و نازک تھا اور نہایت خوشبودار تھا جیسے وہ مشک و کستوری میں ڈوبا ہوا ہو۔''

امام خفاجیؒ نے آپ کی اس خصوصیت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

﴿رِيْحُهَا الطَّيِّبَةُ طَبْعِيًّا خَلْقِيًّا خَصَّهُ اللّٰهُ بِهٖ مَكْرُمَةً وَ

۱۔ سبل الهدیٰ والرشاد: ۱ / ۲۸۷

۲۔ نووی شرح مسلم: ۲/ ۲۵۶

۳۔ تفسیر کبیر: ۳ / ۲۱۴

﴿مُعجِزَۃٌ لَّهَا﴾ (۱)

''اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ آپ کے جسم اطہر میں خلقتاً اور طبعی طور پر خوشبو رکھ دی تھی۔''

جسم کی اس پاکیزگی اور مہک ہی کے یہ اثرات تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ جس چیز سے مس کرتے تھے اس سے بھی خوشبو کی دلآویز مہک آنے لگتی۔ چنانچہ سیدنا جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں بچہ تھا کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے باری باری ہم بچوں کے رخساروں پر شفقت و محبت سے ہاتھ پھیرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے رخساروں پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں:

﴿فَوَجَدْتُّ لِيَدِهِ بَرْداً أَوْرِيحاً كَأَنَّمَا أَخْرَجَهَا مِنْ جُؤْنَةِ عَطَّارٍ﴾

''پس میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو یوں محسوس کی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطار کے ڈبہ سے ہاتھ باہر نکالا ہو۔'' (۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے جو مہک اور خوشبو آتی تھی، وہ آپ کی طبعی صفت تھی، خواہ آپ خارجی طور پر خوشبو کا استعمال کریں یا نہ کریں۔ اس کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے خوشبو لگاتے تھے کیونکہ آپ کی فرشتوں سے ملاقات ہوتی تھی۔ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کی مجلس اور ہم نشینی میں مسلمان بیٹھتے تھے۔'' (۳)

۱۔ نسیم الریاض: ۱/ ۳۴۸

۲۔ صحیح مسلم، باب طیب رائحة النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۴/ ۱۸۱۴، فتح الباری، قوله باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۶/ ۵۷۳، معجم الکبیر: ۲/ ۲۲۸

۳۔ نووی شرح مسلم: ۲/ ۲۵۶

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت سیدنا ابو جحیفہؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد لوگ کھڑے ہو گئے اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر اپنے چہروں پر ملنے لگے:

﴿فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَوَضَعْتُهَا عَلٰى وَجْهِي، فَإِذَا هِيَ أَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَأَطْيَبُ رَائِحَةً مِنَ الْمِسْكِ﴾(۱)

''پس میں نے بھی آپ کا دست مبارک پکڑا اور اپنے چہرے پر رکھ لیا، وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دونوں دست مبارک عطار کے ہاتھوں کی طرح معطر رہتے، خواہ آپ خوشبو استعمال کریں یا نہ کریں۔

''جب کوئی مصافحہ کرنے والا آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو وہ اپنے ہاتھوں میں خوشبو کا اثر پاتا اور جب آپ کسی بچے کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تو وہ بچہ آپ کے دست مبارک کی خوشبو کے باعث دوسرے بچوں میں ممتاز ہوتا۔''

دیگر فضلات کی بحث:

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا بیان فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں یہ دیکھتی ہوں کہ آپ جائے ضرورت میں تشریف لے جاتے ہیں، پھر جو شخص آپ کے بعد وہاں جاتا ہے وہ آپ کے فضلہ کا کوئی نشان تک وہاں نہیں دیکھتا۔ آپ نے فرمایا: ''عائشہ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے فضلات کو نگل لے۔

﴿يَا عَائِشَةُ أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ أَجْسَادَنَا وَنَابَتَتْ عَلٰى أَرْوَاحِ أَهْلِ

۱۔ بخاری، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۳/۴ ۱۳۰، مسند احمد، باب حدیث جحیفةؓ: ۳۹/۴، سنن دارمی، باب اعادة الصلوت فی الجماعة: ۳۶۶/۱

الْجَنَّةِ فَمَا خَرَجَ مِنَّا مِنْ شَئٍ ابْتَلَعَتْهُ الْأَرْضُ﴾(۱)

ایک اور روایت میں الفاظ کچھ مختلف ہیں۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! جب آپ جائے ضرورت میں تشریف لے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپ کے واپس آنے پر میں اندر جاتی ہوں تو مجھے وہاں فضلات میں سے کچھ بھی نظر نہیں آتا، میں وہاں صرف خوشبو کی مہکار پاتی ہوں (اِنِّی کُنْتُ اَشُمُّ رَائِحَةَ الطِّیْبِ) سیدہؓ کی یہ بات سن کر سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿یَا عَائِشَةُ اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَآءِ نُبِتَتْ اَجْسَادُنَا عَلٰی اَجْسَادِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمَا خَرَجَ مِنْهَا مِنْ شَئٍ اِبْتَلَعَتْهُ الْاَرْضُ﴾(۲)

''ہم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام اہل جنت کی ارواح کی طرح بنائے گئے ہیں، ان میں سے جو کچھ بھی خارج ہوتا ہے زمین اسے نگل جاتی ہے۔''

زرقانی نے شرح المواہب میں بعض صحابہ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں آپ ﷺ کا رفیق تھا۔ دوران سفر آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے کے بعد میں اس جگہ گیا جہاں آپ قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تھے۔ میں نے وہاں بول و براز کا کوئی نشان تک نہ دیکھا بلکہ میں نے وہاں صرف تین پتھر پائے جن کو آپ نے استنجا کے لیے استعمال کیا تھا:

﴿فَاَخَذْتُهُنَّ فَوَجَدْتُّ لَهُنَّ رَآئِحَةً طَیِّبَةً وَعِطْرًا﴾(۳)

''میں نے انہیں اٹھایا تو ان سے خوش گوار خوشبو اور مہک آرہی تھی۔''

۱۔ تاریخ بغداد، باب حرف العین من آباء الحسینین: ۸/۶۲

۲۔ الکامل فی ضعفاء الرجال، باب من اسمه حسین وهکذا فی لسان المیزان: ۲/۳۶۰، ۲/۳۳۰، میزان الاعتدال فی نقد الرجال: ۲/۲۹۹

۳۔ قسطلانی، المواهب اللدنیه: ۴/۲۳۹

اس سلسلہ میں ایک روایت ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے شرح شفاء میں نقل کی ہے۔اس کے الفاظ ہیں:

﴿فَاَخَذْتُهُنَّ فَاِذَا بِهِنَّ يَفُوْحُ مِنْهُنَّ رَوَائِحُ الْمِسْكِ﴾(۱)

''میں نے ان تین پتھروں کو اٹھایا تو ان میں سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔''

سید محمد بدر عالم مدنیؒ کی محدثانہ بحث:

امام العصر حضرت العلام سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی قدس سرہ نے اس حدیث کے بارے میں بڑی محدثانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے پہلے تو اس حدیث کی سند بیان کی ہے

﴿حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اَنْبَأَ مُحَمَّدُ بْنُ حَسَّانَ الْاُمَوِيُّ اَنْبَانَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ﴾(۲)

اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔حافظ زرقانی نے اس کے دوسرا متابعات بھی ذکر فرمائے ہیں۔حافظ عبدالغنی مقدسی (متوفی ۹۰۰ھ) سے اس مسئلہ کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے اس کی سند کے بنیاد پر جو ان کے علم میں تھی، اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے مگر ایک قیاس ایسا ذکر فرمایا ہے جس سے ان کی رائے کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ''جو صحابہ سفر وغیرہ میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ان میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے آپ ﷺ کا فضلہ کبھی دیکھا تھا، لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر زمین اس کو نہ نگلتی تو وہ کبھی تو کسی کو نظر آتا۔'' یہ واضح رہے کہ دارقطنی کی روایت میں اس حدیث کا راوی حسین بن علوان نہیں ہے، اور اسی کی بنا پر امام بیہقیؒ نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

۱۔ شرح الشفاء لملاعلی القاری: ۱/۱۶۲

۲۔ الحدیث

محدث کا کسی حدیث کو ضعیف قرار دینا حرف آخر نہیں ہوتا:

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی حدیث پر کسی محدث کے ضعیف یا موضوع کا حکم لگانے کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ حدیث علی الاطلاق ضعیف ہے بلکہ وہاں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ اس کا دوسرا کوئی اور طریقہ ایسا موجود ہو جس کے لحاظ سے اس کو ضعیف کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔ اس لیے کسی محدث کے ضعف کے حکم سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ''اب اس کے لیے ایسا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہوگا جس کے اعتبار سے اس کو معتبر قرار دیا جا سکے۔'' یہ خلاف واقعہ نظر ہے۔

انسانی فضلات میں اس کے بول و براز کا درجہ سب سے گرا ہوا ہے، مگر اس میں بھی انسانی غذا اور اس کی جسمانی صحت کے فرق سے کیفیات کا بلکہ مقدار کا بھی بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام بھی اس بشری صنف سے مستثنیٰ نہیں ہوتے، مگر چونکہ ان کے جسمانی خواص عام انسانوں سے کہیں بالاتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے جسم اور جسم کا پسینہ خوشبودار ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کے یہ فضلات بھی بعض احکام میں عام انسانوں سے ممتاز ہوں۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان فضلات کو زمین فوراً جذب کر لیتی تھی۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں، اس لیے اگر کہیں غذا کی مادیت حائل نہ ہو جاتی تو یہ بھی ممکن تھا کہ اہل جنت کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غذاؤں کا فضلہ بھی محض پسینہ کی راہ سے خارج ہو جاتا۔ علامہ بدرالدین عینیؒ نے صحیح بخاری کی شرح میں حنفیہ کی طرف اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے بعض کبار علماء کی طرف آپ کے فضلات کے متعلق طہارت کا قول بھی نقل کیا ہے۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علوشان کا حق یہی ہے:

حدیث مذکورہ بالا کا روایتی پہلو گو کمزور ہے مگر یہ مسئلہ کوئی عقاید یا عمل کا مسئلہ تو نہیں جس کے متعلق اعلیٰ درجہ کی صحت درکار ہو، صرف ایک فضیلت کا باب ہے اور وہ بھی

---

۱ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری: ۲ / ۷۹، خصائص کبریٰ، سیوطی: ۲ / ۴۴۱

زندگی کے ایک ایسے شعبہ سے متعلق ہے جس کی عوام کو اطلاع نہیں ہو سکتی۔ نیز ان امور تبلیغیہ میں داخل بھی نہیں ہے جن کا تعلق امت کے ساتھ وابستہ ہو۔ صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ذاتی خصوصیت ہے جس پر ایمان لانے کی کسی کو دعوت بھی نہیں دی گئی ہے۔ پس اگر آپ کی مخصوص حیات کا کوئی مستور گوشہ ضعیف اسناد کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے تو اسی درجہ میں اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں اگرچہ ثبوت ضعیف ہے مگر اس کے خلاف کوئی ضعیف سے ضعیف دلیل بھی موجود نہیں ہے، نہ اس امر کے تسلیم کر لینے میں کسی عقیدہ پر کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر وہ علماء اور محدثین کے درمیان ہمیشہ نقل بھی ہوتا چلا آیا ہے حتیٰ کہ بعض ائمہ اس کے طہارت کے بھی قائل ہو چکے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یہاں قطعیت کے ساتھ اس کا انکار کر ڈالنا قطعاً بے احتیاطی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان فضلات کا مسئلہ تو آپ کی ان خصوصیات میں سے تھا جس کا امت کے ساتھ کسی لحاظ سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ اگر سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا اپنی فطرتی ذہانت اور دانائی کی بنا پر اس طرف توجہ نہ فرماتیں تو شاید آپ کی اس خصوصیت کا تذکرہ کسی ضعیف حدیث میں بھی آپ کے سامنے نہ آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا مسئلہ اس سے ذرا مختلف ہے کیونکہ یہ ہمہ وقت سب کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ عقل یہ باور نہیں کرتی کہ اگر صحابہ کرامؓ نے آپ کی اس فضیلت کو ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے درخشاں دیکھا ہوتا تو وہ اس کے بیان سے سکوت اختیار کر سکتے تھے؟ یقیناً وہ بھی آپ کے جسم اور آپ کے پسینہ کی خوشبو کی طرح روایات و حکایات میں مہک اٹھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قد و قامت کی غیر معمولی صفت بھی چونکہ سب کی آنکھوں کے سامنے تھی اس لیے عام طور پر یہ چرچا رہا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت بھی کتنی عجیب ہے کہ جب تنہا ہوتے ہیں تو نہایت میانہ قد نظر آتے ہیں اور جہاں مجمع میں آگئے تو یوں معلوم ہونے لگا کہ سب سے دراز قامت آپ ہی ہیں۔ آپ کے بول و براز کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لیے اگر محدثین ان کو نقل کرتے ہیں تو اس کو مان لینا آپ کی محبت کا تقاضا ہونا چاہیے۔ اس کا بلند آہنگی سے انکار آپ کی محدثی کا ثبوت تو

نہیں مگر آپ کی بے نمکی کا ثبوت ضرور ہے۔ ضعیف حدیث کی قبولیت اور نا قبولیت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں بڑی نفیس بحث کی ہے جو علماء حضرات کے دیکھنے کے قابل ہے۔(۱)

اب اس وقت ہمارے سامنے دو گروہ ہیں۔ یا تو وہ لوگ ہیں جو عام طور پر نجاست اور طہارت کے باب ہی سے آشنا نہیں۔ان کے نزدیک تو صفائی اور گندگی کے سوا ان الفاظ کا کوئی اور مفہوم ہی نہیں ہے، اور یا پھر ایک گروہ وہ ہے جو بعض حیوانات کے بول و براز کو نہ صرف پاک بلکہ تبرک کی حد تک سمجھتا ہے، اور نہ صرف کسی عذر یا اتفاقیہ صورت میں بلکہ اصولی طور پر، پھر ہم کو معلوم نہیں کہ اگر محدثین کی کتب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت نظر آ جاتی ہے جس کا روایتی پلہ کچھ زیادہ بھاری نہ ہو تو آپ اس پر سراسیمہ کیوں ہوتے ہیں۔

سیدہ ام ایمن کا پیشاب پینے کا واقعہ:

حدیث میں آتا ہے کہ سیدہ ام ایمنؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کے ایک برتن میں جو گھر کے ایک گوشہ میں رکھا ہوا تھا، جا کر پیشاب کیا۔ سیدہ ام ایمنؓ فرماتی ہیں کہ اسی رات میں اتفاق سے اٹھی۔ اس وقت مجھ کو پیاس لگ رہی تھی۔ میں جا کر اس برتن میں جو کچھ تھا وہ پی گئی، اور مجھ کو اس بات کا کچھ علم نہ تھا کہ اس برتن میں آپ کا پیشاب رکھا ہوا تھا۔ جب صبح ہوئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ، اور جو کچھ اس برتن میں ہے اس کو لے جا کر بہا دو۔ میں نے تعجب سے کہا: ''بخدا! میں تو رات ہی کو اس برتن میں جو کچھ تھا، اس کو پی گئی تھی (وَاللّٰهِ شَرِبْتُ مَافِيْهَا) سیدہ ام ایمنؓ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں ہوئے یہاں تک کہ دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جا، تیرے پیٹ میں کبھی کوئی تکلیف نہ ہو گی۔'' (اَمَا اِنَّهٗ لَا يَتَّجِعَنَّ بَطْنُكِ بَعْدَهٗ اَبَدًا)(۲)

۱۔ ملاحظہ ہو: الجواب الصحیح: ۴/ ۲۹۶، ۴/ ۳۰۰، ۴/ ۳۰۲،۳۰۳

۲۔ حلیۃ الاولیاء، باب الأحايين والاوقات: ۲/ ۶۷

ظاہر ہے کہ سیدہ ام ایمنؓ کے نادانستگی کی حالت میں کسی عمل پر کوئی اچھا نتیجہ مرتب ہو جانے سے کوئی قاعدہ کلیہ اور تشریع عام ثابت نہیں ہوتی، اور یہی وجہ ہے کہ عام صحابہ کرامؓ نے کبھی اس عمل کے نقل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ جن اکابر کا رجحان آپ کے فضلات کی طہارت کی طرف ہے انہوں نے بھی اس کے استعمال کے بارے میں کوئی حرف نہیں کہا۔ یہاں گفتگو اگر ہے تو صرف طہارت اور نجاست کے باب میں ہے۔ آخر مٹی کو سب پاک تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے کھانے کی اجازت کوئی نہیں دیتا۔ شافعیہ اصولی طور پر منی کی طہارت کے قائل ہیں، اس کے باوجود اس کے خروج سے غسل کرنا فرض کہتے ہیں۔ پس یہاں طہارت اور خورد و نوش کے دو مسئلوں کو خلط ملط کرنا نہیں چاہیے۔ جہاں تک علماء کے رجحان کا تعلق ہے وہ حدیث مذکور بالا کی بنا پر اس کی طہارت کا ہے شراب کا مسئلہ نہیں ہے۔ اب رہ گیا حدیث میں اس جزئی واقعہ میں اس کے استعمال کی فضیلت کا تذکرہ تو وہ اس عمل کی نادانستگی کی حالت میں کر لینے کی بنا پر ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی جو نسبت بحق امت ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہی نسبت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذات اقدس و اکرم کے ساتھ بھی موجود ہو، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شی میں فضلہ کا رتبہ اس کی اصل کے رتبہ سے کم تر ہوتا ہے اگر چہ دوسری اشیاء کے مقابلہ میں وہ فضلہ کتنا ہی بلند نسبت رکھتا ہو، مثلاً روغن بادام کے بعد جو اس کا فضلہ ہوتا ہے وہ سرسوں کے فضلہ سے بلکہ خود سرسوں سے بھی افضل سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال اس مثال سے قطع نظر کیجیے تو بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اصل شی اور اس کے فضلہ کے درمیان جو نسبت ہوتی ہے اس فضلہ کی دوسری اشیاء کے ساتھ وہی نسبت قائم رہنی ضروری نہیں ہے۔ اس لحاظ سے بہت ممکن ہے کہ آپ کے فضلہ کی جو نسبت آپ کی امت کے ساتھ ہو وہ اس نسبت سے مختلف رہے جو اس کی خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ تھی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی نیند کی خصوصیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند میں بھی کچھ خصوصیات مضمر تھیں۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوئی ہوتی تھیں لیکن آپ کا قلب اطہر جو انوار و تجلیات کا مرکز اور رشد و ہدایت کا منبع اور شعور و آگہی کا مخزن ہے، وہ ہمہ وقت بیدار رہتا تھا، اور یہ ایک بہت بڑی خصوصیت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''یارسول اللہ! کیا آپ نماز وتر پڑھنے سے قبل سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

﴿یَا عَائِشَةُ! اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَایَنَامُ قَلْبِیْ﴾ (۱)

''اے عائشہ! صرف میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا (وہ بیدار رہتا ہے)''

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا یہ جانتی تھیں کہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،

۱۔ بخاری، تنام عینی ولاینام قلبی، کتاب المناقب، باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم شام عینه ولا ینام قلبه، رقم الحدیث: ۳۵۶۹+۳۵۷۰، ص ۹۰۹ (بیروت)، مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب صلوٰة اللیل دو دو رکعات النبی فی اللیل وان للوتر رکعة وان الرکعة صلوٰة صحیحة: جلد ۱/ ۵۰۹، (قدیمی کتب خانه)، ترمذی: ۲ / ۳۰۲، ابوداؤد: ۲ / ۴۰، موطا امام مالک، کتاب صلوٰة اللیل، باب صلوٰة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الوتر: ۱ / ۱۱۵ (مکتبه نور محمد): ابن خزیمه: ۱ / ۳۰، ابن حبان، تنام عینی ولاینام قلبی، کتاب التاریخ، باب من صفة وأخباره، رقم الحدیث: ۵۹، ص ۱۲۹۵، صحیح ابن حبان: ۶ / ۱۸۶ (دارالمعرفه طبع بیروت)

اس وجہ سے جو شخص سو کر اٹھے اور وہ نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کو جب انہوں نے دیکھا کہ آپ باوضو سو جاتے ہیں اور پھر وضو کیے بغیر وتر پڑھ لیتے ہیں، تو آپ کے پوچھنے کا ایک عجیب انداز تھا۔ سیدہؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ سلم نے وضو کیوں نہیں فرمایا؟ بلکہ اس طرح پوچھا: ''یا رسول اللہ! آپ نماز سے قبل سو جاتے ہیں یعنی پھر اٹھ کر وضو کیے بغیر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اب تک اگرچہ آپؐ کی نیند کی خصوصیت سے آشنا نہ ہوں لیکن اتنا ضرور جانتی تھیں کہ پیغمبر اپنی بہت سی باتوں میں عام لوگوں سے ممتاز اور ارفع ہوتا ہے۔ یہ صورت بھی ضرور آپ کی کسی امتیازی خصوصیت کی حامل ہے۔ چنانچہ یہی ہوا آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں جب سوتا ہوں تو اگرچہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔ بیداری کی حالت میں تو عام انسانوں کے قلوب بھی بیدار رہتے ہیں لیکن سرکار دو عالم ﷺ کا قلب مبارک سوتے میں بھی بیدار رہتا تھا، لیکن یہ وہ بیداری نہیں جس کا ہم ادراک کر سکیں بلکہ یہ وہ بیداری ہے جس کے سامنے عالم غیب سب کھلا ہوا ہوتا ہے۔ عام آدمی جس طرح بیداری میں عالم شہادت کا اُدراک کرتا ہے انبیاء علیہم السلام اور خصوصی طور پر سرکار دو عالم ﷺ حالت خواب میں بھی اس سے بڑھ کر عالم غیب کا ادراک کر لیتے ہیں۔ گویا عام لوگوں پر جن حالات میں پوری غفلت طاری ہوتی ہے سرکار دو عالم ﷺ ان میں بھی پورے ہوشیار رہتے ہیں۔ پھر ان کے ادراک کی نوعیت اور کیفیت بھی ہمارے ادراک سے یک قلم مختلف ہوتی ہے جس کی حقیقت کا ادراک ہماری عقل وفہم سے بالاتر ہے۔ آپ ﷺ کی اس حالت کے ادراکات کو بھی وحی کا مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ احادیث میں اس کو وحی کی ایک قسم شمار کیا گیا ہے۔ حدیث میں ایک واقعہ جو ''لیلۃ التعریس'' کے نام سے مشہور ہے، سیدنا عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں:

﴿وَكُنَّا لَا نُوقِظُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَنَامِهِ إِذَا نَامَ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ﴾ (۱)

۱۔ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتہ واستحباب تعجیل قضاتھا: ۱ / ۲۴۰

''یعنی ہم سرکار دو عالم ﷺ کو خواب استراحت سے اس وقت تک بیدار نہ کرتے تھے جب تک کہ آپ از خود بیدار نہ ہو جاتے۔''

کیونکہ معلوم نہیں اس حالت میں آپ ﷺ پر کیا کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں۔ بخاری جلد۲ ص ۶۸۹ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا جاتا تھا، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب چلتے چلتے ٹھیک مقصود پر پہنچ گئے تو ان کی آنکھ لگ گئی لیکن سیدنا یوشع بن نون نے جو ان کے رفیق سفر تھے، فرمایا: ''لا او قظه'' یعنی میں ان کو بیدار نہیں کروں گا۔ اس کے بعد جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام خود بیدار ہوئے تو وہ مچھلی کا عجیب واقعہ ان سے ذکر کرنا بھول گئے اور آگے چل پڑے۔ حالت نیند میں دل کی بیداری ہر پیغمبر کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔

جب سرکار دو عالم ﷺ کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اسی سے ان کی موت کا بھی اندازہ کر لینا چاہیے کیونکہ ''النوم اخ الموت'' مشہور ہے۔ وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے لیکن عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں۔ یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی انہی خصوصیات کے باعث علامہ خفاجیؒ نے لکھا ہے:

﴿وَهٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ ظَاهِرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرِيٌّ وَبَاطِنَهٗ مَلَكِيٌّ، وَلِذَا قَالُوْا: اِنَّ نَوْمَهٗ لَا يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ كَمَا صَرَّحُوْا بِهٖ، وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ مِنَ الْاُمَّةِ كَمَا تُوُهِّمَ وَتَوَضِّيْهِ بَعْدَ نَوْمِهٖ اِسْتِحْبَابًا اَوْتَعْلِيْمًا لِغَيْرِهٖ اَوْلِعُرُوْض مَايَقْتَضِيْهِ﴾ (۱)

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ظاہر تو

۱۔ نسیم الریاض: ۳ / ۵۳۵

بشری تھا جب کہ باطن ملکی تھا۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم کی نیند ناقض وضو نہ تھی۔ اس بارے میں امت میں سے کسی دوسرے شخص کو آپ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نیند سے بیداری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو فرمانا یا تو استحباب کے لیے ہوتا تھا، یا تعلیم امت کے لیے، یا بشری عوارض طاری ہونے پر جب وضو ضروری ہو جاتا ہے، آپ وضو فرما لیتے تھے۔"

یارب صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی جسمانی طاقت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف روحانی طاقت میں سب پر فوقیت رکھتے تھے بلکہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جسمانی طاقت میں بھی سب پر فوقیت رکھتے تھے جس کا مظاہرہ کئی مواقع پر آپ نے کیا۔

رکانہ کو پچھاڑنا:

رکانہ عرب کا ایک مشہور پہلوان تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم جد اور عزیز تھا، حافظ ابن کثیرؒ نے ان کا نسب نامہ یوں نقل کیا ہے: رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد مناف۔ یہ بہت شہ زور پہلوان تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں بہت سخت تھا۔ اس نے شہر میں بہت خون خرابہ کیا تھا اور کسی کو اس سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہ تھی کیونکہ ہر شخص اس کی طاقت سے ڈرتا تھا۔ اس کے پاس بکریوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ تھا جس کو وہ وادی اضم میں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وادی میں تشریف لے گئے اور وہاں اس سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بالکل تنہا تھے۔ آپ کو دیکھ کر رکانہ نے بڑے رعونت آمیز لہجے میں کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم ہمارے لات اور عزیٰ کو سب وشتم کرتے ہو اور تم لوگوں کو لات وعزیٰ کی عبادت سے ہٹا کر ایک خدا کی عبادت پر لگانا چاہتے ہو؟ اگر مجھ میں اور تم میں رشتہ داری کے تعلقات حائل نہ ہوتے تو میں نے آج تک تمہارا قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ تاہم غنیمت ہے کہ آج تم میرے ہتھے چڑھ گئے ہو۔'' آپ نے فرمایا: ''تو کیا چاہتا ہے؟'' اس نے کہا: ''تم اپنے ایک خدا کو پکارو، تا کہ تمہاری مدد کرے، اور بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں مقابلہ کریں۔ تم

اپنے خدا سے مدد مانگو اور میں اپنے لات وعزیٰ کو پکارتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں دس بکریاں تم کو انعام دوں گا اور تمہیں اختیار ہوگا کہ دس بہترین بکریاں میرے ریوڑ سے انتخاب کرلو۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی اس فرمائش کو منظور کرلیا اور رکانہ کے مقابلہ میں جسے کشتی کے فن میں پورا کمال حاصل تھا خدائے عزیز ومقتدر سے مدد مانگی۔ اس کے برعکس رکانہ نے لات وعزیٰ کو پکار کر کہا کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ چنانچہ جب مقابلہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے پکڑتے ہی خشک پتے کی مانند نہایت آسانی سے پچھاڑ دیا اور فوراً اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ رکانہ کہنے لگا: ''آپ میرے سینہ سے اتر جائیں کیونکہ آپ نے اپنے بازو کی قوت سے مجھے نہیں پچھاڑا بلکہ آپ کے خدا نے مجھے مغلوب کیا ہے اور لات وعزیٰ نے میری مدد نہیں کی۔

اس کے بعد رکانہ کہنے لگا: ''آپ پھر میرے ساتھ مقابلہ کریں۔ اگر اس دفعہ بھی آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو آپ کو اختیار ہوگا کہ میری بکریوں میں سے مزید دس بکریاں چھانٹ لیں۔ چنانچہ دونوں پھر ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے اور جس طرح پہلی مرتبہ دونوں نے اپنے اپنے معبودوں سے مدد چاہی تھی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس دفعہ بھی اس کو پچھاڑ دیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے۔ اب کے بار پھر رکانہ ہکا بکا رہ گیا کہ یہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔

رکانہ نے کہا: ''واقعی آپ کا خدا آپ کی مدد کرتا ہے۔ ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ تجھ جیسا فن کشتی سے ناآشنا شخص اس آسانی سے مجھے پچھاڑ لیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج سے پہلے کبھی کسی نے میری پیٹھ نہیں لگائی تھی۔'' اس کے بعد رکانہ بولا کہ آپ ازسرنو مجھ سے کشتی لڑیں تاکہ میں پھر ایک مرتبہ اپنے دل کا ارمان نکال لوں۔ اگر آپ اس مرتبہ بھی مجھ پر غالب آگئے تو آپ کو اختیار ہوگا کہ دس مزید بکریاں میرے ریوڑ میں سے انتخاب کرلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو تیسری مرتبہ بھی پچھاڑ دیا۔

رکانہ پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیسے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر کہا کہ:

﴿فلست الذی فعلت بی هذا، انما فعله الٰهک العزیز الحکیم، خذلنی اللّات و العزی﴾

''یہ سب کچھ آپ نے نہیں کیا (یعنی آپ کی طاقت وقوت نے مجھے نہیں پچھاڑا، بلکہ یہ سب کچھ آپ کے مقتدر اور حکمت والے خدا نے کیا اور میرے لات وعزیٰ نے مجھے ذلیل ورسوا کیا۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رکانہ! مجھے تمہاری بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس بات کا اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی بھی قابل عبادت نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔ اگر تم اس کا اقرار کرلو تو تم جہنم کی آگ سے محفوظ و مصؤن رہ سکتے ہو، ورنہ کوئی نہیں جو تمہیں عذاب خداوندی سے بچا سکے۔'' رکانہ نے کہا کہ میں اس وقت تمہارے حلقہ اطاعت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ مجھے کوئی مزید کرشمہ قدرت نہ دکھاؤ۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں اپنے رب سے درخواست کر کے کوئی انسانی قدرت سے خارج کرشمہ دکھا سکوں تو کیا تم میری بات مان لو گے؟'' اس نے کہا: ''بے شک۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بدعہدی تو نہیں کرو گے؟'' وہ بولا: ''بالکل نہیں۔''

پاس ہی کیکر کا ایک بہت بڑا پیڑ تھا جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''خدا کے حکم سے میرے پاس آ جا۔'' وہ درخت فوری طور پر آپ کے اور رکانہ کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ رکانہ نے کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی آپ نے مجھے بڑا کمال دکھایا۔ اب اس کو حکم دیجئے کہ پھر اپنی جگہ پر چلا جائے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر یہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا تو کیا میری تصدیق کرو گے؟'' رکانہ نے کہا: ''اب مجھے آپ کی بات مان لینے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کہیں بدعہدی کا مرتکب نہ ہونا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کو واپس جانے کا حکم دیا اور وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا، لیکن رکانہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا۔ اس بارے میں ایک روایت تو یہ ہے کہ رکانہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہو گیا، اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ کشتی کے بعد ہی مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے اپنا وہ عہد پورا کیا تھا جو اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا، اور کہا تھا:

﴿یا مُـحَمَّدُ! مَاوُضِعَ ظَهرِیْ اِلَی الْاَرْضِ قَبْلَکَ، وَمَاکَانَ اَحَـدٌ اَبْـغَـضَ اِلَـیَّ مِنْکَ، وَاَنَـا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰـهُ، وَاَنَّکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (۱)

''اے محمد! آج تک کسی شخص نے میری پشت زمین پر نہیں لگائی تھی، اور مجھے آپ سے زیادہ اور کوئی مبغوض نہ تھا لیکن اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے (سچے) رسول ہیں۔''

ابوالاسود جمحی کو پچھاڑنا:

سرزمین عرب کا ایک اور پہلوان ابوالاسود جمحی تھا۔ یہ بھی ایک نامی گرامی پہلوان تھا۔ اس کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ایک گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا اور دوسرے پہلوانوں کو کہتا کہ وہ اس کے پاؤں کے نیچے سے کھال کھینچیں۔ دس زور آور پہلوان اس کے پاؤں کے نیچے سے کھال کھینچتے۔ کھال پھٹ جاتی لیکن کھال اس کے پاؤں کے نیچے سے وہ نہ کھینچ سکتے۔ ایک روز ابوالاسود نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ چیلنج کیا:

﴿اِنْ صَرَعْتَنِیْ آمَنْتُ بِکَ﴾

''اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں کشتی لڑنے نہیں آتے وہ تو دنیا میں علم لے کر آتے ہیں جس کی روشنی میں وہ لوگوں کو اللہ کی توحید اور

۱۔ البدایہ والنهایه، قصبة مصارعة، فصل غزوة الخندق اوالاحزاب: / ۱۰۴، الاصابه: ۲ / ۱۶۵، دلائل النبوة لابی نعیم، ذکر خبر مصارعته ﷺ رکانة، ص ۳۸۸، ۳۳۹، سیرة ابن هشام: ۲ / ۲۳۵، دلائل النبوة، بیهقی، باب ماجاء فی لستنصار ﷺ باسم الله علی رکانة فی المصارعة، نصرة الله ایاه علیه ......الخ: ۶ / ۲۵۳،۲۵۲

اپنی نبوت کا لوہا منواتے ہیں۔لیکن نبوت کی جانچ اور پرکھ کے لیے ہر شخص کا ایک ذہنی معیار ہوتا ہے۔رکانہ اور ابوالاسود چونکہ پہلوان تھے لہٰذا ان کے ہاں نبوت کو پرکھنے کا معیار یہی تھا کہ جو انہیں پچھاڑ دے وہ واقعی نبی ہوگا کیونکہ ان کے اپنے ذہنی معیار کے مطابق کوئی غیر نبی انہیں نہیں پچھاڑ سکتا تھا۔رسول اللہ ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ کوئی جہنم میں نہ جائے، اس لیے جب ابوالاسود نے کہا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا، آپ نے اس کے چیلنج کو قبول کر لیا تاکہ یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔چنانچہ آپ مقابلہ کے لیے میدان میں تشریف لے آئے۔آپ نے پہلی ہی بار میں ایک خشک پتے کی طرح اس کو زمین پر پٹخ دیا، اگرچہ اس نے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ اپنے وعدے سے مکر گیا اور آپ پر ایمان نہ لایا۔(۱)

جنگ احزاب میں چٹان کو توڑنا:

مشرکین مکہ اور یہود کی مشترکہ پلاننگ سے دس ہزار آدمیوں پر مشتمل ایک لشکر جرار متحدہ محاذ کی شکل میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا تھا لیکن مدینہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت غافل نہیں تھی۔اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور حالات کے ہر قسم کے نشیب وفراز سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم اٹھاتی تھی۔چنانچہ جب اس لشکر کی حرکات کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے مدینہ کی ہائی کمان کی مجلس مشاورت طلب کی اور مدینہ کے دفاعی منصوبہ کے لیے غور وخوض کیا۔سیدنا سلمان فارسیؓ نے تجویز پیش کی کہ عرب کے کئی قبائل متحدہ محاذ بنا کر قریباً دس ہزار کی تعداد میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔یہ اتنا بڑا لشکر ہے کہ مدینہ منورہ کی کل آبادی بھی اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس وجہ سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا دفاعی نقطۂ نظر سے مفید نہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مدینہ کے گرد خندق کھود کر اور شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔سیدنا سلیمان فارسیؓ کی اس تجویز کو بالاتفاق منظور کر لیا گیا۔

چنانچہ اس منصوبہ کے تحت خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا گیا۔رسول اللہ

۱۔ مواھب اللدنیا: ۲ / ۳۶۵

صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی حدود خود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما دی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے سے تری نکل آئی اور جلدی اتنی کھودی گئی کہ صحابہ کرامؓ چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہو گئے۔ (۱)

خندق کی کھدائی کا افتتاح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا۔ چنانچہ آپ نے کدال دست مبارک میں لے کر زمین پر ماری اور یہ کلمات آپ کی زبان مبارک پر تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِهٖ بَدَيْنَا
وَلَوْ عَبَدْنَا غَيْرَهٗ شَقَيْنَا
حَبَّذَا رَبًّا وَحَبَّذَا دِيْنًا

یعنی بنام خدا اور ہمارا آغاز کار اسی کے نام سے ہوتا ہے، اور اگر ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں تو نہایت بدبخت اور بدنصیب ہیں۔ وہ کیسا اچھا رب ہے اور کیسا اچھا دین ہے۔ (۲)

سخت سردی کا موسم تھا، ہر طرف سے سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ میں بھوک بلکہ کئی کئی روز کا فاقہ، لیکن یہ درویش صفت صحابہ کرامؓ نہایت لگن اور ذوق کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ کچھ صحابہ کرامؓ کدالوں سے مٹی کھودتے اور کچھ اٹھا اٹھا کر باہر لاتے، لیکن ہر ایک زبان پر یہ کلمات تھے

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا (۳)

"یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر

۱۔ فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب: ۳۹۲/۷، (دار المعرفة بیروت)، طبقات ابن سعد، غزوة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الخندق وهی الأحزاب: ۲/۶۶، ۶۷

۲۔ فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب: ۷/۳۹۷، (دارلمعرفة بیروت) روض الانف، غزوةالخندق: ۲ / ۱۸۹

۳۔ فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب: ص ۳۹۲

بیعت کی ہے۔ جب تک جسم میں جان ہے ہم کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔‘‘

سرکار دو عالم ﷺ جب ان کے منہ سے یہ کلمات سنتے تو جواب میں یہ ارشاد فرماتے:

أَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ إِلَّا عَيْشُ ألآخِرَةِ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

یعنی اے اللہ بے شک زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ خندق سے مٹی ڈھو ڈھو کر لا رہے تھے۔ گرد وغبار سے آپ ﷺ کا جسم اٹ گیا تھا۔ میں نے اسی حالت میں آپ ﷺ کو عبداللہ بن رواحہؓ (شاعر رسول اللہ ﷺ) کے یہ رجزیہ کلمات پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ مٹی ڈھوتے جاتے اور یہ کلمات کہتے جاتے ؎

اللّٰهُمَّ لَوْ لَآ اَنْتَ مَااهْتَدَيْنَا ۔۔۔ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنَّ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ۔۔۔ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنَ لَاقَيْنَا
اِنَّ الالٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ۔۔۔ اِذَا اَرَادُوْ فِتْنَةً اَبَيْنَا (۱)

(۱) اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔
(۲) پس تو ہم پر سکون واطمینان نازل فرما، اور اگر دشمن سے ٹکراؤ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔
(۳) ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے، اگر وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنا چاہیں گے تو ہم ہرگز سرنگوں نہ ہوں گے۔ (۲)

۱۔ کتاب السید، باب فی صفر الخندق: ص ۷۹۴، رقم الحدیث: ۲۴۵۹ (دارلمعرفة طبع بیروت)

۲۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب: ۱/ ۳۸۷، ۲/ ۵۸۸، ۸۵۹، رقم الحدیث: ۲۱۰۲، ۲۱۰۶

ادھر دشمن کے لشکر کے پہنچنے کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں اور ادھر مسلمان نہایت گرم جوشی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ دن رات خندق کھود رہے تھے تاکہ دشمن کے پہنچنے تک خندق کی تکمیل ہو جائے، لیکن دوسری طرف بھوک کی شدت نے بھی نڈھال کر رکھا تھا اور سردی کی شدت بھی اپنی انتہا کو تھی۔ سیدنا ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا پیٹ کھول کر دو پتھر دکھلائے۔ (۱)

اسی سلسلہ میں امام بخاریؒ نے سیدنا جابر بن عبداللہ کا واقعہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس زمانہ میں کس قدر مفلوک الحال تھے اور کئی کئی روز انہیں کھانا نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ سیدنا جابرؓ نے خندق کی کھدائی کے دوران دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک پر بھوک کے واضح آثار ہیں۔ انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (قریباً ایک کلو) جو پیسا۔ کھانا چونکہ کم تھا لہٰذا نہایت راز داری کے ساتھ آپ سے عرض کیا: ''اے جان عالم! چند مخصوص ساتھیوں کے ساتھ تشریف لا کر میرے غریب خانہ پر کچھ تناول فرمالیں۔'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام اہل خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، ساتھ لیا اور سیدنا جابرؓ کے گھر پر تشریف لائے۔ گھر والے اتنے حضرات دیکھ کر پریشان تو ہوئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساتھ تھے تو پھر غم کس بات کا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک ہزار آدمی نے اس تھوڑے سے کھانے سے پیٹ بھر کر کھایا، پھر بھی سالن کی ہنڈیا بھری رہی اور گوندھا ہوا آٹا بھی اسی طرح رہا یعنی ان دونوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ (۲)

امام زرقانیؒ، امام قسطلانیؒ اور امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا جابرؓ کے گھر میں جب اہل خندق کھانا کھا رہے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا: ''كُلُوا وَلَا تَكْسِرُوا عَظْماً'' یعنی خوب کھاؤ لیکن ہڈیاں نہ توڑنا۔ کھانا ختم ہونے کے بعد ایک بڑے برتن

۱۔ مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء: ۲ / ۴۴۸ رواہ الترمذی

۲۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الأحزاب: ۲/ ۵۸۸، ص ۱۰۲۹، حدیث: ۴۱۰۱ (دارالمعرفہ طبع بیروت)

میں ہڈیوں کو اکٹھا کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور کچھ پڑھا جس کو میں نہیں سن سکا (ثُمَّ تَكَلَّمَ كَلِماً لَمْ اَسْمَعْهُ) پھر دیکھا کہ بکری کان جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر آپ نے مجھے فرمایا: ''یہ لو اپنی بکری۔'' میں بکری کو لے کر اپنی اہلیہ کے پاس آیا۔ اس نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا:

﴿هٰذِهٖ وَاللّٰه شَاتُنَا ذَبَحْنَا، دَعَا اللّٰهَ فَاَحْيَاهَا لَنَا، قَالَتْ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾(۱)

''بخدا! یہ وہی بکری جس کو ہم نے ذبح کیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ یہ سن کر سیدنا جابرؓ کی اہلیہ نے کہا: ''میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیرؓ کی ہمشیرہ اہل خندق کے پاس دو مٹھی کھجوریں لے کر آئیں تاکہ ان کے ابا اور ماموں سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کو جو کئی روز سے بھوکے تھے، دوں۔ لیکن جب وہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ نے اس سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑا بچھا کر اس پر بکھیر دیں۔ پھر اہل خندق کو دعوت دی۔ اہل خندق انہیں کھاتے گئے یہاں تک کہ سارے اہل خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔ (وَاِنَّهٗ لَيَسْقُطُ مِنْ اَطْرَافِ الثَّوْبِ) (۲)

مجاہدین اسلام جب خندق کھود رہے تھے تو ایک چٹان نما پتھر کا سخت ٹکڑا ظاہر ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یہ سخت پتھر نما ٹکڑا خندق کی کھدائی میں آڑے آ گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ٹھہرو! میں اتر رہا ہوں۔ جب آپ ﷺ اٹھے

۱۔ ملاحظہ ہو زرقانی شرح المواہب: ۷ / ۲۲، البدایہ والنہایہ، باب تکثیرہ علیہ السلام الأطعہ طریق أخری: ۶ / ۱۰۹، المواہب اللدنیا: ۲ / ۵۷۸، خصائص کبریٰ، سیوطی: ۲ / ۱۱۲

۲۔ ابن ہشام: ۲ / ۲۱۸

تو آپ کے شکم پر (بھوک کی وجہ سے) ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے بھی تین روز سے کچھ نہ چکھا تھا۔ پھر سرور کائنات ﷺ نے کدال پکڑ کر اس چٹان پر ماری تو وہ دفعتاً تودہ ریت بن گئی یعنی ریزہ ریزہ ہوگئی۔ (۱)

یہ تو بخاری کی روایت ہے۔ سنن نسائی اور مسند احمد میں سیدنا براءؓ سے روایت ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی۔ ہم اس پر کدال مارتے تھے تو وہ اچٹ جاتی تھی۔ ہم نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، آپ ﷺ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ پڑھ کر پہلی کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ بخدا! میں شام کے سرخ محلوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! ملک فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئیں۔ بخدا! مدائن کے قصر ابیض (White House) کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ پھر فرمایا: اللہ اکبر! ملک یمن کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں، بخدا! میں صنعاء کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ (۲)

اس واقعہ میں جہاں آپ ﷺ کی جسمانی قوت کا اظہار ہے وہاں آپ ﷺ کی روحانی قوت کا اظہار بھی ہے اس لیے وہ دو تین معجزات کا بھی ذکر جو آپ کی روحانی قوت پر دال ہیں ہم نے کر دیا ہے، اس وجہ سے ہم نے خندق کی اس چٹان کے واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا سَيِّدَنَا مُحَمَّداً ﷺ مَاهُوَ اَهْلُهُ

۱۔ فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب: ۷/ ۳۹۷، نسائی، کتاب الجهاد، باب غزوة الرك والحبشة: ص ۶۳۔ ۶۴

۲۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب، رقم الحدیث: ۴۱۰۱، ص ۱۰۲۹ (دار المعرفه طبع بیروت لبنان)، مسند دارمی: ۱/ ۳۳

باب دوم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی شخصی اور صفاتی خصوصیات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات میں پائی جانے والی وہ امتیازی خصوصیات جو آپ ہی کا وصف خاص ہیں۔

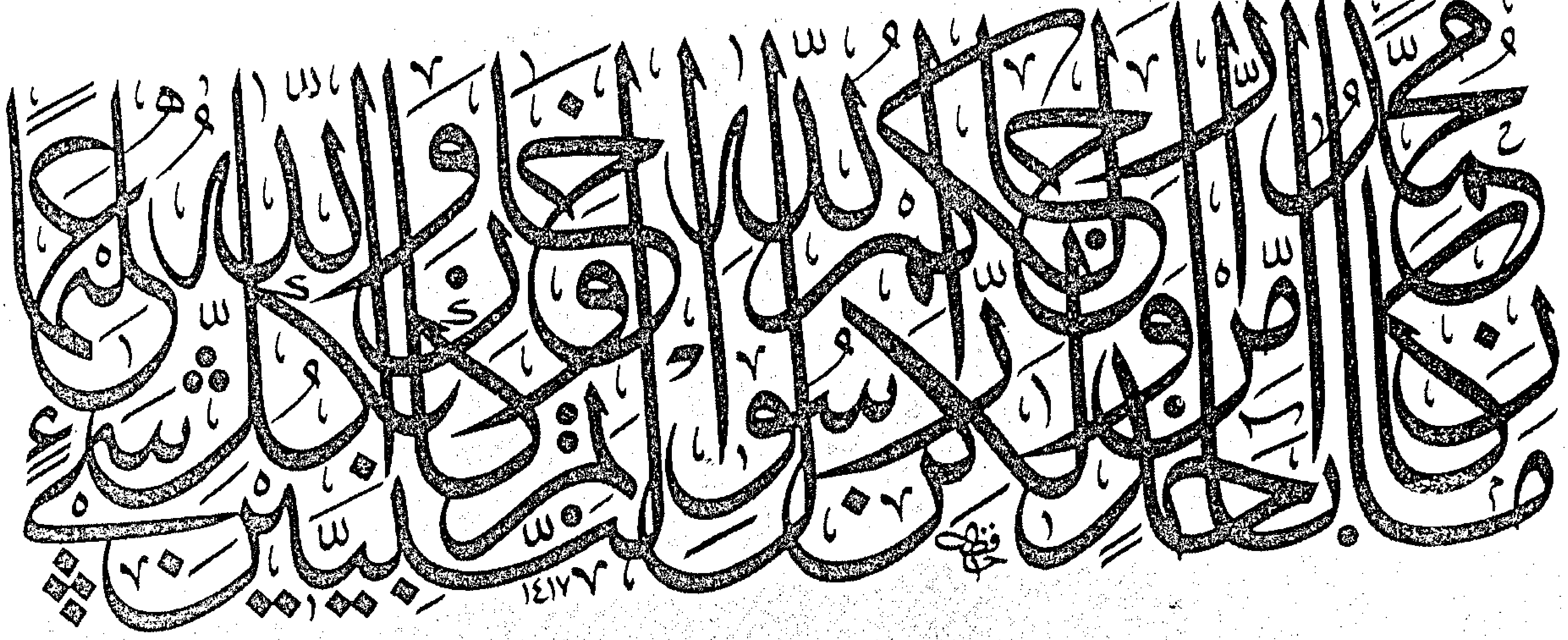

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور (سب) نبیوں پر مُہر (آخری نبی) ہیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال فہم وفراست

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ایک عجیب قسم کی فہم وفراست اور ذکاوت وفطانت سے نوازا ہوتا ہے۔ یہ فہم وفراست پیدا ہوتی ہے علم سے اور علم کے لحاظ سے نبی اپنے وقت میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے۔ اسلام میں رسول کا تصور دوسرے تمام مذاہب سے علیحدہ اور الگ ہے۔

''نبی'' کا لفظ مشتق ہے ''نباءٌ'' سے جس کے معنی ہیں خبر۔ لیکن لغت عرب میں ہر خبر ''نباءٌ'' نہیں ہوتی بلکہ ''نباء'' اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں۔

(۱) خبر فائدے کی ہو۔

(۲) فائدہ بھی معمولی نہیں بلکہ عظیم الشان ہو۔

(۳) اور اس خبر سے سننے والے کو اطمینان قلب اور یقین کامل حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ راغب اصفہانی نے ''نباءٌ'' کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

﴿اَلنَّبَأُ خَبَرٌ ذُوْفَائِدَةٍ عَظِیْمَةٍ، یَحْصُلُ بِهٖ عِلْمٌ أَو غَلَبَةُ ظَنٍّ، وَلَایُقَالُ لِلْخَبَرِفِی الْاَصْلِ نَبَأٌ حَتّٰی یَتَضَمَّنَ هٰذِهِ الْاَشْیَآءَ الثَّلَاثَةَ﴾

''یعنی نباء اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑے فائدے والی ہو، اور اس سے علم یقین یا ایسا علم جس پر یقین غالب ہو، حاصل ہو، اور کسی خبر کو اس وقت تک نباء نہیں کہتے جب تک اس میں یہ تین چیزیں نہ ہوں۔''

اس معنی کی رو سے نبی کی تعریف ہوگی کہ نبی وہ انسان ہے جو حق تعالیٰ شانہ

کے بندوں کو حق تعالیٰ کی جانب سے نفع اور فائدے کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائے جن تک ان کی نارسا عقلیں پہنچنے سے قاصر ہوں۔

ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہوں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے قرآن حکیم سے کئی آیات نقل کیں جن میں نباء کا لفظ آیا ہے، آخر میں یہ لکھا ہے کہ ان سب آیات میں ''انباء'' صرف ان خبروں کے بارے میں استعمال ہوا ہے جو اپنے علم و مشاہدہ سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان کا تعلق اخبار غیب سے ہے، لہٰذا قاعدہ کی رو سے نبی کو ''نبیٔ'' یعنی ہمزہ کے ساتھ لکھا اور پڑھا جانے لگا اور مہموز (وہ صیغہ جس میں ہمزہ آئے) سے معتل (وہ صیغہ جس میں حرف علت آئے) استعمال ہونے لگا۔ اس کے مہموز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع ''انبیاء'' آتی ہے۔ (۱)

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''نبی فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ لغت عرب میں یہ وزن فاعل اور مفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن زیادہ مناسب اور قرین قیاس یہی ہے کہ اس کو مفعول کے معنی میں لیا جائے۔ اس لحاظ سے نبی کے معنی ہوں گے: ''الذی نباء اللّٰہ'' یعنی وہ ذات جس کو حق تعالیٰ شانہ نے غیب کی خبریں دی ہوں اور اس کو نبی بنایا ہو۔ اب جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں، اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کو بھی ان خبروں سے مطلع کرے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کرے گا ورنہ نہیں، لیکن جس بات پر کسی نبی کا نبی ہونا موقوف ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غیب کی خبریں دی جائیں نہ کہ وہ ان

۱۔ النبوات: ص ۲۲۲۔ ۲۲۳

خبروں کو دوسروں تک پہنچائے۔ معلوم ہوا کہ نبی اور غیر نبی میں
جس چیز سے امتیاز ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب
کی خبریں دینا اور نہ دینا ہے۔(۱)

نبی کے لفظ میں ہی اللہ تعالیٰ نے نبی کی تمام خوبیوں کو مضمر کر دیا ہے، لہٰذا نبی کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لیے ''نبی'' سے بہتر اور کوئی لفظ نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت توجہ الیٰ الحق اور توجہ الیٰ الخلق کی صفت کے کمال کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں نبی وہ ذات ہے جو ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے اور خلق خدا پر بھی نظر رکھے۔ حق کی طرف توجہ کرنے سے خلق کی طرف اس کی توجہ کم نہ ہو اور خلق کا خیال حق کی لگن میں خلل انداز نہ ہو۔

چونکہ نبی کا علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہوتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت صفت اجتباء و اصطفاء کے تحت ہوتی ہے۔ پھر ان کے ہر قول و فعل کی حق تعالیٰ شانہ خود نگرانی فرماتے ہیں یہاں تک کہ ان کی غذا، قوت شنوائی، قوت بینائی سب کو صفت عصمت کے تحت معصوم رکھا جاتا ہے، اس لیے وہ فہم و فراست اور ذکاوت و فطانت میں پوری دنیا سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی مدبرانہ فہم و فراست زندگی کے ہر میدان میں ارفع اور اعلیٰ ثابت ہوئی۔ میدان احد میں باوجود مسلمانوں کی کم تعداد کے آپ نے اپنی عسکری بصیرت اور دانش مندانہ حکمت عملی کا جو مظاہرہ کیا اس نے قریش مکہ کے مسلمانوں سے چھ سات گنا زیادہ لشکر کو وہ شکست فاش دی کہ دنیا کے بڑے بڑے جرنیل ابھی تک ورطۂ حیرت میں ہیں، لیکن اس فتح کے بعد چند مسلمانوں سے جو خوفناک غلطی ہوئی اس غلطی نے اس فتح کو شکست میں تبدیل کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی فہم و فراست اور عسکری عبقریت نے مسلمانوں کو خوفناک شکست سے محفوظ کر لیا۔ اور مسلمانوں نے ایک دفعہ پھر اپنے امیر لشکر ﷺ کی قیادت میں منظم ہو کر دشمن کا جو مقابلہ کیا، اس سے غنیم بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ مسلمانوں کی اس خوفناک غلطی سے فائدہ اٹھانے کی قریش کے لشکر میں صرف خالد بن ولیدؓ نے کوشش کی کیونکہ خالد ایک ایسے جرنیل تھے جنہوں نے نہ تو زمانۂ جاہلیت میں کبھی شکست کھائی تھی

۱۔ النبوات: ص ۱۲۶، فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۸ / ۱۶

اور نہ ہی دور اسلام میں انہیں کبھی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور مؤرخ کو یہ لکھنا پڑا:

﴿فشلت عبقريّة خالدٍ امام عبقريّة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم﴾

''یعنی خالد بن ولید کی عسکری عبقریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسکری عبقریت کے سامنے یک قلم ناکام ہوگئی۔''

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنی کمال دانش مندانہ حکمت عملی سے غنیم پر اپنی فوجی نقل وحرکت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اس موقع پر سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو ایک خط لکھا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ کا اعلان کر دیا ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا اور طرف کا ہو، اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو میرا یہ احسان یاد رہے۔'' (۱)

لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راز کے طشت از بام ہونے کا پتہ چلا اور آپ نے یہ محسوس کیا کہ حاطبؓ کا انہیں خبر دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف ہے اور اس سے لشکر اسلام کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، تو آپ نے فوری طور پر سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا مقدادؓ کو بھیج کر وہ خط اس عورت سے واپس منگوا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ پر آپ نے اس حالت میں حملہ کیا کہ اہل مکہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ چنانچہ ۱۷ رمضان المبارک ۸ھ میں جب مسلمانوں کا لشکر عظیم مکہ کی طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں روانہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تا کہ وہ لشکر اسلام کی شان و عظمت کو بخوبی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ لشکر کی عظمت و شکوہ کو دیکھ کر ابوسفیان سیدنا عباسؓ سے کہا:

﴿يا ابا الفضل: لقد اصبح ملك ابن اخيك اليوم عظيماً﴾ (۲)

۱۔ فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح: ۷ / ۵۲۱، ۵۲۰، زرقانی، باب غزوۃ الفتح الأعظم: ۲ / ۲۹۸

۲۔ فتح الباری: ۸/ ۱۰۸

''ابوالفضل! تمہارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بہت عظیم ہوگئی ہے۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اس اسٹریٹیجی سے بغیر کسی کشت وخون کے مکہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگیا اور بڑے بڑے عمائدین قریش جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب زندگی فہم وفراست کے واقعات سے بھری پڑی ہے جن سب کا اس کتاب میں درج کرنا نہ صرف مشکل بلکہ طوالت کا باعث بھی ہے لہٰذا چند ایک واقعات اس سلسلہ میں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) حجر اسود کی تنصیب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا بلکہ آپ ابھی عنفوان شباب میں تھے اور سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متاہل زندگی مختلف نشیب وفراز سے گزرتی ہوئی دس منزلیں طے کر چکی تھی۔ اس دور میں ہر شخص آپ کی شخصیت پر فریفتہ اور شیفتہ تھا، کیونکہ پیغمبر اور رسول بچپن ہی سے فہم وفراست لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بچپن میں بھی کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتے، وہ جوانی میں بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ''اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ'' کہ میں حفیظ اور علیم دونوں صفتوں کا حامل ہوں۔

انہی ایام میں قریش مکہ کے دلوں میں انہدام کعبہ کا خیال پیدا ہوا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خانۂ خدا کی کہنگی کو دیکھ کر کچھ پریشان ہوتے۔ خانہ کعبہ کے اردگرد دیوار یا اوٹ نہ ہونے کی وجہ سے سامنے کی پہاڑیوں سے سیلاب کا پانی پھسل کر اس کی دیواروں سے ٹکراتا جس سے عمارت دن بدن کھوکھلی ہوتی گئی اور عمارت کی خرابی کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ میں جمع شدہ تحائف کی چوری کا اندیشہ بھی بڑھنا شروع ہوگیا۔ کیونکہ کعبہ کا خزانہ دروازے کے ساتھ ملا ہوا تھا جو کنویں کی طرح پختہ گڑھا تھا۔ قیمتی نذرانے اسی میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ اس میں سونے کے زیورات کے علاوہ سونے کا ہرن بھی تھا جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ (۱)

۱۔ طبقات ابن سعد: ۱ / ۹۳

کعبہ ایک چار دیواری کی شکل میں تھا جس پر چھت نہیں تھی۔ دیواریں ۹ ہاتھ یعنی ۱۵ فٹ اونچی تھیں۔ اوپر چھت نہ ہونے کی وجہ سے قیمتی اشیاء چوری ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ابولہب نے سونے کا ہرن چرالیا۔ (۱)

اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک عورت دھونی سلگا رہی تھی کہ اس کی چلمچی میں سے آگ کا ایک پتنگا کعبہ کے پردہ پر گرا جس سے تمام پردے جل گئے، اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں، ان کمزور اور شکستہ دیواروں پر تازہ حادثہ یہ پیش آیا کہ ایک روز اردگرد کی پہاڑیوں سے پانی کا ایک ریلہ ان سے ٹکڑایا جس نے اس کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ (۲)

لہٰذا اب طے یہ پایا کہ چار دیواری کو منہدم کر کے اسے ازسرنو تعمیر کیا جائے، لیکن اس منصوبے کی تکمیل کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ سامان عمارت اور کوئی انجینئر جو صحیح طریقہ سے اس کی تعمیر کرے، درکار تھا۔ ولید بن مغیرہ نے سامان عمارت بھی مہیا کیا اور انجینئر بھی انہیں مل گیا، لہٰذا اب سوال سرمایہ کا تھا۔ طے پایا کہ اس مقدس عمارت کی تعمیر کے لیے مقدس سرمایہ خرچ کیا جائے۔ (۳)

چنانچہ اس منصوبے کے تقدس اور پاکیزگی کی ان شرطوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے پورے مکہ سے چندہ کی فراہمی کی گئی جب عمارت کی وسعت اور چندہ کی قلت کا موازنہ کیا گیا تو ایک جانب قریباً سات ہاتھ کا حصہ جو (Semi Circle) تھا وہ کعبہ کی عمارت سے خالی کر دیا گیا۔

غرضیکہ سب کچھ مہیا ہو گیا اور تعمیر کے تمام مراحل طے ہو گئے۔ اب سب سے بڑا مسئلہ اس کی تخریب یعنی اس بوسیدہ عمارت کو گرانا تھا۔ کئی روز تذبذب میں گزر گئے کہ کدال چلانے اور اس کی بوسیدہ دیوراوں کو گرانے میں پیش قدمی کون کرے؟ آخر بے حد تردد اور تامل کے بعد ولید بن مغیرہ نے ہمت کی اور لات ذہبل کو

۱۔ كتاب المعارف لابن قتيبه

۲۔ ملاحظه هو سيرة حلبيه: ۱۵۲/۱

۳۔ طبقات ابن سعد: ۴۵/۱

پکار کر آگے بڑھا اور کہا کہ ہم یہ تخریب اور انہدام کسی توہین کی غرض سے نہیں کر رہے بلکہ تعظیم وتعمیر کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں لہٰذا لات وہبل کی ناراضگی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ولید بن مغیرہ نے اپنی کدال سے رکن یمانی کا کچھ حصہ گرا دیا لیکن چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگ ولید پر اللہ تعالیٰ کی گرفت کے منتظر تھے۔ مکہ والوں نے ایک رات انتظار کیا کہ شاید ولید پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بلا نازل ہو، لیکن جب اگلے روز دیکھا کہ ولید بالکل صحیح وسلامت ہے تو ان کے حوصلے بڑھ گئے اور ہر قبیلہ نے اپنا اپنا حصہ گرا کر پتھر کی سلیں بنانا شروع کر دیں۔ ان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے۔ اچانک زمین میں گڑا ہوا سبز رنگ کا اتنا بڑا پتھر نمودار ہوا جس پر کدال چلانے سے وہ اچٹ کر پیچھے کو لوٹتی۔ اس پتھر کا زمین سے نکالنا اور دوسری جگہ رکھنا ناممکن تھا، لہٰذا اسے ہی بنیاد قرار دے کر اس پر تعمیر شروع کر دی گئی۔

مختصر یہ کہ سابق تعمیر کو مکمل طور پر منہدم کر کے بڑے جوش وخروش سے دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔ دیواروں کی تعمیر کے سلسلہ میں تو کسی قبیلہ نے کوئی تنازع کھڑا نہ کیا لیکن جب دیوار کعبہ میں ''حجر اسود'' کو نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر ایک قبیلہ کو اپنی شان اور عظمت یاد آ گئی۔ وہ اپنے مفاخر اور کارنامے یاد دلا کر کہنے لگا کہ حجر اسود کے نصب کرنے کی تاریخی عظمت حاصل کرنے کا ہمیں ہی حق ہے۔ کوئی دوسرا قبیلہ اس بارے میں ہم پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔ ہر قبیلہ کی یہ آرزو تھی کہ وہی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو اور کوئی ایثار اور رواداری پر راضی نہ تھا۔ یہ اختلاف اور جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ بنو عبدالدار اور بنو عدی نے اس کے لیے موت کا حلف اٹھا لیا۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں اور کشت وخون کا بازار گرم ہو، اور یہ کوئی حیرانی کی بات بھی نہ تھی کیونکہ جاہل اور گم کردہ راہ اقوام ایسا ہی کرتی ہیں۔ چار پانچ روز اسی کشمکش میں گزر گئے۔ آخر ایک قریشی رئیس ابو امیہ بن المغیرہ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ کے شوہر تھے، کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ جو شخص سب سے پہلے ''باب بنی شیبہ'' (اس کو پہلے باب بنی عبد شمس کہا جاتا تھا اور اب اس دروازے کا نام باب السلام ہے سیرۃ الحلبیہ : ۱/۱۵۶) سے مسجد حرام میں داخل

ہو، اس کو ثالث اور حکم تسلیم کر لیا جائے۔ ان کی اس بات کو سب قبائل نے قبول کر لیا۔ قریش کے مقتدر اور رئیس افراد بڑی آرزوؤں اور امیدوں کو دل کے نہاں خانہ میں چھپائے ہوئے صبح سویرے مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جو رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو کر عبادت الٰہی کے لیے مسجد الحرام میں آنے کے عادی تھے، سب سے پہلے اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہوئے۔ یہ قریش کی خوش نصیبی تھی کہ سب سے پہلے مسجد میں وہ داخل ہوا جس کی خوبیوں کے سب معترف تھے۔ چنانچہ جونہی سردارانِ قبائل کی نظریں آپ کے چہرۂ اقدس پر پڑیں، فوراً پکار اٹھے۔

﴿هٰذَا مُحَمَّدٌ الأَمِينُ رَضِينَا هٰذَا مُحَمَّدٌ الأَمِينُ﴾

''یہ تو محمد الامین ہیں، ہم ان کے ثالث ہونے پر راضی ہیں، یہ تو محمد الامین ہیں۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رؤسائے مکہ سے پورا ماجرہ سنا اور پھر تھوڑے سے تامل کے بعد ایسا فیصلہ صادر فرمایا جس سے یہ الجھا ہوا معاملہ ایسا سلجھا کہ کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہوئی اور ہر قبیلہ خوش ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''ایک چادر لاؤ۔'' جب چادر لائی گئی تو آپ نے چادر کو بچھا کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر کے درمیان رکھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ کے سربرآوردہ افراد اس چادر کا ایک ایک کونہ تھام لیں اور جہاں اس کو نصب کرنا ہے وہاں تک لے چلیں۔ تمام قبائل کے سربرآوردہ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی کیونکہ اس میں مساوات اور یکسانیت پائی جا رہی تھی۔ جب وہ چادر میں رکھے ہوئے حجر اسود کو اس کے مقام نصب تک لے کر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب تم مجھ کو اس کے مقام پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دو۔ چونکہ وکیل کا فعل موکل ہی کا فعل متصور ہوتا ہے، لہٰذا سب نے اس کو منظور کر لیا اور آپ نے سب کی طرف سے اپنے مبارک اور پاکیزہ ہاتھوں سے حجر اسود اٹھا کر اس کو خانہ کعبہ کے مقام پر رکھ دیا، اور اس طرح ایک پیچیدہ گتھی آپ کے ناخن تدبیر سے بوجوہ احسن سلجھ گئی اور اس طرح ایک نہایت خوفناک جنگ آپ کے فہم و فراست سے ٹل گئی اور قبائل قریش میں

غصہ ونفرت کے بجائے اتحاد واتفاق اور یک جہتی کے جذبات ابھر آئے جس کی ہماہمی سے خانہ خدا کی باقی ماندہ تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی، اور تمام لوگ آپ کی ثناء ومنقبت میں رطب اللسان ہوئے۔(۱)

مواخات مدینہ:

منافقین اور یہود کے علاوہ مدینہ منورہ میں ایک تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور آپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں آپ ﷺ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو آخر تک نبھایا۔ سرکار دو عالم ﷺ کا پسینہ بہنے سے قبل وہاں اپنا خون بہایا۔ دنیا میں اخلاص وایثار اور جانبازی و جانثاری کی مثالیں قائم کیں اور قرآن حکیم کو ان کی تعریف میں یہ کہنا پڑا:

﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾(۲)

''وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر خود فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔''

یہ اخلاص وایثار کے پیکر انصار جو مدینہ طیبہ کے اصل باشندے تھے، اور ان کا تعلق اوس اور خزرج دو قبیلوں سے تھا، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی ان کے ساتھ ان مہاجرین کا بھائی چارہ قائم کر دیا جو مکہ سے

---

۱. سیرۃ ابن ھشام: ۱ / ۲۲۸.۲۲۱ ،السیر والمغازی لابن اسحاق، الجزء الثانی من کتاب المغازی: ص ۱۰۳ . ۱۰۸ حدیث بنیان الکعبة، نھایة الارب: ۱۶ / ۹۹. ۱۰۱ ، طبقات ابن سعد: ۱ / ۱۴۵. ۱۴۶ ، عیون الاثر لابن سید الناس، ذکر بیتان قریش الکعبة شرفھا الله تعالی: ۱ / ۵۱. ۵۲، طبری: ۲ / ۲۸۶ . ۲۹۰، اخبار مکه ازرقی: ص ۱۵۸ . ۱۶۴ ،تاریخ الاسلام ذھبی: ۱ / ۶۸، السیرۃ النبویه لابن کثیر: ۱ / ۲۷۳. ۲۷۶ ، فتح الباری، باب بنیان الکعبة: ۷ / ۱۱۵ ، معجم کبیر طبرانی: ۶ / ۶۶

۲. حشر:۹

ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ یہ بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس بن مالکؓ کے مکان پر ہوئی۔ (۱)

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ کل نوے آدمی تھے۔ ان میں آدھے مہاجر اور آدھے انصار تھے۔ بھائی چارے کی بنیاد امام سہیلیؒ کے قول کے مطابق یہ تھی کہ مہاجرین کے دلوں میں غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کیا جائے۔ ایک دوسرے کے دلوں میں ہمدردی اور غم خواری کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ بعض حضرات نے اس بھائی چارے کا مقصد یہ بھی لکھا ہے کہ جاہلیت کی تمام عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ نسل اور رنگ و وطن کے تمام امتیازات ختم ہو جائیں۔ غیرت وحمیت جو کچھ ہو وہ صرف اور صرف اسلام کے لیے ہو۔ غم گساری اور موانست کے جذبات معاشرہ میں پیدا ہوں۔ انصار نے اس بھائی چارے کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے آج تک ایسی اخوت کا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ اور حافظ ابن سید الناسؒ نے لکھا ہے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم فرمایا، اور دوسری ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی جس میں ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا۔ یہ دوسری مواخات بعض روایات کے مطابق ہجرت کے پانچ ماہ بعد اور بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اور بعض اقوال کے مطابق جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی، وجود میں آئی۔ (۲)

میثاق مدینہ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی جو فوری اہم کام کیے ان میں ایک یہود کے ساتھ معاہدہ بھی تھا جس کو ''میثاق مدینہ'' کہتے ہیں۔ مدینہ طیبہ اور اس کے

۱۔ عیون الاثر لابن سید الناس: جلد ۱ ص ۳۲۲

۲۔ عیون الاثر: ۱ / ۳۲۲

مضافات بلکہ پورے جزیرۂ عرب میں قبائلی سسٹم تھا، کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ اس وجہ سے وہاں معاہدات کا نظام ہی مختلف قبائل کو آپس میں جوڑتا تھا۔ اسی وجہ سے ہر قبیلہ کے کچھ حلیف اور معاہد قبائل ہوتے تھے۔ جنگ کی صورت میں ہر حلیف اور معاہد قبیلہ اپنے قبیلہ کا ساتھ دیتا تھا۔

مہاجرین جو قریش سے تعلق رکھتے تھے مدینہ والوں کے لیے ایک انوکھا عنصر تھے۔ یہ حضرات انہیں خود دعوت دے کر مدینہ لائے تھے۔ ان میں آپ نے بھائی چارہ قائم کیا تھا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں دوری ختم ہو کر یک سوئی ہو جائے اور وہ ایک طاقت ور گروپ بن جائیں۔

انصار کے قبائل اوس اور خزرج کے جو لوگ مسلمان ہوئے ان کے پورے کنبے یا قبیلے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ کچھ لوگ اب بھی شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس لیے خطرہ تھا کہ کہیں ان قبائل کے مسلمان اور غیر مسلم آپس میں متصادم نہ ہو جائیں۔ اس تصادم سے اسلام جیسے دعوتی دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ مدینہ میں ایک گروپ مشرکین کا بھی تھا اور قریش مکہ کا ہم مشرب تھا۔ قریش ان لوگوں کو نہایت آسانی کے ساتھ اپنا آلۂ کار بنا کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکتے تھے، دوسرے مدینہ کے قرب و جوار میں یہود کے تین طاقت ور قبیلے تھے جو مدینہ کی پوری معیشت پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بھی قریش مکہ کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ مہاجرین سے ان کا بھی ابھی تک کوئی رابطہ نہ تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ اس علاقہ کے تمام باسیوں اور باشندوں کے مابین خیر سگالی اور امداد باہمی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے جس کے لیے پہلی کڑی کے طور پر آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کی۔ اب اس کی دوسری کڑی یہ تھی کہ آپ مشرکین اور مدینہ کے یہود کے درمیان ہمدردی کی روح قائم فرمانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہجرت کے پانچ ماہ بعد مہاجرین و انصار اور ان تمام قبائل میں جو مشرکین اور یہود سے تعلق رکھتے تھے، بقائے باہمی اور خیر خواہی کے لیے ایک معاہدہ مرتب فرمایا۔ یہ گویا کہ ایک وفاق کا دستور اساسی تھا جس سے مشرکین مکہ اور

دوسرے تمام سازشی عناصر کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں جو انہوں نے مہاجرین کے مدینہ پہنچنے پر شروع کر دی تھیں۔ اس عہد نامہ کا ایک فریق حضرات قریش ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے ہجرت کر کے مکہ سے مدینے آئے، اور جن کو معاہدہ میں ''المومنین والمسلمین من قریش'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا فریق اہل یثرب ہیں۔ کسی مذہبی فرقہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یثرب کے باسی ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ معاہدہ کیا۔ قبائل یہود (بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع) اہل یثرب نہیں کیونکہ یہ یثرب سے باہر مضافات میں رہتے تھے، لیکن اہل یثرب یعنی اوس اور خزرج سے ان کے معاہدات کے ذریعہ اس معاہدہ میں شامل فرمایا۔ اس عہد نامہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو کوئی فریق نہیں بنایا بلکہ ایک سرپرست کی حیثیت دی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مرکزی شخصیت تسلیم کیا گیا، اور یہ طے پایا کہ باہمی نزاعات اور جھگڑوں میں آپ کی ذات اقدس کو مرجع تسلیم کیا جائے گا اور اس بارے میں آپ کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا۔ دنیا کی تاریخ میں اس عہد نامہ کو یہ اہمیت دی گئی کہ اسے ''دنیا میں بنیادی حقوق کی سب سے بڑی بنیادی دستاویز'' قرار دیا گیا۔ اس دستاویز کی رو سے آپ کو مدینہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کا سربراہِ مملکت تسلیم کر لیا گیا اور تمام سیاسی، قانونی، عسکری اور عدالتی اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل گئے اور مدینہ کی ریاست میں ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرے کا قیام ممکن ہوگیا، اور پہلی مرتبہ ایک مرکزی عدالتی نظام وجود میں آیا۔ مدینہ کی اس چھوٹی سی ریاست کو ایک دستوری بنیاد فراہم کر دی گئی۔ مسلمان مدینہ میں اجنبی اور نو وارد تھے، اس معاہدہ سے انہیں معاشرتی اور سماجی حالات میں قدم جمانے کے لیے ایک پر امن فضا مہیا ہوگئی۔ اس معاہدہ نے مدینہ کی ریاست کو ایک حفاظتی حصار فراہم کیا اور گرد و نواح کے قبائل پر مسلمانوں کی برتری کی دھاک بیٹھ گئی، اور گرد و نواح کے قبائل نے مسلمانوں کا دست و بازو بننا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن ہونا شروع ہوگیا۔ یہ سب کچھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذہانت و فطانت، فہم و فراست، بے مثال بصیرت اور نتیجہ خیز حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔

دشمن کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ:

میدان بدر میں جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب تھے تو شام کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور چند اور صحابہ کرامؓ کو قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا تاکہ پتہ چل سکے کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور کون کون عمائدین قریش شریک لشکر ہیں۔ اتفاقاً انہیں دو غلام ہاتھ لگ گئے۔ ان کو لاکر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ ان دونوں غلاموں نے کہا ہم قریش کے لشکر کے لیے پانی لانے نکلے ہیں۔ ہمیں لشکر کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات نہیں۔ صحابہ کرامؓ کو ان دونوں کی بات کا کچھ یقین نہ آیا، اور ان کے ساتھ معمولی سی مار پیٹ بھی کی تاکہ شاید اس خوف سے لشکر کا کچھ حال بتا دیں۔ مار پڑنے پر انہوں نے کہا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ نے ان کو مارنا چھوڑ دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا، اور جب جھوٹ کہا تو انہیں مارنا چھوڑ دیا۔ بخدا! یہ قریش کے آدمی ہیں یعنی ابوسفیان کے ساتھیوں میں سے نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''ان کی تعداد کتنی ہے؟'' انہوں نے کہا: ''بہت ہے،'' مگر ان کی تعداد معلوم نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''روزانہ کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''ایک روز نو اور ایک روز دس۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً فرمایا: ''ہزار اور نو کے درمیان ہیں۔''

بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید یہ پوچھا کہ سردارانِ قریش میں سے کون کون ان کے ساتھ ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری ابن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن اسود، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔'' ان سب سردارانِ قریش کے نام سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''مکہ نے آج اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔''

اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے لشکر کی تعداد اور ان میں کون کون سے سردارانِ قریش شامل ہیں معلوم ہو گئی۔(۱)

معاہدۂ حدیبیہ کی ایک عجیب شرط:

حدیبیہ کے مقام پر قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا۔ ان میں سے اکثر شرطوں سے مسلمان مطمئن نہیں تھے۔ سیدنا عمرؓ جیسے بالغ النظر حضرات بھی پریشان تھے کہ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا جھک کر یہ معاہدہ کیوں کر رہے ہیں لیکن رسالت کی دور رس نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ سوائے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے جو مزاج شناس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اور کوئی نہیں سمجھ رہا تھا۔ یہ معاہدہ دراصل اپنے آپ کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیے وقفہ حاصل کرنا تھا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے تمام مطالبات تسلیم کر کے ان سے صرف ایک یقین دہانی لے لی، وہ یہ کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی جنگ نہ ہو گی۔ اب تک یہ تھا کہ مسلسل حالت جنگ کی وجہ سے دعوت و تبلیغ کا کام مکمل طور پر رکا ہوا تھا۔ جونہی آپ حدیبیہ سے واپس لوٹے تو فوراً دعوت و تبلیغ کا کام عرب اور اطراف عرب میں نہایت تیزی سے شروع کر دیا۔ ابتدائی زمین پہلے ہی تیار تھی۔ اب صرف تخم ریزی کی ضرورت تھی۔ پُرامن حالات نے جو موقع دیا اس میں دعوت کا کام نہایت تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ حلقۂ اسلام میں آنا شروع ہو گئے۔

لیکن اس صلح کی ایک دفعہ جو مسلمانوں پر بہت شاق گزری تھی کہ قریش کا جو شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آئے گا، مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ اور مسلمانوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس جائے گا، قریش اسے واپس نہ کریں گے۔ معاہدۂ کی یہ شق مسلمانوں کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی لیکن حالات کی کروٹوں نے بتا دیا کہ یہ شق بھی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ثابت نہ ہوئی

۱۔ عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/ ۳۸۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۶۱۵، انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۳۵ا، دلائل النبوۃ، بیہقی: ۳/ ۴۲، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۵

بلکہ بہت مفید ثابت ہوئی، کیونکہ کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے مسلمان رہتے ہوئے نہیں بھاگ سکتا تھا کیونکہ مدینہ تو ان کا مرکز ایمان ہے، اور مومن ہوتے ہوئے کوئی شخص بھی مرکز ایمان سے بھاگنے کی کبھی سوچے گا بھی نہیں، وہ صرف مرتد ہوکر بھاگے گا، اور اگر وہ مرتد ہو جائے تو پھر مسلمان معاشرہ کو اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

﴿إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيهِم فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ﴾(۱)

''بے شک جو ہمیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف بھاگا اللہ نے اسے دور کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا۔''

اور جو لوگ مسلمان ہوتے وقت مکہ میں کفار کی ایذائیں سہہ رہے تھے جیسے ابو جندلؓ وغیرہ، تو اگرچہ ان کے لیے اس معاہدہ کی رو سے مدینہ منورہ میں پناہ گزین ہونے کی کوئی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی زمین تو ان کے لیے نہایت کشادہ تھی، وہ اور کہیں جا کر پناہ حاصل کر سکتے تھے، اور مسلمان جہاں بھی جائے گا اپنے ایمان کے نور کو ضرور پھیلائے گا۔ چنانچہ اس بات کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں واضح فرمایا:

''ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی کشادگی اور مخرج نکال دے گا۔''(۲)

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ابو بصیر مشرکین مکہ کی قید سے بھاگ کر مدینہ طیبہ پناہ حاصل کرنے کے لیے پہنچے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامانِ رحمت میں پناہ لینے کے لیے عرضداشت کی۔ قریش کے دو آدمی ان کے پیچھے فوراً مدینہ پہنچے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ معاہدہ کی رو سے آپ نے ابو بصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالے کر دیا اور ابو بصیرؓ سے فرمایا کہ میں معاہدہ کے خلاف نہیں کر سکتا، لہٰذا بہتر ہے کہ تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابو بصیرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور واپس جانے پر بڑی آہ و زاری کی کہ آپ

۱۔ مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب صلح الحديبية: ۲ / ۱۰۵

۲۔ مسلم: ۲ / ۱۰۵

مجھے ان مشرکین کی طرف واپس کر رہے ہیں جو مجھ کو میرے دین اسلام سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ایذائیں دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبصیرؓ کو تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی اور یہ بھی فرمایا: ''امید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری کشادگی اور نجات کی صورت پیدا فرمادے گا۔'' ابوبصیرؓ بادل نخواستہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ واپس ہو لیے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے اور جو کھجوریں ان کے پاس تھیں، وہ کھانے لگے تو ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا کہ ''اے فلاں! میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار کیسی عمدہ ہے۔'' اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا: ''ہاں! واللہ واقعی بہت عمدہ ہے، میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے۔'' ابوبصیرؓ نے کہا: ''ذرا مجھے دکھلاؤ تو، میں بھی تو دیکھوں کیسی ہے؟'' اس احمق نے ابوبصیرؓ کو تلوار دے دی۔ جونہی ابوبصیرؓ نے تلوار پکڑی فوراً ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا شخص بھاگ کر فوراً مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبوی میں گھس گیا اور ہانپتا کانپتا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''خدا کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور میں بھی قتل کر دیا جانے والا ہوں۔''

اتنے میں ابوبصیرؓ بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی ماں کی بربادی ہو! اسے اگر کوئی ساتھی مل جائے تو یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا دے۔'' آپ کے اس ارشاد سے ابوبصیرؓ سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ پھر مجھے مشرکین کے حوالے کر دیں گے، اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ کر قیام پذیر ہو گئے اور اس شاہراہ پر مقیم ہوئے جہاں سے قریش کے کاروانِ تجارت شام کو آتے جاتے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں کو جب ابوبصیرؓ کے یہاں قیام کا پتہ چلا تو وہ بھی راتوں کی تاریکی میں چھپ چھپ کر ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ستر آدمیوں کی ایک جماعت (اور امام سہیلیؒ کے مطابق تین سو آدمی ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۲۰۳) یہاں جمع ہو گئے جن میں ابوجندلؓ بھی تھے۔ اب ان لوگوں نے قریش کے شام جانے والے ہر قافلہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنی شروع کر دی۔ قافلہ والوں کو مار

کر ان کا مال ضبط کر لیتے یہاں تک کہ قریش کے تجارتی قافلوں کا وہاں سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ یہ گویا دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی تھی۔ قریش نے تنگ آ کر کچھ آدمی آپ کی خدمت اقدس میں بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے التماس کرتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس مدینہ بلا لیں۔ اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے۔ گویا معاہدہ کی اس شق کو خود انہوں نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک والا نامہ ابو بصیرؓ کے نام ارسال فرمایا اور اسے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ چلے آنے کو کہا۔ یہ والا نامہ ابو بصیرؓ کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ اس دنیا سے آخرت کو انتقال فرما رہے تھے۔ امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ جب آپ کا والا نامہ ابو بصیرؓ کے پاس پہنچا تو وہ اس کو پڑھتے جاتے تھے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور والا نامہ ان کے سینہ پر تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔ (۱)

سیدنا ابو جندلؓ نے سیدنا ابو بصیرؓ کی تجہیز و تکفین کی اور انہیں اس جگہ دفن کر دیا اور اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کر دی۔ پھر وہ سب آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے کشادگی پیدا فرما دی جو مکہ سے قریش کی ایذاؤں سے بھاگ کر مدینہ آنا چاہتے تھے، لیکن معاہدۂ حدیبیہ کی رو سے مدینہ میں انہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔

معاہدہ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں بھی بھاگ کر مدینہ منورہ پناہ لینے کے لیے آئیں۔ قریش نے معاہدہ کی مدد سے انہیں بھی واپس مانگا لیکن آپ نے ان کے اس مطالبہ کو اس دلیل کے ساتھ مسترد کر دیا کہ معاہدہ کی اس دفعہ میں لفظ ''رجل'' لکھا ہوا ہے جس کے معنی ''مرد'' ہیں۔ یہ لفظ عورتوں کو شامل نہیں کرتا ہے، لہٰذا یہ واپس نہیں جا سکتیں۔ اس دلیل پر قریش کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارے میں آیات نازل فرما دیں جن میں ان کو واپس کرنے سے منع کر دیا گیا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ روض الانف : ۲ / ۲۲۳، عیون الاثر: ص ۱۷۸ ، سیرة ابن هشام: ۲ / ۳۲۳

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو جوامع الکلم عطا فرمانا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصاحت و بلاغت کے کمال کے ساتھ جوامع الکلم بھی عطا فرمائے گئے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ أعطیت جوامع الکلم (۱)

جَوَامِعُ الکَلِمُ کا مطلب یہ ہے کہ جملہ کے الفاظ تھوڑے ہوں لیکن ان میں معانی بہت زیادہ ہوں۔ چنانچہ بیہقی' ابویعلی اور دار قطنی میں جو حدیث آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿أعطِیتُ جَوَامِعَ الکَلِمِ وَاختُصِرَلِی الکَلَامُ اختِصَاراً﴾(۲)

''مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے اور نہایت مختصر کلام مجھے عطا فرمایا گیا۔''

جس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے فصاحت و بلاغت' اور معانی میں ژرف نگاہی اور نہایت مختصر الفاظ میں عبارات کے محاسن عطا فرمائے گئے۔ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اپنے اندر معانی کا سمندر سمیٹے ہوئے ہے اور انہی معانی کی تفسیر و تشریح چودہ سو سال سے مفسرین امت کرتے چلے آرہے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ ؏

ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

پھر کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم جس طرح اپنے اندر ایک اعجازی شان لیے ہوئے ہے اسی طرح آپ بھی مترجم قرآن ہونے کی حیثیت سے اپنے کلام میں ایک اعجاز رکھتے ہیں۔

۱۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد صفہ لیسہ: ۱ / ۱۹۹، مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا، باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۵۱۲

۲۔ زرقانی: ۷ / ۲۲۱

اس بارے میں ایک اور روایت سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ (١)

''میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔''

چند جوامع الکلم کی مثالیں:

ویسے تو آپ کی تمام باتیں ہی جوامع الکلم ہیں لیکن ہم یہاں چند احادیث نقل کر رہے ہیں جن میں مختصر الفاظ میں سمندروں کی گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔

(۱) لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ (٢)

''شراب سے اجتناب کرو کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔''

(۲) اِرْحَمُوا تُرْحَمُوا (٣)

''رحم کرو تاکہ تم پر بھی رحم کیا جائے۔''

(۳) اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ (٤)

''حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔''

(۴) حُبُّكَ الشَّيْئَ يُعْمِي وَيُصِمُّ (٥)

''کسی شی کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔''

۱۔ بخاری، کتاب اطھار والسیر، باب فضل قول الله، رقم الحدیث: ۲۸۱۵، مسلم کتاب الاعتکاف: ۱ / ۳۷۱، نسائی: ۶ / ۳ ،مسند احمد، کتاب الجهاد، حدیث ابی ہریرۃؓ: ۲ / ۲۶۴

۲۔ ابن ماجه، باب الخمر مفتاح كل شی، رقم الحدیث: ۳۳۷۱، مستدرک حاکم: ۱۶۲/۴

۳۔ مسند احمد،حدیث عمر بن العاصؓ، ۲/ ۱۶۵ ، بیھقی شعب الایمان: ۵/ ۴۴۹

٤۔ ترمذی: ۵ / ۵۱، ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الحکمت، رقم الحدیث: ۴۱۶۹

۵۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الھویٰ رقم: ۵۱۳۰،مسند احمد، حدیث ابی درداءؓ: ۱۹۴/۵

(۵) الحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ (۱)

''حیاء سب کی سب خیر ہے۔''

(٦) إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ (۲)

''جب تو حیاء نہیں کرتا تو پھر جو تو چاہتا ہے وہ کر۔''

(۷) الجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الأُمَّهَاتِ (۳)

''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

(۸) خَيْرُ الأُمُوْرِ اَوْسَطُهَا (٤)

''بہترین کام وہ ہیں جن میں میانہ روی ہو۔''

(۹) اَلْجَمَاعَةُ رَحْمَةٌ وَالْفُرْقَةُ عَذَابٌ (٥)

''جماعت اللہ کی رحمت ہے اور تفرقہ ایک عذاب ہے۔''

(۱۰) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ. وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي (٦)

''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہتر ہے، اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔''

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مسلم رقم الحدیث: ۳۷، ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحیاء: ۴ / ۲۵۲، مسند احمد، کتاب العظمت، باب فضائل سیرت: ۴ / ۴۲۶

۲۔ بخاری: رقم الحدیث: ۵۷۶۹، ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحیاء: رقم الحدیث: ۷۹۷، مسند احمد، کتاب الغزواۃ من الافعال، باب فی غزواۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۴ / ۱۲۱

۳۔ کنز العمال، باب الجامن فی بر الوالدین، رقم الحدیث: ۴۵۴۳۹

٤۔ جامع الصغیر: ۱ / ۲۲۴، زرقانی شرح مؤطا: ۴ / ۳۱۶

٥۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث نعمان بن بشیرؓ: ۴ / ۳۷۵

٦۔ ترمذی، کتاب المناقب، باب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رقم الحدیث: ۳۸۹۵، بیہقی: جلد ۴۶۸، ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء: رقم الحدیث ۱۹۷۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے خاتم الانبیاء والمرسلین ہونے کی خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں یعنی تمام انبیاء کے خاتم ہیں۔ جتنے بھی نبی دنیا میں گزرے وہ صرف نبی تھے یا صرف رسول تھے لیکن آپ خاتم الانبیاء والرسل تھے۔ اس لیے وہ آئے اور چلے گئے اور وہ آئے ہی جانے کے لیے تھے لیکن ان سب کے آخر میں ایک آیا اور وہ جانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک رہنے کے لیے آیا کیونکہ اس کے بعد کوئی اور نبی نہیں تھا۔ وہ سب سے آخر تھا اور سب سے اکمل اور افضل تھا۔ چنانچہ اس بارے میں بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ موجود ہیں۔ اور پوری امت کا اجماع ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ:

﴿قَدْ اَخبَرَ اللّٰهُ تَبارَكَ وَ تَعَالىٰ فِيْ كِتَابِهٖ وَرَسُوْلُهٗ صلی اللہ علیہ وسلم فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ اَنَّهٗ لَانَبِيَّ بَعْدَهٗ﴾ (۱)

"اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث متواترہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

آپ کے خاتم النبیین ہونے کی اس امتیازی شان کی وجہ سے وہ دین جو سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ اعلان کیا گیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (۲)

۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/

۲۔ المائدہ: ۳

''یعنی آج تمہارا دین میں نے تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور نگاہ واجب اب ہمیشہ کے لیے دین اسلام کو پسند کر چکی ہے۔''

یہاں دین اسلام کی تکمیل کے لیے دو الفاظ استعمال فرمائے ایک ''کمال'' (Perfection)اور دوسرا ''تمام'' (Completion) یہ دونوں الفاظ نقصان کے مقابلہ میں ہیں' لیکن دونوں میں فرق ہے۔ ''کمال'' اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جب کہ ''تمام'' اجزاء کے لحاظ سے مکمل ہونے کو کہتے ہیں۔ جیسے کسی شخص کی ایک ٹانگ نہ ہو تو وہ شخص ناتمام اور ناقص ہے خواہ وہ کتنا ہی حسین وجمیل کیوں نہ ہو۔ اور اگر اس کے تمام اجزاء اور اعضاء تو پورے اور مکمل ہوں لیکن صورت اچھی نہ ہو' اخلاق بگڑے ہوئے ہوں' خصائل درشت اور ناہموار ہوں تو اس کو بجائے ناتمام کے نامکمل انسان کہا جائے گا۔ آیت بالا میں ان دونوں لفظوں کو جمع کر کے یہ بتایا گیا کہ اب دین اسلام اوصاف خارجیہ اور تمام اجزاء کے لحاظ سے مکمل اور تمام ہے۔ لہٰذا آپ کی بعثت آخری رسول کی بعثت ہے اور آپ قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں اور اب قصر نبوت پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ پہلی نبوتیں خاص خاص قوموں اور خاص زمانہ کے لیے تھیں' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پورے کرہ اغبر (Dusty Sphere) کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اب قیامت تک نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ آپ چونکہ خاتم النبیین کے ساتھ ساتھ رحمتہ للعالمین بھی ہیں' اس وجہ سے اب تمام جہانوں کے لیے رحمت مجسم بھی آپ ہی ہیں۔ اب کسی جدید نبوت کی ضرورت نہیں جو رحمت کی گل پاشی کرے۔

آپ چونکہ خاتم النبیین ہیں اس وجہ سے آپ میں نبوت و رسالت کے لحاظ سے جو اوصاف اور خصائل وشمائل تھے' ان میں بھی آپ خاتم ہیں۔ اس لحاظ سے آپ خاتم الاخلاق بھی ہیں' خاتم العلوم بھی ہیں یعنی دوسرے انبیاء کو جو علوم دیے گئے تھے' وہ سب بدرجہ اتم آپ میں موجود ہیں۔ خاتم الرحمت بھی ہیں یعنی رحمت' اخلاق اور علوم کے جتنے مراتب ہیں وہ سب آپ کی ذات میں ختم ہیں۔ اب کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا

کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی آئے۔ اس لیے کہ نہ تو اب نبوت کی ضرورت رہی اور نہ ہی شریعت کی کیونکہ آپ کی شریعت خاتم الشرائع ہے' اور آپ کا دین خاتم الادیان اور آپ کی کتاب خاتم الکتب یعنی ہر شے کا انتہائی درجہ آپ کو عطا کیا گیا۔

اس شبہ کا جواب کہ ختم نبوت کا مطلب یہ نہیں کہ نبوت منقطع ہو گئی بلکہ ختم نبوت کا مطلب تکمیل نبوت ہے یعنی نبوت کامل اور مکمل ہو گئی' اور کسی شے کے مکمل ہونے کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا کہ وہ آئے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور ستارے چمکنے شروع ہوئے۔ غروب آفتاب کے بعد ایک ستارہ چمکا' پھر دوسرا' پھر تیسرا' پھر ہزاروں اور اربوں ستارے چمکے کہ سارا آسمان جگمگا اٹھا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور چاند بھی اپنے پورے وجود اور پوری روشنی کے ساتھ نکلا ہوا ہے۔ چاند اور کروڑوں اربوں ستارے اپنی پوری روشنی پھیلا رہے ہیں' لیکن رات کا اندھیرا نہیں جاتا۔ اندھیرا موجود ہے۔ دن نہیں ہوتا' وہ چمک دمک پیدا نہیں ہوتی جو دن میں ہوتی ہے۔

آفتاب کے نکلنے کا جب وقت ہوا۔ ابھی نکلا نہیں صرف پو پھٹی تھی۔ پس صبح صادق نے اطلاع دی کہ آفتاب آ رہا ہے۔ یہ خبر آئی تھی کہ اندھیرا غائب ہونا شروع ہو گیا اور دنیا میں چاندنا ہو گیا۔ ایک ہی ستارے نے سارے آسمان کو چمکا دیا' یعنی وہ تو کروڑوں اربوں مل کر روشنی ڈال رہے تھے' لیکن رات کے اندھیرے کو زائل نہ کر سکے اور رات کی رات رہی۔ اور اب صرف ایک ستارہ (سورج) نکلا' اس نے آ کر ساری رات کو دھکیل دیا اور پورے عالم میں اجالا ہو گیا۔ اب اگر آفتاب یوں کہے کہ میں خاتم الانوار ہوں میں نے سارے انوار کو ختم کر دیا۔ سارے انوار میری ذات پر ختم ہیں۔ میرے آنے کے بعد اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں اور نہ اب کوئی نیا ستارا آنے والا ہے' اس لیے کہ میں اتنا کامل و مکمل نور لے کر آیا ہوں کہ اب کسی ستارے کی حاجت نہیں۔ جو موجود تھے ان کا نور بھی ماند پڑ گیا۔ ان کے نور بھی غائب ہو گئے۔ اب وہ نمایاں ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آفتاب نے ستاروں کا نور چھین لیا ہے۔ وہ تو منور ہیں مگر آفتاب کی تیزی اور چمک کے سامنے ان کی چمک ماند

ہے۔ وہ نظر بھی نہیں آتے۔ ایسے وقت میں اگر آفتاب یوں کہے کہ میں خاتم الانوار ہوں' سارے انوار اور چمکیں مجھ پر ختم ہوگئیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب نور کا کوئی ایسا درجہ باقی نہیں ہے کہ اب کوئی اور ستارہ آئے اور نور پھیلائے۔ اب مغرب کے وقت تک (یعنی دن کے ختم ہونے تک) میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ دن ہی ختم ہو جائے۔ یہ جہان ہی ختم ہو جائے' یہ الگ بات ہے' لیکن جب تک یہ دن موجود ہے کسی اور ستارے کی حاجت نہیں' اس لیے کہ تمام انوار میری ذات پر ختم ہو گئے ہیں۔ تو کیا آفتاب کا اپنے کو ''خاتم الانوار'' کہنے کا یہ مطلب ہوگا کہ دنیا سے نور مٹ گیا ور اندھیرا چھا گیا یا یہ مطلب ہوگا نور کے ختم ہونے کا کہ نور کے تمام مراتب ختم ہوگئے یعنی کامل ہو گئے اور اب کسی دوسرے ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری چمک کی حاجت نہیں۔ تو ختم انوار کے معنی قطع انوار کے نہیں بلکہ تکمیل انوار کے ہیں۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ نبوت ایک آسمان ہے' جس پر سب سے پہلے نور کا ستارہ سیدنا آدم علیہ السلام کا چمکا اور اس نے آ کر نور پھیلایا۔ اس کے بعد سیدنا نوح علیہ السلام کے نور کا ستارہ چمکا' پھر سیدنا ابراہیم' پھر سیدنا اسحاق' پھر سیدنا یعقوب' پھر سیدنا یوسف' پھر سیدنا صالح' پھر سیدنا موسیٰ' پھر سیدنا داؤد' پھر سیدنا سلیمان' پھر سیدنا عیسیٰ علیہم السلام کے ستارے آسمان نبوت پر باری باری چمکتے رہے اور ''ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا'' پھر پے در پے انبیاء علیہم السلام آنے شروع ہوئے یعنی باری باری سب پیغمبر آ رہے ہیں۔ گویا آسمان نبوت ستاروں سے بھر گیا لیکن دنیا میں چاندنا نہ ہوا' دن نہ نکلا بلکہ رات ہی رہی۔

پھر آخر میں فاران کی چوٹیوں سے صبح صادق کا طلوع ہوا۔ اس نے خبر دی کہ آفتاب نبوت طلوع ہونے والا ہے۔ ابھی آفتاب آیا نہیں تھا' صرف خبر آئی تھی اور دنیا میں نور پھیلنا شروع ہو گیا۔ ستارے ماند پڑنا شروع ہو گئے۔ آفتاب نبوت نے طلوع ہوتے ہی اعلان کیا کہ اب میں آ گیا ہوں۔ اب کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے۔ میرا نکلنا ہی کافی ہوگا۔ پوری دنیا بلکہ پوری کائنات (Universe) کے لیے اب میں ہی کافی

ہوں۔ میں خاتم النبیین ہوں۔ نبوت ختم ہوگئی یعنی مراتب نبوت میری ذات پر منتہی ہو گئے' کامل اور مکمل ہو گئے' اب کسی کو نبی بنا کر نہیں لایا جائے گا۔ اب میری نبوت غروب آفتاب (قیامت تک) کام کرے گی' یہاں تک کہ یہ دنیا ختم ہو جائے۔ گویا جب تک یہ دنیا قائم ہے' میں آفتاب ہوں۔ میرا نور ہی کافی ہے۔ میرے بعد بڑے بڑے لوگ آئیں گے' لیکن میری نبوت کا نور ہی ان کے راستے میں چمکے گا۔

صحابہ کرامؓ آئیں گے تو ان کے راستے میں میرا نور چمکے گا۔ محدثین آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میری نبوت کا نور چمکے گا۔ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ جیسے فقہاء آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میرا ہی نور نبوت چمکے گا۔ بایزید بسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ جیسے صوفیاء کرام آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میرے ہی علم وتقویٰ کا نور چمکتا ہوگا۔ کسی طبقہ میں میرے اخلاق کا نور نمایاں ہوگا۔ کسی میں میرے تقویٰ' کسی میں میرے اخلاص اور کسی میں میرے زہد کے انوار ہوں گے۔ اور اب صرف میری نبوت قیامت تک کافی ہوگی۔ البتہ آئینے رہیں گے اور ان میں میری نبوت کا نور جھلکتا اور چمکتا رہے گا۔ دنیا کو روشنی ملتی رہے گی۔ اب نبوت کی اس لیے ضرورت نہیں کہ نبوت کے سب درجات میرے اوپر ختم ہو گئے۔ تو ختم نبوت کا یہ مطلب لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا' صحیح نہیں ہے' بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبوت مکمل ہوگئی۔ اب یہی نبوت قیامت تک کام دے گی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ نبوت منقطع ہوگئی۔ دنیا میں اندھیرا پھیل گیا۔ نہ علم رہا اور نہ اخلاق رہے۔ یہ معنی ختم نبوت کے نہیں ہیں بلکہ ختم نبوت کے معنی کمال نبوت اور تکمیل نبوت کے ہیں۔

اب جتنے بھی محدث آئیں گے' مجدد آئیں گے' مجاہد آئیں گے' فقہاء آئیں گے وہ سب پیکر ہوں گے اور ان پیکروں سے محمدی نبوت کا نور ظاہر ہوگا یعنی کمالات نبوت ان پیکروں سے ظاہر ہوں گے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ذات ایسی پیدا فرمائی کہ اس کے انوار و برکات سے پچھلوں کو نبوتیں ملتی چلی گئیں اور اگلوں کو ولایتیں ملتی چلی گئیں۔ پہلے نبی بنتے تھے اور بعد والے ولی بنتے گئے۔ ولایت بھی وہیں سے چلی اور نبوت بھی وہیں سے چلی۔ دوسرے لفظوں میں آپ

ایک نقطہ خیر ہیں کہ گذشتہ انبیاء کی نبوتیں آپ کی نبوت سے مستفیض ہوئیں اور آئندہ آنے والے لوگ آپ کے کمالات سے اولیاء بنتے گئے۔

حاصل یہ نکلا کہ سرکار دو عالم ﷺ صرف نبی اور رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں، اور ختم نبوت کے معنی کمالات نبوت کی انتہا اور تکمیل نبوت کے ہیں۔ گویا آپ کی ذات اقدس کو لا کر نبوت کے تمام مراتب ختم کر دیے گئے۔ اور نبوت کی دو ہی بنیادیں ہیں۔ ایک کمال علم اور دوسری کمال اخلاق۔ علم تو وہ ہے کہ آپ نے خود فرمایا:

﴿اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ﴾

"یعنی اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم مجھے عطا کر دیئے گئے۔"

اور قرآن حکیم نے بھی فرمایا:

﴿وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ، وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾ (۱)

"یعنی (اے نبی!) ہم نے آپ کو ان چیزوں کی تعلیم دی جو آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔"

اور اخلاق کے بارے میں نص قرآنی (Quranic Text) ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (۲)

"اور بے شک آپ خلق عظیم پر ہیں جو انتہائی مرتبہ ہے اخلاق کا۔"

یہی دو بنیادیں ہیں نبوت کی۔ یہ دونوں بنیادیں آپ کو انتہائی عطا فرمائیں۔ اس سے پتہ چلا کہ نبوت بھی آپ کی انتہائی ہے۔ گویا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہی مطلب ہے ختم نبوت کا۔

یہ اس شبہ کا جواب ہے جو منکرین ختم نبوت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ ویسے ختم نبوت کا مسئلہ عقل ونقل کی روشنی میں ایسا ظاہر و باہر مسئلہ ہے کہ ایک معمولی علم و عقل والا انسان بھی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ دنیا میں آدم علیہ السلام سے لے کر مسیح علیہ السلام

۱۔ النساء: ۱۱۳

۲۔ القلم: ۴

تک جتنے بھی نبی اور رسول اس دنیا میں تشریف لائے وہ صرف نبی اور رسول تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ نہ کیا بلکہ ہر ایک نے اپنے بعد کسی نبی کے آنے کی خبر دی، لیکن آخر میں صرف ایک ایسا نبی آیا جس نے یہ کہا کہ میرے بعد نبی تو کوئی نہیں آئے گا صرف قیامت آئے گی۔ اس لیے ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کے بنیادی اور اصولی مسائل میں سے ہے اور چودہ سو سال میں سوائے مدعیان نبوت کے اور کسی شخص کو اس بنیادی مسئلہ میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ قرآن حکیم میں اس بارے میں قریباً ایک سو آیات' دو سو سے زائد احادیث نبویہ اور سینکڑوں ائمہ کے اقوال موجود ہیں جن کو مفتی اعظم پاکستان حضرۃ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ' نے کتابی شکل میں جمع فرما دیا ہے اور جو اپنے موضوع پر ایک نہایت اعلیٰ اور مفید کتاب ہے۔

ختم نبوت کے سلسلہ میں قرآن حکیم میں ایک آیت ''خَاتَمَ النَّبِيِّينَ'' کے نام سے بھی ہے جس میں اس مسئلہ کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾(۱)

''یعنی محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''خاتم النبیین'' استعمال فرمایا جس کا ترجمہ نبیوں کا ختم کرنے والا اور سب سے آخری نبی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

﴿فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ نَصٌّ عَلٰى اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ﴾(۲)

''پس یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اسی صفحہ پر حافظ ابن کثیر نے مزید یہ لکھا ہے کہ

''اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم میں اس بات کی

۱۔ الاحزاب: ۴۰

۲۔ مختصر تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۰۰

خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تا کہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب ہے، مفتری (Slanderer) ہے، دجال (Impostor) ہے اور خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

مفتی بغداد سید محمود آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور آپ کتاب وسنت اور اجماع (Consensus) کی رو سے خاتم النبیین ہیں''۔ (۱)

یہی بات دوسرے مفسرین نے بھی اپنی تفاسیر میں لکھی ہے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر رازی: ۶/ ۵۸۱، تفسیر کشاف: ۲/ ۲۱۵، بیضاوی: ۴/ ۱۶۴، فتح القدیر، شوکانی: ۴/ ۲۸۵

قرآن حکیم کے بعد احادیث نبویہ کا درجہ ہے۔ اس بارے میں دوسو سے زائد احادیث موجود ہیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

(۱) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب کسی نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ آپ ان کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر وفا کرو۔ (۲)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

ا۔ سیاست انبیاء کا کام ہے۔ آج کل ہم نے سیاست کو خیر باد کہہ کر اس کو جو چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں دے دیا ہے، یہ طریقہ انبیاء کے خلاف ہے۔

ب۔ اس امت میں غیر تشریعی نبی بھی نہیں ہوں گے کیونکہ بنی اسرائیل میں اکثر نبی غیر تشریعی تھے۔

۱۔ روح المعانی: ۲۲/ ۳۲

۲۔ بخاری: ۱/ ۴۹۰، مسلم: ۲/ ۱۲۶، مسند احمد: ۲/ ۲۹۸

ج۔ تیسری چیز اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ اب ان غیر تشریعی اور امتی نبیوں کی جگہ آپ کی امت میں خلفاء ہوں گے۔

(۲) دوسری حدیث اس بارے میں یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''بے شک میری امت میں تیس بڑے کذاب (Great Liar) ظاہر ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں۔(۱)

اس حدیث میں سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

ا۔ جھوٹے مدعیان نبوت اپنے کو''امتی نبی'' کہیں گے کیونکہ حدیث میں ''فی امتی'' کے الفاظ ہیں۔ معلوم ہوا کہ اپنے کو''امتی نبی'' کہنے والا بھی کذاب اور دجال ہے۔ اور''امتی نبی' دوسرے لفظوں میں''غیر تشریعی نبی'' ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا غیر تشریعی نبی ہونے کا مدعی بھی دجال اور کذاب ہے۔

ب۔ آپ نے جھوٹے مدعیان نبوت کے کذاب ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے کو نبی گمان کریں گے حالانکہ میں''خاتم النبیین'' ہوں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کے کذاب ہونے کی سب سے بڑی دلیل ان کا دعویٰ نبوت ہے۔

ج۔ تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ''خاتم النبیین'' کا معنی 'آخری نبی ہے' کیونکہ آپ نے اس کا معنی خود متعین فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(۳) ایک اور حدیث ختم نبوت کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اپنا گھر بنایا اور اسے بہت خوبصورت اور عمدہ بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اس گھر کے اردگرد چکر لگاتے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھ دی گئی۔ پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں آخری نبی

۱۔ ترمذی: ۲/ ۱۱۲

ہوں''۔ (سو اس طرح میری بعثت سے قصر نبوت مکمل ہو گیا اور اب اس میں مزید کسی نبی کی کوئی گنجائش نہیں) (۱)

اس مضمون کی چار روایات صحیح مسلم' کتاب الفضائل میں مروی ہیں جن میں مذکورہ بالا الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے ''فَجِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِیَاءَ'' پس میں نے آ کر انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔

۴۔ سیدنا ابو ہریرہؓ ہی سے ایک اور حدیث مروی ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مجھے دوسرے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے

۱۔ مجھے جوامع الکلم عطا ہوئے ہیں۔

۲۔ دشمنوں کے دلوں پر میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے۔

۳۔ مال غنیمت میری شریعت میں حلال کیا گیا۔

۴۔ ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنا دی گئی۔

۵۔ مجھے تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

۶۔ مجھ پر تمام انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (۲)

قرآن و حدیث کی واضح تشریحات کی وجہ سے تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ''خاتم النبیین'' ہیں اور آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اور جو شخص آپ کی بعثت کے بعد دعویٰ نبوت کرے گا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں:

﴿وَكَوْنُهٗ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَصَدَّعَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَاجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْاُمَّةُ فَيَكْفُرُ مُدَّعِی خِلَافِهٖ وَيُقْتَلُ اِنْ اَصَرَّ﴾ (۳)

۱۔ بخاری: ۱/ ۵۰۱، مسلم: ۲/ ۲۴۸، ترمذی: ۲/ ۵۴۴، مسند احمد: ۲/

۲۔ مسلم: ۱/ ۱۹۹

۳۔ روح المعانی: ۷/ ۶۵

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جن پر قرآن ناطق ہے اور آپ کی احادیث اس کو اجاگر کرتی ہیں اور تمام امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ اور اس کے خلاف دعویٰ کرنے والا کافر سمجھا جائے گا اور اگر وہ اصرار کرے تو قتل کر دیا جائے گا۔''

اسی طرح قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: ''جو شخص بھی اپنے لیے دعویٰ نبوت کرتا ہے یا سمجھتا ہے کہ کوئی اسے حاصل کر سکتا ہے اور صفائے قلبی (Purity of heart) سے منصب نبوت پا سکتا ہے جیسا کہ بعض فلسفیوں اور نام نہاد صوفیوں کا دعویٰ ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو نبوت کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن اپنے اوپر نزول وحی کا مدعی ہے' ایسے تمام لوگ کافر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ کیونکہ آپ نے بتا دیا ہے کہ وہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور یہ خبر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی کہ وہ خاتم النبیین ہیں' اور وہ تمام کائنات کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ ان الفاظ کا اس ظاہری مفہوم کے سوا اور کوئی معنیٰ نہیں۔ اور اس کے مفہوم میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں' لہٰذا اجماع اور حدیث دونوں کی رو سے ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔'' (۱)

علامہ علی القاریؒ اپنی مشہور کتاب ''شرح فقہ اکبر'' میں لکھتے ہیں کہ:

﴿دَعْویٰ النُّبُوَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم کُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ﴾

''اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ بالاجماع کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ:

''اسی طرح جو یہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سوا مبعوث ہوگا' وہ بھی کافر ہے۔ اور اس

۱۔ الشفاء: ۲ / ۲۷۰

مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف رائے موجود نہیں۔ یہاں تک کہ دو آدمیوں میں بھی"۔(۱)

علامہ ابوشکور سلمیؒ نے لکھا ہے کہ:

"جان لو کہ ہر مسلمان عاقل پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے اور اب بھی وہی رسول ہیں......اور حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء ہیں۔پس حضور علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا سوائے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے جو حضور علیہ السلام سے قبل رسالت اور نبوت کے منصب پر فائز تھے اور وفات ان کے بعد ہوگی......اور جو شخص اس زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جائے گا۔اور جو شخص اس سے معجزہ طلب کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے نص قرآن میں شک کیا ہے"۔(۲)

علامہ ابن نجیمؒ نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ

"جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ مسلمان نہیں کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہے"(۳)

علامہ شہرستانی کے اس حوالہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ مسئلہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے۔اور ضروریات دین کیا ہیں؟ وہ احکام اور عقائد جن کا ثبوت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یقینی طور پر امت کو معلوم ہو گیا اور خاص و عام میں شہرت پکڑ گیا' وہ ضروریات دین اور اصول دین کہلاتے ہیں۔ان ضروریات دین میں سے کسی امر کا اس معنی سے انکار کرنے والا جس معنی سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے' ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا' بلکہ ضروریات دین میں کسی قسم کی کوئی تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔جو شخص ان میں سے کسی امر میں تاویل کرے وہ بھی کافر ہے۔چنانچہ

۱۔ الملل والنحل: ۳/ ۲۴۹

۲۔ التمہید: ۱۰۵

۳۔ الاشباہ والنظائر: ۱۷۹

ملاعبدالحکیم سیالکوٹی فرماتے ہیں:

﴿اَلتَّاوِیْلُ فِیْ ضَرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ لَایَدْفَعُ الْکُفْرَ﴾ (۱)

''ضروریات دین میں تاویل کرنے والا کفر سے بچ نہیں سکتا۔''

علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ ایمان تو یہ ہے کہ تمام ضروریات دین کی تصدیق کی جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ (۲)

چنانچہ اسی وجہ سے امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ:

''جس نے شرائع اسلام (Islamic Laws) میں سے کسی ایک امر کا بھی انکار کیا اس نے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو باطل قرار دے دیا''۔ (۳)

حکیم الامت حضرۃ شاہ ولی اللہ دہلوی موطا امام مالک کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ضروریات دین کا اعتراف تو کرتا ہے لیکن بعض ضروریات دین کی تفسیر صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی تفسیر کے خلاف کرتا ہے جس پر امت نے اجماع کیا ہے، تو وہ زندیق (Innately Atheist) ہے۔ مثال کے طور پر وہ اعتراف کرتا ہے کہ قرآن حکیم حق ہے اور اس میں جو جنت اور جہنم کا ذکر آیا ہے، وہ بھی حق ہے، لیکن جنت سے مراد ابتہاج (Joy) ہے جو ملکات محمودہ (Laudable Proficiencies) کی وجہ سے حاصل ہوا اور جہنم سے مراد صرف مذلت ہے جو ملکات مذمومہ (Contemptible Skills) کے سبب سے حاصل ہوگی اور خارج میں جنت اور جہنم کا کوئی وجود نہیں، پس وہ شخص زندیق ہے''۔ (٤)

۱۔ سیالکوٹی علی الخیالی : ۳۳۲

۲۔ حموی شرح اشباء : ۲۶۳

۳۔ السیر الکبیر : ۴/ ۳۶۵

٤۔ مسویٰ : ۲/ ۱۰۹

علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرتا ہے، وہ زندیق ہے کیونکہ زندیق کی تعریف علماء نے یہ کی ہے:

﴿هُوَ مَنْ يَبْطُنُ الْكُفْرَ وَ يَظْهَرُ الْإِسْلَامَ كَانَ الْمُنَافِقُ﴾

''یعنی زندیق وہ ہے جو کفر کو اپنے اندر چھپائے اور اسلام کو ظاہر کرے، منافق کی طرح۔''

اس تعریف کی رو سے قادیانی جو غلام احمد قادیانی کو نبی یا مصلح یا مجدد مانتے ہیں، یہ زمانہ حال کے زنادقہ کبار میں سے ہیں۔ جو لوگ پہلے مسلمان تھے پھر قادیانی ہو گئے، وہ مرتد ہیں۔ اور جو قادیانی پیدائشی مسلمان ہیں یعنی قادیانی خاندان میں پیدا ہوئے اور پھر اسی عقیدے پر قائم رہتے ہوئے بڑے ہو گئے۔ وہ زندیق ہیں۔ اگر وہ قادیانیت کے داعی اور مبلغ ہوں ان کی توبہ قضاءً مقبول نہیں ہو سکتی، اور اگر داعی اور مبلغ نہ ہوں تو ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔

وہ ختم نبوت، جو ضروریات دین میں سے ہے، اس کے بھی منکر ہیں، یہ بھی ان کے الحاد و زندقہ (Atheism) کی ایک وجہ ہے کیونکہ وہ ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اور اپنے ملحدانہ عقائد کو اسلام بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ان کے زندقہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ صرف اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں اور تمام اہل اسلام کو کافر جانتے ہیں، لہٰذا یہ بہت بڑا زندقہ ہے۔

علاوہ ازیں وہ قرآن واحادیث کی بے شمار نصوص کی تحریف کرتے ہوئے ان سے اپنی گمراہی پر استدلال کرتے ہیں، اور قرآن وسنت کی تحریف سے بڑھ کر اور زندقہ کیا ہوگا۔

نیز وہ شعائر اللہ اور کئی اصول اسلام و خصائص اسلام کی ہتک اور بے حرمتی کرتے ہیں، مثال کے طور پر وہ غلام احمد مرزا کی بیویوں کو امہات المومنین اور اس کے دیکھنے والوں کو صحابہ کہتے ہیں، اور اپنی عبادت گاہوں کو وہ مسجد کہتے ہیں حالانکہ یہ امور خصائص اسلام میں سے ہیں اور یہ اسلام سے استہزاء (Derision) ہے۔ کسی اسلامی مملکت میں کسی کافر فرقہ کو از روئے اسلام یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کا نام دے اور اس میں مسلمانوں کی طرح اذان دے اور اپنے الحاد کی اشاعت

کے لیے اسلامی نام استعمال کر کے تشبہ بالمسلمین کرے۔ یہ اسلام کی سخت بے حرمتی ہے اور اس قسم کی بے حرمتی ایک مستقل زندقہ ہے۔

اور اس بارے میں ایک روایت سیدنا جابرؓ سے بھی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم اگر موسیٰ تمہارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے میرے سوا کسی کی پیروی کرنا جائز نہ ہوتا۔''(۱)

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔(۲)

علامہ طبری نے سیدنا علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جس نبی کو بھی اس دنیا میں بھیجا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ضرور ان پر ایمان لائے اور ضرور ان کی نصرت کرے۔ اور اپنی قوم (امت) کو ان پر ایمان لانے کا حکم دے۔(۳)

یہ احادیث گویا قرآن حکیم کی سورہ آل عمران آیت نمبر ۸۱-۸۲ کی تفسیر ہیں۔

آپ کی بعثت عامہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے بھی نبی ہیں اور اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حیات دنیوی میں تشریف لاتے تو ضرور آپ پر ایمان لاتے۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتی ہے جنہیں حافظ ابن عساکر نے نقل کیا ہے۔

''سیدنا عوف بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ اور میں نے اپنے رب سے پانچویں چیز مانگی تو میرے رب نے وہ بھی مجھے عطا کر دی۔ پہلے نبی کو ایک شہر یا قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور اس سے تجاوز نہیں کرتا تھا اور مجھے تمام

۱۔ مسند ابی یعلی: ۲/ ۲۴۷، بیروت

۲۔ ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۳۳۸، بیروت

۳۔ جامع البیان: ۳/ ۲۳۶، بیروت

لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔'' اسی مضمون کی ایک اور روایت سیدنا ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ (۱)

اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (۲)

حافظ ہیثمیؒ نے بھی سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام جن و انس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔'' (۳)

محدث کبیر علامہ سید انور شاہ قدس سرہ نے اپنی کتاب ''اکفار الملحدین'' میں بڑے شرح و بسط کے ساتھ اس چیز کو بیان فرمایا ہے۔ اہل علم کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مسئلہ ختم نبوت قرآن حکیم کی سو آیات، دوسو سے زائد احادیث نبویہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور ضروریات دین میں سے ہے، لہٰذا اس کا انکار اور اس میں تاویل کفر ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ''ختم نبوت اور قادیانی۔'' از حکیم محمود احمد ظفر

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

۱۔ مختصر تاریخ دمشق : ۲ / ۱۳۴

۲۔ معجم کبیر : ۱۱ / ۱۵، ۶۱، ۱۲ / ۳۱۵

۳۔ مجمع الزوائد : ۸ / ۲۵۸

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی رعب سے نصرت کیا جانا

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو رعب کے ذریعے منصور فرمایا یہ آپ ﷺ کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے، چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ﴾ (۱)

''رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔''

جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ (۲)

''ایک ماہ کے فاصلہ سے میری رعب سے مدد کی گئی ہے۔''

ایک روایت میں ''عَلَى الْعَدُوِّ'' کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ (۳)

یعنی دشمن پر میرا رعب ڈال دیا گیا ہے۔

بعض روایات میں صرف ''نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ'' کے الفاظ ہیں۔ (٤)

۱۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد و صفۃ لبسہ: ۱ / ۱۹۹

۲۔ بخاری، کتاب التیمم: ۱/ ۴۸، سنن کبریٰ بیھقی، کتاب الصلوٰۃ، باب اینما ادرک الصلوٰۃ فصل فھو مسجد: ۲ / ۴۳۳، نسائی: ۱ / ۲۱۰، معجم کبیر، طبرانی: ۸ / ۲۵۷

۳۔ مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳

٤۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ترمذی، کتاب السیر، باب ماجآء الغنیمۃ، رقم الحدیث: ۱۵۵۳، مسند احمد، حدیث ابی ذر غفاریؓ: ۲٦۸ / ۳۹۵، مسند ابی یعلی موصلی: جلد ۱۱ / ۱۷٦

سیدنا ابو ذر غفاریؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، فَيُرْعَبُ مِنِّي الْعَدُوُّ عَنْ مَسِيرَةِ شَهْرٍ﴾ (۱)

"رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے پس ایک ماہ کے فاصلہ پر سے دشمن مجھ سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ یعنی دشمن کے دل میں آپ ﷺ کے نام اور آپ ﷺ کی شخصیت کی ہیبت بیٹھ جاتی ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں جو ایک ماہ کی مسافت کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار اور یہود و نصاریٰ کے مراکز سرکار دو عالم ﷺ سے ایک ماہ کی مسافت پر واقع تھے جیسے عراق اور یمن وغیرہ۔ اس وجہ سے آپ نے "میسرة شھر" یعنی ایک ماہ کی مسافت کا ذکر کیا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ ترمذی کی ایک حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

﴿فَالظَّاهِرُ اخْتِصَاصُهُ بِهِ مُطْلَقاً، وَإِنَّمَا جَعَلَ الْغَايَةَ مِنْهَا شَهْرًا لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ بَلَدِهِ وَبَيْنَ أَحَدٍ مِنْ أَعْدَائِهِ أَكْثَرَ مِنْهُ، وَهَذِهِ الْخُصُوصِيَّةُ حَاصِلَةٌ لَهُ عَلَى الْإِطْلَاقِ حَتّٰى لَوْ كَانَ وَحْدَهُ بِغَيْرِ عَسْكَرٍ﴾ (۲)

"ظاہر بات یہ ہے کہ رعب کی صفت آپ کے ساتھ مطلقاً خاص تھی، ایک ماہ کے فاصلہ کا ذکر کرنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے شہر آپ کے دشمنوں کے مابین اس سے زیادہ مسافت نہ تھی۔ اور آپ کے رعب کی خصوصیت اس وقت بھی آپ کو حاصل ہوتی جب آپ بغیر لشکر کے تنہا ہوتے۔"

اور امام قرطبیؒ اس پر کچھ اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ

۱۔ مسند احمد، حدیث ابی ذر غفاریؓ: ۵ / ۱۴۵

۲۔ تحفة الاحوذی شرح الترمذی: ۵ / ۱۳۵

انہوں نے صحیح صورت حال کی نقاب کشائی کی ہے۔فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الْغُزَاةَ إِذَا خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِالنِّيَّةِ الْخَالِصَةِ وَضَرَبُوْا بِالطَّبْلِ، وَقَعَ الرُّعْبُ وَالْهَيْبَةُ فِيْ قُلُوْبِ الْكُفَّارِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ فِيْ شَهْرٍ، عَلِمُوْا بِخُرُوْجِهِمْ أَوْلَمْ يَعْلَمُوْا﴾ (۱)

''جب مسلمانوں کے لشکر جہاد کی نیت سے اپنے علاقوں سے نکلنے شروع ہوتے اور طبل جنگ بجتا تو کفار کے دلوں میں اس مہینے میں ایک ماہ کے فاصلے پر رعب و ہیبت طاری ہو جاتی خواہ انہیں ان لشکروں کے نکلنے کا علم ہوتا یا نہ ہوتا۔''

امام قرطبیؒ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رعب کی یہ خصوصیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو بدرجہ خاص موجود تھی لیکن آپ کے جان نثار مجاہدین میں بھی حق تعالیٰ شانہ نے اس خصوصیت کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے منتقل فرمایا تھا۔ چنانچہ وہ بھی جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں پر حملہ کرنے کا ارادہ فرماتے اور اپنے لشکروں کو دشمن کو فتح کرنے کے لیے روانہ کرتے تو ان کا رعب بھی ایک ماہ کی مسافت پر دشمنوں کے دلوں پر طاری ہو جاتا خواہ انہیں ان کے حملہ کے لیے نکلنے کا علم نہ بھی ہوتا۔ اور دشمن کے دلوں میں صرف رعب ہی نہ پڑتا بلکہ اس رعب کے اثرات بھی حاصل ہوتے یعنی مسلمانوں کے لشکروں کو فتح و کامیابی بھی حاصل ہوتی جیسا کہ ابن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔ (۲)

اس کی وجہ بھی بعض کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ ہر پیغمبر اور رسول کے اخلاق و اطوار کے اثرات اس کی امت پر ضرور پڑتے ہیں اور پیغمبر کی خصوصیات بھی اس کی امت میں کچھ نہ کچھ ضرور منتقل ہوتی ہیں۔ ہماری اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی جو مختلف کتابوں میں مروی ہے کہ جب آپ معراج کے موقع پر بیت المقدس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت سے فارغ ہوئے اور مسجد سے باہر تشریف لائے تو

۱۔ قرطبی: ۳/ ۴۲۶

۲۔ فتح الباری: ۶/ ۱۲۸

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک پیالہ پانی کا، ایک شراب کا اور ایک دودھ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبرئیل نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے، اگر آپ شراب کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، اور اگر پانی کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔'' بعض روایات میں ہے کہ شہد کا پیالہ بھی پیش کیا گیا۔ بعض روایات میں دو پیالوں کا ذکر ہے۔

امام قرطبیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْراً مِنْه﴾

''اے اللہ! اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور اس سے بھی بہتر مرحمت فرما۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب دودھ پیو تو یہ کہو

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ﴾

''اے اللہ! اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور اس میں زیادتی بھی عطا فرما۔''

اس دعا میں بہتر کا سوال اس لیے نہیں کیا کہ انسانی غذا میں دودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اور حیوان کی پہلی غذا دودھ ہی بنائی جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے۔ (۱)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین پیالے سدرۃ المنتہیٰ کے بعد واپسی پر پیش کیے گئے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ یہ پیالے دو مرتبہ پیش کیے گئے ہوں۔ (۲)

۱۔ تفسیر قرطبی، زرقانی: ۶ / ۲۷، بخاری: ۶ / ۲۴۰، ۵ / ۲۲۴، مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموات و فرض اصلوٰۃ: رقم الحدیث: ۱۶۸

۲۔ زرقانی: ۶ / ۴۸

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کی عادات و اخلاق کے اثرات امت پر پڑتے ہیں۔

سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شخصیت ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے منزہ اور پاک تھی لیکن اس کی مکمل سادگی کے باوجود جو بھی آپ کو دیکھتا ہیبت نبوت سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا اور جب بھی کوئی جمال نبوت کو دیکھتا تو اس کے جلال کی ہیبت سے تھر تھر کانپنے لگتا۔ اس قسم کے کئی واقعات کتابوں میں مرقوم ہیں۔

سرداران قریش کا مرعوب ہونا:

سردارانِ قریش جب آپ سے ملتے تو اول وہلہ میں آپ سے مرعوب ہو جاتے۔ یہ آپ کی شخصیت کا ایک قدرتی رعب تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ کے دعوتی مشن کے بارے میں گفتگو کی جائے۔ عتبہ نے کہا: ''بھتیجے! اگر تم مال و دولت کے خواہاں ہو تو ہم سب تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ ہم میں سے کوئی بھی مال میں تمہارا مقابلہ نہ کر سکے گا، اور اگر تم کوئی عہدہ یا سرداری چاہتے ہو تو ہم سب آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں، اور اگر حکومت و ریاست کے خواہاں ہو تو ہم تمہیں اپنا حاکم اور بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اور اگر تم کسی حسین و جمیل عورت سے شادی کے طلب گار ہو تو جس عورت سے یا جتنی عورتوں سے تم چاہو ہم شادی کر دیتے ہیں۔ اگر تمہیں کسی آسیب وغیرہ کی شکایت ہے تو ہم تمہارا علاج کرانے کے لیے تیار ہیں۔

عتبہ یہ باتیں سنا کر خاموش ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ابو الولید! کچھ اور کہنا ہے؟'' عتبہ نے کہا: ''نہیں، میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ چکا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اب جو میں کہتا ہوں وہ سنو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ کو اس کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مجھے ان میں سے کسی شی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری مادی دنیا میں سے کسی شی کا خواہاں نہیں۔ اگر تم میری دعوت کو قبول کرو تو تمہارے لیے سعادت کونین کا باعث ہو گی۔ اور اگر تم میری دعوت کو قبول نہ کرو۔ تو میں صبر و تحمل سے کام لوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

سورۃ حم السجدہ کی ۳۸ آیات تلاوت فرمائیں۔

اب یہ آپ کی شخصیت کا رعب اور قرآن حکیم کی ہیبت تھی کہ جب آپ ﷺ نے تلاوت شروع کی تو عتبہ ہمہ تن گوش ہو کر سنتا رہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ سلم اس آیت پر پہنچے۔

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا، فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ﴾ (۱)

''پس اگر وہ روگردانی کریں تو آپ فرمادیں کہ میں تمہیں ایک ایسی کڑک (عذاب) سے خبردار کر رہا ہوں جو عاد وثمود کی کڑک جیسی ہوگی۔''

پہلے تو عتبہ بیٹھ کر آپ کے منہ سے یہ قرآنی آیات سن رہا تھا لیکن جونہی آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو عتبہ تھرا کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ سرکار دو عالم ﷺ کے منہ پر رکھ دیا کہ میں آپ کو اللہ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایسا نہ کریں۔ اس کے بعد وہ واپس قریش کے پاس چلا گیا اور قریش کو جا کر سمجھایا۔ (۲)

اور پھر وہ قریش کے کہنے پر آپ کی خدمت میں نہیں گیا۔

ایک کافر کا ہیبت زدہ ہونا:

ایک مرتبہ سفر کے دوران سرکار دو عالم ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ وہاں ایک بدو جس کا نام کتابوں میں دعثور بن حارث تھا، آنکلا۔ آپ ﷺ نے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکائی ہوئی تھی، اس نے درخت کی شاخ سے وہ تلوار اتاری اور نیام سے نکال کر آپ سے کہنے لگا:

﴿مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟﴾

۱۔ حٰمٓ السجدۃ:۱۳

۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۰۲

''اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔''

آپ نے اونچی آواز سے فرمایا: ''اللہ''

یہ سن کر وہ شخص اس قدر مرعوب اور ہیبت زدہ ہوگیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے نیچے گر گئی آپ ﷺ نے وہ تلوار پکڑ کر اب اس سے فرمایا: ''مجھے اب تم سے کون بچا سکتا ہے؟'' وہ شخص کانپنے لگا اور سامنے درخت سے جا ٹکرایا۔ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا دماغ پاش پاش ہوگیا۔ (۱)

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (۲)

عمیر بن وہب کا مرعوب ہونا:

عمیر بن وہب جمحی اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔ مکہ کے زمانہ میں سرکار دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بہت پریشان کیا کرتا تھا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں میں اس کا بیٹا وہب بن عمیر بھی تھا۔

ایک روز عمیر اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھ کر غزوہ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا، لہٰذا بڑی راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ صفوان بن امیہ نے کہا: ''خدا کی قسم! اب جینے کا کوئی مزہ نہیں کیونکہ زندگی بے لطف ہوگئی ہے۔'' عمیر نے کہا: ''صفوان! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں مدینہ جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔'' صفوان عمیر کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور بولا: ''تم قرض اور بچوں کی فکر نہ کرو، اس کا میں ذمہ دار ہوں۔'' یہ سن کر عمیر نے کہا: ''اچھا میں جاتا ہوں لیکن ان باتوں کا ذکر تم کسی سے نہ کرنا۔'' صفوان نے کہا: ''یہ راز میرے اور تمہارے درمیان ہی رہے گا۔''

عمیر اسی وقت گھر آیا، تلوار صیقل کرائی، اس کو زہر میں بجھایا اور مدینہ کی راہ لی۔ عمیر مدینہ میں پہنچا تو جیسے ہی اس نے مسجد نبوی کے دروازہ کے سامنے اونٹنی بٹھائی۔

۱۔ خصائص کبریٰ، باب ماوقع فی غزوۃ ذات الرقاع من الایات والمعجزات: ۱/ ۳۷۰

۲۔ الاصابہ، باب ماوقع عند کتابہ ﷺ الی کسری: ۵/ ۳۲۸

سیدنا عمرؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کسی ناپاک ارادے سے آیا ہے، یہ تلوار لگائے ہوئے تھا۔ انہوں نے تلوار پر قبضہ کیا اور تلوار کے پرتلہ کو جو اس کی گردن میں تھا کھینچتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ عمیر بن وہب کو سیدنا عمرؓ گریبان سے پکڑے ہوئے اس طرح کھینچتے ہوئے لا رہے ہیں۔ اتنے میں سیدنا عمرؓ نے عمیر کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''عمر! اس کو چھوڑ دو۔'' پھر عمیر سے فرمایا: ''میرے قریب آؤ۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رعب سے عمیر مرعوب ہو کر کانپنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی اور عمیر کو پاس بٹھا کر پوچھا: ''کیسے آئے ہو؟'' عمیر نے کہا: ''میرا بیٹا آپ کے پاس قید ہے، اسے چھڑانے کے لیے آیا ہوں۔'' فرمایا: ''یہ تلوار کیوں حمائل کی ہوئی ہے؟'' عرض کی: یہ تلوار لے تو آیا ہوں لیکن یہ تلوار کس کام کی ہے؟ بدر میں اس نے کیا کام کیا؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''باتیں نہ بناؤ، سچ سچ بتاؤ، کیا تم نے اور صفوان بن امیہ نے حطیم میں بیٹھ کر میرے قتل کا منصوبہ نہیں بنایا تھا؟ کیا تم صفوان سے یہ عہد کر کے نہیں آئے؟ کیا تم اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہیں آئے؟ کیا تم نے میرے قتل کا ذمہ اس شرط پر نہیں لیا تھا کہ صفوان تیرے قرض کی ادائیگی اور تیرے بال بچوں کی خبر گیری کرے؟''

عمیر ابن وہب پر ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا رعب پہلے ہی چھایا ہوا تھا، دوسرے آپ نے جب اس کی اس سازش کو طشت از بام کیا تو وہ لسان نبوت سے یہ بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور بے اختیار ہو کر بولا: محمد! (صلی اللہ علیہ سلم) آپ بے شک ٹھیک کہتے ہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم! صفوان اور میرے درمیان اس بارے میں جو بات ہوتی تھی اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی خبر دی، لہٰذا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ یہ کہہ کر عمیر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''اپنے بھائی عمیر کو اپنے پاس رکھو، اسے

دین کی باتیں بتاؤ اور قرآن حکیم کی تعلیم دو اور اس کا قیدی (بیٹا) چھوڑ دو۔'' چنانچہ صحابہؓ نے اسی وقت اس کے بیٹے وہب کو چھوڑ دیا۔

عمیر جب مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا تو صفوان بن امیہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ عنقریب میں تم لوگوں کو ایک ایسی خوشخبری سناؤں گا جو تمہیں بدر کا صدمہ بھلا دے گی، اور ہر آنے جانے والے سے وہ عمیر کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا، لیکن چند ہی روز بعد اسے خبر ملی کی عمیر تو حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے۔ یہ خبر صفوان پر بجلی بن کر گری۔ وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا اور قسم کھالی کہ عمیر سے نہ تو کبھی بات کروں گا اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچاؤں گا۔

عمیر حلقہ بگوش اسلام ہو کر بہادرانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کا ہر فرد مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا کیونکہ غزوہ بدر کی شکست کے زخم ابھی تازہ تھے، لیکن عمیر کے دل کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کا آغاز کر دیا اور کافی لوگوں کو اسلام کی روشنی سے منور کیا۔ (۱)

والیٔ یمن کے سفیر کا ہیبت زدہ ہونا:

فارس کے بادشاہ خسرو پرویز جس کا لقب کسریٰ تھا، اس کے پاس آپ ﷺ کا مکتوب گرامی سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ لے جانے کے لیے منتخب ہوئے۔ جب یہ خط لے کر کسریٰ ایران کے پاس پہنچے اور اس نے آپ ﷺ کا یہ خط پڑھا تو غصہ میں آ کر اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ ﷺ کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو فرمایا: ''اس نے میرا خط نہیں پھاڑا بلکہ اپنی سلطنت کو پارہ پارہ کیا ہے۔'' پھر وہی ہوا جو پیغمبر اسلام کی زبان سے نکلا تھا۔ خط اس نے تکبر کی وجہ سے پھاڑا تھا کیونکہ حکومت اور تکبر دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس نے خط پڑھ کر متکبرانہ انداز میں کہا کہ میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے اور مجھے ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ (یَکْتُبُ اِلَیَّ بِھٰذَا وَھُوَ عَبْدِیْ)

سرکار دو عالم ﷺ کا خط پھاڑنے کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں مدعی نبوت ہے، اس کے یہاں دو مضبوط و توانا آدمی

۱۔ سیرۃ ابن ھشام: ۱ / ۲۳۴، البدایہ والنہایہ: ۳ / ۳۱۳

بھیجو تا کہ وہ اسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے کسریٰ کے حکم کی تعمیل میں دو آدمیوں کو خط دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جس میں آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہوں۔ لیکن جب وہ دونوں شخص مدینہ پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے اور اپنے آنے کی غرض وغایت بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ وہ کل ملاقات کریں۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور دوسر طرف خسرو پرویز کے خاندان کے اندر خفیہ طور پر ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ چنانچہ خسرو کے بیٹے شیرویہ نے اس رات اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا علم بذریعہ وحی ہوا۔ چنانچہ صبح کے وقت جب باذان کے وہ دونوں آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اس واقعہ کے بارے میں اطلاع دی کہ تمہارا بادشاہ جس نے میری گرفتاری کا حکم دیا تھا رات کو قتل ہو گیا ہے۔ ان دونوں نے اس بات کو غلط کہا۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اسے لکھ دو اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جہاں تک کسریٰ پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رکے گی جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: ''اپنے بادشاہ کو یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیر اقتدار اور زیر حکومت ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا۔'' اس کے بعد باذان کے یہ دونوں آدمی جن میں سے ایک کا نام بابویہ تھا، باذان کے پاس سے چلے گئے اور اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ بابویہ نے اپنے تاثرات اور تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی کہی:

﴿مَا كَلَّمْتُ رَجُلاً قَطُّ أَهْيَبَ عِنْدِيْ مِنْهُ﴾

''میں نے آپ سے پہلے کسی شخص کو آپ سے زیادہ بارعب نہیں دیکھا۔'' (۱)

۱۔ طبری: ۲ / ۲۷۰، البدایہ والنہایہ: ۲ / ۲۷۰، زرقانی: ۳ / ۴۲، محاضرات خضری: ۱ / ۱۳۷، فتح الباری: ۸ / ۱۲۷، خصائص کبریٰ، سیوطی: ۲ / ۱۸

قیصر روم کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرعوب ہونا:

یہ تو یمن کے گورنر کے سفیر کے تاثرات تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو خود قیصر روم بھی مرعوب اور ہیبت زدہ تھا۔ چنانچہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سیدنا دحیہ کلبیؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ لے کر قیصر روم کے پاس آئے تو قیصر اس زمانہ میں فارس پر اپنی فتح یابی کا شکر بجالانے کے لیے حمص سے ایلیا (بیت المقدس) پیدل آیا ہوا تھا۔ سیدنا دحیہ کلبیؓ نے بصریٰ کے رئیس کے توسط سے قیصر کے دربار میں پہنچ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ اس کو پیش کیا۔ (بخاری: جلد ۱ ص ۴) والا نامہ پیش کرتے وقت سیدنا دحیہؓ نے ایک مختصر سی تقریر بھی کی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بخوبی تعارف کرایا۔ قیصر روم اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور ان کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور اسے چوما۔ پھر اسے کھول کر پڑھا اور کہا: ''میں بخوبی غور وفکر کر کے اس کا جواب دوں گا۔'' (۱)

اس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ عرب کے جو لوگ میرے ملک میں آئے ہوئے ہیں ان کو میرے دربار میں حاضر کرو۔ میں ان سے اس نبی کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اتفاق سے ابو سفیان بن حرب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ معاہدۂ حدیبیہ کے تحت عرصۂ امن میں تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ ایلیا میں قیصر روم کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ حضرات اس وقت غزہ میں مقیم تھے۔ قیصر کے آدمی انہیں غزہ سے لے کر آئے۔ دربار میں بڑے بڑے پادری اور راہب موجود تھے۔ خط ملنے سے پہلے ابن ناظور جو ہرقل کا دوست اور ایلیا کا گورنر تھا، اس کا بیان ہے کہ بیت المقدس کے قیام کے دوران ایک روز ہرقل (قیصر روم) سخت پریشان تھا۔ اس کے بعض اراکین سلطنت اور عمائدین حکومت نے اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی۔ ہرقل علم نجوم میں ماہر تھا۔ اس نے بتایا کہ:

''میں نے آج رات ستاروں کو دیکھا تو مجھے پتہ چلا کہ ختنہ کرنے

۱۔ روض الانف: ۲/ ۳۵۵

والوں کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے۔" (۱)

تمام پادری اور راہبوں کی موجودگی میں ہرقل نے ابوسفیان سے جن کو اپنے ساتھیوں سمیت دربار میں بلایا گیا، چند سوالات پوچھے جن کا ذکر بخاری اور دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ ہرقل نے ابوسفیان سے کہا کہ تم میرے قریب آ جاؤ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان پیچھے بیٹھنے والوں سے کہا کہ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اِس کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھ کو جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ بعد ازاں قیصر نے آپ (ابوسفیان) سے مختلف سوالات کیے جس کے انہوں نے بالکل ٹھیک جواب دیئے۔ اس گفتگو کے آخر میں قیصر روم نے کہا:

"جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ سب درست اور صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہوگا۔ میں جانتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے حضور پہنچ سکوں گا تو اس سے ضرور ملاقات کرتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

پھر ہرقل نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ منگوا کر دوبارہ پڑھا۔ جب وہ خط پڑھ چکا تو ہر طرف سے (پادریوں اور راہبوں کی) آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس وقت ہم سب کو باہر نکال دیا گیا۔ باہر آنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

﴿لَقَدْ اَمَرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِی کَبْشَةَ، اَنَّهٗ یَخَافُهٗ مَلِکُ بَنِی الْاَصْفَرِ،
فَمَازِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّهٗ سَیَظْهَرُ حَتّٰی اَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَیَّ الْاِسْلَامَ﴾ (۲)

"ابن ابی کبشہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ تو اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب ان سے قیصر روم بھی ڈرتا ہے۔ اس وقت سے مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت جلد ان پر غالب

۱۔ بخاری: ۱ / ۴، مصنف عبدالرزاق، کتاب المغازی: ۵ / ۳۴۳

۲۔ بخاری: ۱ / ۴، مسلم، کتاب لمغازی، باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ہرقل ملک الشام یدعوالی الاسلام: رقم ۱۷۷۳

آئیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اپنے دل میں بھی اسلام کو داخل فرمادیا۔''

اس روایت سے ایک تو یہ پتہ چلا کہ قیصر روم دل کی گہرائیوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول سمجھتا تھا اور اس کی خواہش بھی تھی کہ وہ آپ پر ایمان لائے لیکن اس کے دربار کے پادریوں اور راہبوں نے جب اس کی اس حالت کو دیکھا تو دربار میں شور مچا دیا۔ اب ہرقل کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ لوگ میری سلطنت ہی مجھ سے نہ چھین لیں۔ دنیا کی اس عارضی بادشاہت کو بچانے کے لیے اس نے خدا کی آخرت کی بادشاہت کو چھوڑ دیا اور ایمان کی برکات اور اس کے ثمرات سے محروم ہو کر دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہو گیا۔ بالآخر یہ دنیوی حکومت بھی کچھ عرصہ کے بعد اس سے چلی گئی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم ہو گیا

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
چو خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اسی لیے کہتے ہیں کہ ''اسلام پسند کوئی اصطلاح نہیں بلکہ اصل بات ''اسلام پابند'' ہے۔ اسلام کو تو قیصر روم ہرقل بھی پسند کرتا تھا۔ برنارڈ شا بھی پسند کرتا تھا، گاندھی بھی پسند کرتا تھا لیکن ایمان لانے کی دولت سے تینوں محروم رہے اور اسلام پابند نہ بن سکے۔ جبکہ یہی مطلوب و مقصود ہے اور جو لوگ اسی مطلوب و مقصود تک پہنچ گئے وہ ابدالاباد تک امر ہو گئے۔

سیدہ قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا کا مرعوب ہونا:

سیدہ قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خضوع و خشوع کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں آپ کے روئے اقدس کی ہیبت کو برداشت نہ کر سکی اور خوف کے باعث تھر تھر کانپنے لگی۔ ایک صحابی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اس نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اس مسکینہ پر تو لرزہ طاری ہو گیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف دیکھے بغیر فرمایا، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿یَا مِسْکِینَۃُ عَلَیْکَ بِالسَّکِینَۃِ﴾(۱)

''اے مسکین عورت! اطمینان کولازم پکڑو۔''

ابو داؤد اور ابن ماجہ میں روایت ہے۔سیدنا ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی مجلس میں ہم حاضر تھے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے گفتگو فرمائی۔آپ کی ہیبت اور رعب سے وہ لرزہ براندام ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿هَوِّنْ عَلَیْکَ فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِکٍ، إِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَیْشٍ کَانَتْ تَأْکُلُ الْقَدِیْدَ﴾

''اطمینان خاطر رکھو، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی اس خاتون کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔''

سیدنا یزید بن اسودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حجۃ الوداع کی سعادت حاصل کی۔ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور نماز کے اختتام کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے۔اچانک لوگوں کے پیچھے آپ کو دو آدمی نظر آئے۔جنہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا۔وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم دونوں نے جماعت کے ساتھ نماز کیوں نہیں ادا کی؟ انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے خیموں میں نماز پڑھ کر یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا۔اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے خیمہ میں نماز پڑھ کر آئے اور دیکھے کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ بھی جماعت میں شریک ہو جائے اور یہ اس کی نفل نماز ہو جائے گی۔

امام ترمذیؒ نے شمائل میں سیدنا علیؓ کا ایک جملہ نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شخصیت میں نور نبوت کی کس قدر ہیبت تھی۔فرماتے ہیں۔

۱۔ سبل الھدیٰ والرشاد: ۷/ ۱۷۱

﴿مَنْ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَدِيْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَتَهُ' اَحَبَّهُ﴾

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کو اچانک دیکھ لیتا وہ آپ کی ہیبت سے خوفزدہ ہو جاتا اور جو پہچان کر آپ ﷺ سے ملتا وہ آپ ﷺ کا گرویدہ ہو جاتا۔''

یہ بھی آپ کی نبوت کے رعب اور ہیبت کا اثر تھا کہ جو شخص آپ کی مجلس میں بیٹھ جاتا وہ نہ تو کوئی حرکت کرتا اور نہ ہی آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھ سکتا تھا کیونکہ آپ کے چہرۂ انور کا جلال اتنا تھا کہ کسی کی نظر وہاں نہ ٹھیرتی تھی۔ چنانچہ سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم بارگاۂ نبوت میں بیٹھا کرتے تو ہم اس طرح بے حس وحرکت ہو کر بیٹھتے جیسے ہمارے سروں پر کوئی پرندہ بیٹھا ہے کہ اگر ہم نے ذرا سی بھی حرکت کی تو وہ اڑ جائے گا۔ ہم میں کسی کو آپ کی مجلس میں یارائے تکلم نہ ہوتا تھا بلکہ سب سر جھکائے ساکت وصامت بیٹھے رہتے، البتہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ''هَابَا اَنْ يُّكَلِّمَاهُ'' وہ بھی آپ ﷺ کی مجلس میں بات کرنے سے خوف زدہ ہو جاتے۔

امام مسلمؒ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے بارے میں روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مجھے اور کوئی محبوب نہ تھا اور نہ ہی میری نگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ کسی کا رتبہ تھا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ مجھ میں یہ طاقت نہ تھی کہ میں نظر بھر کر رسول اللہ ﷺ کو دیکھ سکوں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مجھے کہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کروں تو میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے پوری زندگی کبھی نظر بھر کر سرکار دو عالم ﷺ کو نہیں دیکھا۔

اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ایسی ہیبت اور ایسا جلال القاء کیا تھا کہ کوئی آپ کے رخ انور کو دیکھنے کی جراٴت نہیں کر سکتا تھا۔ (۱)

۱۔ یہ تمام روایات سبل الھدی والرشاد مولفہ محمد بن یوسف الصالحی: ۷/ ۱۷۴-۱۷۷ سے منقول ہیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے تمام زمین کو سجدہ گاہ بنایا جانا

اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے سجدہ گاہ اور پاک بنا دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿جُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضَ مَسْجِداً وَ طَهُوراً﴾ (۱)

''تمام روئے زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک بنا دیا گیا۔''

آپ سے قبل جتنے پیغمبر اور امتیں گزریں ان کی عبادت کے لیے مخصوص جگہیں تھیں، لیکن آپ کو اور آپ کی امت کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ جہاں بھی انہیں نماز کا وقت آجائے وہ وہیں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں سیدنا جابرؓ سے روایت ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس روایت میں دو چیزوں کو جمع کیا گیا۔ ''مسجد'' اور ''طہور''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی انبیاء ایسے بھی گزرے ہیں جن کے لیے ہر قطعہ زمین سجدہ گاہ تھی جیسے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام۔ وہ زمین میں سیاحت کرتے رہتے تھے اور جہاں بھی انہیں نماز کا وقت آجاتا وہ نماز ادا کر لیتے، لیکن یہ دو چیزیں مسجد اور طہور کسی نبی کے لیے جمع نہیں ہوئیں۔

امت محمدیہ سے قبل یہود و نصاریٰ کی دو بڑی امتیں گزری ہیں اور آج بھی دنیا میں ان کا وجود ہے لیکن ان کے لیے ان کی مخصوص عبادت گاہیں قائم ہیں۔ وہ اپنی عبادت انہی مخصوص عبادت گاہوں میں کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے ان مخصوص مقامات

۱۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ: ۱/ ۱۹۹

کے علاوہ دوسری جگہ عبادت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح طہارت اور وضو کے لئے انہیں پانی کی اشد ضرورت ہے۔ یہود کے لئے تو ازالہ نجاست کے لئے جاری پانی درکار ہوتا تھا لیکن امت محمدیہ کے لئے ساری زمین کو پاک بنایا گیا۔ اگر انہیں پانی نہ ملے تو وہ زمین کی مٹی سے تیمم کر کے جہاں چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (۱)

اس سلسلہ میں احادیث کی کتابوں میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی۔ تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور طہارت کا ذریعہ (یعنی تیمم) بنا دی گئی ہے سو میری امت کا جو شخص بھی نماز کو حلال کر دیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔ اور مجھے شفاعت کبریٰ (Major Intercession) عطا کی گئی ہے، اور ہر نبی خصوصی طور پر اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔'' (۲)

اس حدیث کا امام بغوی نے شرح السنہ جلد ۷ ص ۵ اور امام دارمی نے اپنی مسند میں بھی روایت کیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''مجھے چھ چیزوں میں تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ میری رعب سے مدد کی گئی، میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا، تمام روئے زمین کو میرے لیے

۱۔ زرقانی : ۷ / ۲۳۔ ۲۳۱

۲۔ بخاری، کتاب التیمم: ۱ / ۴۸

طہارت کا ذریعہ اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا، مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔"(۱)

اسی مضمون کی روایت کو مسند احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ ہیثمیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔(۲)

امام احمدؒ نے اس حدیث کو سیدنا ابو ذرؓ سے بھی روایت کیا ہے۔(۳)

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ بخاری، کتاب التیمم: ۱ / ۴۸

۲۔ مجمع الزوائد: ۸ / ۲۵۸، بیروت

۳۔ حدیث ابی ذرؓ: ۵/ ۱۶۱

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دینا

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مال غنیمت (Booty) کو حلال قرار دیا گیا جب کہ آپ سے قبل جتنے انبیاء گذرے ہیں ان کے لئے یہ حلال نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ﴾ (۱)

''میرے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا۔''

غنیمت کس کو کہتے ہیں؟ غنیمت کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا بغیر محنت اور مشقت کے حاصل ہونا، علامہ ابن اثیر جزری فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر حربیوں کا جو مال حاصل کیا ہو اس کو غنیمت کہتے ہیں۔ (۲)

ملک العلماء کاسانی فرماتے ہیں: جو سامان اہل حرب کو مغلوب کر کے حاصل کیا جائے وہ سامان ہمارے نزدیک مال غنیمت ہے۔ اور زور اور غلبہ صرف قوت جنگ سے متحقق ہوتا ہے، یا تو حقیقتاً قوت جنگ ہو یا حکماً ہو اور وہ امیر کی اجازت ہے۔ (۳)

امام مسلمؒ اور بخاریؒ نے سیدنا ابو ہریرہؓ سے حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذٰلِکَ بِأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی رَأٰی ضِعْفَنَا وَ عِجْزَنَا فَطَیَّبَهَا لَنَا﴾ (۱)

۱۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ: ۱/۱۹۹

۲۔ نہایہ: ۳/۳۸۹

۳۔ بدائع الصنائع: ۷/۱۱۷

''پس ہم سے پہلے مال غنیمت کسی امت کے لیے حلال نہیں تھا، لیکن جب حق تعالیٰ شانہ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کا حلال ہونا اس امت کی خصوصیت ہے اور اس کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوئی اور اسی کے بارہ میں قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (۲)

''جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کو کھاؤ در آں حالیکہ وہ حلال اور طیب ہو۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے اور یہ حدیث صحیح میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے۔ نیز امام بخاریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ غزوہ بدر سے دو ماہ پہلے سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کی قیادت میں جو لشکر روانہ کیا گیا تھا اس سے پہلا مال غنیمت حاصل کیا گیا تھا۔ ان میں تطبیق کچھ اس طرح ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ کے مال نیمت کی تقسیم کو مؤخر کر دیا تھا اور غزوۂ بدر سے واپسی کے بعد آپ نے غزوہ بدر کے مال غنیمت کے ساتھ اس مال کو بھی تقسیم کیا تھا۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۴۴۰ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ امتوں میں مسلمان جہاد کرتے تھے اور مال غنیمت کو حاصل کرتے تھے لیکن انہیں اس میں تصرف کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ اس کو ایک جگہ اکٹھا کر کے رکھ دیتے تھے، اوران کے جہاد کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اس مال غنیمت کو کھا لیتی تھی۔ اور آگ کا نازل نہ ہونا اس جہاد کی عدم مقبولیت کی علامت تھی۔ اس عدم مقبولیت کی ایک اور وجہ اس مال غنیمت میں خیانت کرنا بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت

۱۔ مسلم: حدیث نمبر ۴۴۴۰

۲۔ انفال: ۶۹

پر اپنا فضل اور احسان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی برکت بلکہ خصوصیت سے اس امت پر مال غنیمت کو حلال کر دیا، اور اب اگر کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور آسمانی آگ کی وجہ سے اس کی شرمندگی اور رسوائی نہیں ہوتی۔ مال غنیمت میں صرف مال ہی نہیں قیدی بھی شامل ہوتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ انہیں بھی کھا جاتی تھی لیکن یہ بات بعید از عقل ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آگ بچوں اور جنگ نہ کرنے والی عورتوں کو بھی کھا جاتی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مستثنیٰ ہوں۔ اور ان کے استثناء کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے لونڈی اور غلام ہوتے تھے۔ اگر جنگوں میں ان کے قیدی نہ ہوتے تو لونڈی اور غلام کیسے ہوتے۔ البتہ اس میں ایک اشکال ہے کہ ان کی شریعت میں چور کو بھی غلام بنالیا جاتا تھا اس لیے لونڈیوں اور غلاموں کا ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ قیدیوں کو باقی رکھا جاتا ہو۔ (۱)

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ گذشتہ امتوں میں مال غنیمت کو آگ اس لیے کھا جاتی تھی تاکہ ان کا جہاد مال غنیمت کے لیے نہ ہو بلکہ خالص اللہ کے لیے ہو اور اس امت پر مال غنیمت اس لیے حلال کیا گیا ہے کہ اس امت میں ان امتوں کے مقابلہ میں خلوص غالب ہے۔ (۲)

مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن مرغینانیؒ فرماتے ہیں: امیر لشکر مال غنیمت کو تقسیم کرے گا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے لشکر میں تقسیم کردے گا۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: "فان للہ خمسہ" یعنی مال غنیمت کا خمس اللہ کے لیے ہے۔ اور باقی چار حصے لشکر میں تقسیم کرنے کی اصل یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مال غنیمت کے چار حصے لشکر میں تقسیم کر دیئے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑ سوار کو دو حصے دیئے جائیں گے اور پیدل کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے یہ کہا ہے کہ گھوڑ سوار کو تین حصے دیئے جائیں گے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ کی

۱۔ فتح الباری: ۶/ ۲۲۳

۲۔ عمدة القاری، کتاب الجہاد، باب قول النبی ﷺ احلت لکم الغنائم: ۱۵ / ۴۴

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑ سوار کو دو حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ۔ نصب الرایہ میں یہ روایت مجمع بن جاریہ انصاریؓ سے، طبرانی میں مقداد بن عمروؓ سے اور سنن ابن مردویہ میں سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے۔(۱)

نبی اکرم ﷺ کا قول ہے کہ "لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وِلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ"، یعنی گھوڑ سوار کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ ہے۔(۲)

غلام، عورت، بچے اور ذمی کو مال غنیمت میں سے پورا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ البتہ ان کو تھوڑا حصہ دیا جائے گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ عورتوں، بچوں اور غلاموں کے لیے مال غنیمت کا حصہ نہیں نکالتے تھے بلکہ ان کو تھوڑا سا مال دے دیتے تھے۔ اور جب نبی اکرم ﷺ یہودیوں کے خلاف یہودیوں سے مدد حاصل کرتے تو ان کو مال غنیمت میں سے کچھ نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کے اہل نہیں۔ اور بچے اور عورتیں جہاد کرنے سے عاجز ہیں اسی وجہ سے ان پر جہاد فرض بھی نہیں ہے اور غلام مولیٰ کے تابع ہے اور وہ اس کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں کرسکتا۔ البتہ ان کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے تھوڑا سا مال دیا جائے گا۔(۳)

علماء نے لکھا ہے کہ پہلی امتیں جب جہاد کرتیں اور جو مال غنیمت ان کو حاصل ہوتا اس کا کھانا ان کے لئے حلال نہیں تھا اور نہ ہی اس میں تصرف کرنا ان کے لئے جائز تھا۔ چنانچہ اس تمام مال غنیمت کو اکٹھا کیا جاتا اور آسمان کی طرف سے آگ آتی اور اس کو جلا کر راکھ کر دیتی اگر اس مال میں کوئی چوری اور خیانت نہ کی گئی ہوتی۔ لیکن اگر خیانت کی گئی ہوتی تو پھر کوئی آگ آ کر اس وقت تک اس کو نہ جلاتی جب تک کہ خائن خیانت شدہ مال واپس نہ لوٹاتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ اور آپ کی عاجز اور ضعیف امت کے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ یہاں تک کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا رزق جہاد کے گھوڑوں کی پیشانیوں میں رکھا گیا ہے۔

۱۔ نصب الرایہ : ۳ / ۴۱۶

۲۔ ھدایہ اولین: ص ۵۵۲

۳۔ ھدایہ اولین: ص ۵۵۵

خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ گذشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب کسی دشمن پر حملہ کر کے اس پر فتح حاصل کرتے اور دشمن کا جو مال ان کے قبضہ میں آتا تو وہ غنیمت کے اس مال کا خمس (پانچواں حصہ) الگ کرتے تھے، اور آگ اتر کر اس کو کھا جاتی، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿أُمِرْتُ اَنَا اَنْ قَسِّمْهَا فِي فُقَرَآءِ أُمَّتِي﴾ (۱)

''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس مال کو اپنی امت کے فقراء پر تقسیم کروں۔''

معلوم ہوا کہ مال غنیمت کا حلال ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ آپ سے قبل دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ حلال نہیں تھا۔ چنانچہ بخاری میں حدیث ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿أُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي﴾ (۲)

''میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔''

اسلام کی سب سے پہلی جنگ ''غزوہ بدر'' سے جب آپ مظفر ومنصور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ کی اس فتح سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے کیونکہ اس فتح نے پورے علاقہ میں آپ کی دھاک اور ہیبت بٹھا دی۔

بدر میں بہت سا مال غنیمت آپ کے ہاتھ لگا۔ اب سب سے پہلے مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اس سے قبل مال غنیمت کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی، اس وجہ سے مال غنیمت کی تقسیم میں کچھ اختلاف واقع ہو گیا۔ نوجوانوں کا کہنا تھا کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم نے اپنے زور بازو سے کافروں کو قتل کیا ہے۔ عمر رسیدہ حضرات نے چونکہ قتل وقتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا تھا، لیکن ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مال

۱۔ سنن کبریٰ بیهقی، کتاب الصلوٰة، باب اینما ادرکت الصلوٰة فصل فهو مسجد: ۲ / ۴۳۳، مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوة، باب عموم بعثة صلی اللہ علیہ وسلم: ۸/ ۲۵۸

۲۔ بخاری، کتاب التیمم: ۱ / ۱۲۸، بیهقی، کتاب قسم الفیٔ والغنیمة: ۶ / ۲۹۱

غنیمت میں ہمیں بھی حصہ دیا جائے کیونکہ اس فتح میں ہماری منصوبہ بندی اور پلاننگ (Planning) کو بھی دخل ہے اور جو جماعت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھی، وہ بھی مال غنیمت کی طالب تھی۔

اسلام کے قبل جیسا کہ بتایا گیا ہے کسی امت میں جہاد کی فرضیت کے بعد مال غنیمت جائز نہیں تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَمْ تُحِلَّ الْغَنَائِمُ لِسُوْدِ الرُّؤُسِ غَيْرِنَا﴾

''ہمارے سوا کسی کالے سردار کے لیے غنیمت حلال نہیں کی گئی۔''

مال غنیمت سب سے پہلے آپ کی امت کے لیے جائز اور حلال قرار دیا گیا جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایات سے گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا:

﴿يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ، قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

''آپ سے یہ لوگ مال غنیمت کے حکم کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، اور اللہ کا رسول اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے اس کو جس طرح مناسب سمجھے تقسیم کر دے۔ چنانچہ آپ نے یہ مال تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ (۱)

اس آیت کے نزول نے مال غنیمت کا مطالبہ کرنے والے صحابہ کرامؓ کی نہ صرف گردنوں کو اس حکم کے سامنے جھکا دیا بلکہ ان کے دل بھی جھک گئے۔ اور جس مال غنیمت پر وہ اختلاف کا شکار تھے اس کی ایک ایک شی انہوں نے بارگاہ نبوت میں لا کر پیش کر دی۔ نہ کوئی تلخی تھی اور نہ کوئی ناگواری بلکہ خوشی اور مسرت کے ساتھ وہ احکام الٰہی کی تعمیل کر رہے تھے۔

امام بخاری وغیرہ کا مسلک ہے کہ بدر کے مال غنیمت میں سے خمس بھی نکالا گیا۔ (۲)

بعض روایات میں ہے کہ غنائم کی تقسیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفرا کے مقام پر کی

۱۔ زرقانی: ۱/ ۴۴۹، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۳۰۱

۲۔ البدایہ والنہایۃ: جلد ۳ ص ۳۰۱۔ ۳۰۳

اور بعض میں ہے کہ مدینہ منورہ میں کی۔ اس مال غنیمت میں سے آپ نے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا جو آپ کے حکم کے تحت بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ اسی غزوہ بدر کے مال غنیمت میں سے ایک تلوار بھی تھی جس کا نام ''ذوالفقار'' تھا۔ یہ تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب فرمائی۔ (۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ طبقات ابن سعد: ۷/۳٦۰، ۲/۲۷۲

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے ذنب معاف فرما دیئے۔ اور آپ کی کلی مغفرت کا اعلان فرما دیا جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا، لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا، وَ یَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا﴾(۱)

''بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (خلاف اولیٰ) سب کام معاف فرما دے اور اپنی نعمت آپ پر پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت قدم رکھے اور اللہ تعالیٰ آپ کی قوی مدد فرمائے۔''

قرآن حکیم میں مغفرت (Absolution) کا یہ کلی اعلان رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کے لیے نہیں کیا گیا اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی کلی مغفرت قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں۔ اسی وجہ سے قیامت کے روز تمام انبیاء اور مرسلین نفسی نفسی پکاریں گے اور آپ کو اپنی امت کی فکر دامن گیر ہو گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس روز تمام نبی اور رسول شفاعت سے گریز کریں گے اور صرف آپ ہی کو شفاعت کبریٰ کا مقام حاصل ہو گا۔ آپ کی یہ خصوصیت صرف اسی وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ کے مغفرت

۱۔ الفتح:۳

ذنوب کے اس تعلق کو آپ کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بھی اس کلی مغفرت کو اپنی خصوصیت قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک روز باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں آپ کو عطا فرمائی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا۔

(۲) مجھے جنوں کے لیے بھی نذیر بنایا۔

(۳) داؤد علیہ السلام کو زبور، موسیٰ علیہ السلام کو تورات اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی اور حالانکہ میں امی ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے کلام سے نوازا۔

(۴) اور میرے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (خلاف اولیٰ) کی مغفرت کر دی گئی۔(۱)

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں ایک عظیم خصوصیت قرار دیا ہے چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ کا یہ قول " لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ " (اَلَّتِي لَايُشَارَ كَهُ فِيهَا غَيْرُهُ) کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص کے کسی عمل کے ثواب کے بارے میں کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا کہ اس کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب بخش دیے گئے ہیں، اور اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بہت عزت افزائی، عظمت اور فضیلت ہے۔(وَهٰذَا فِيهِ تَشْرِيفٌ عَظِيمٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم)(۲)

ایسا ہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے لکھا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جملہ خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب (خلاف اولیٰ) بخش دیے گئے ہیں۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سرکار دو

۱۔ خصائص کبریٰ: ۲ / ۱۸۸، علامہ سیوطی رحمہ اللہ

۲۔ تفسیر ابن کثیر : ۶ / ۳۲۹، بیروت

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں مغفرت کی خبر دے دی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے کسی اور نبی کو یہ خبر نہیں دی۔ اسی وجہ سے تمام انبیاء ورسل قیامت کے روز نفسی نفسی پکاریں گے انتہیٰ۔ اگرچہ تمام انبیاء مغفور ہیں لیکن اور انبیاء علیہم السلام کو خبر نہیں دی گئی۔ اور مغفرت کی تصریح (Clarification) صرف اور صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے متعلق ہر قسم کے غم و اندیشہ سے فارغ ہو کر تسلی کے ساتھ اپنی امت کے گناہوں کی مغفرت اور اس کے درجات کی بلندی و شفاعت میں کوشاں رہیں۔" (۱)

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ "وہ کہیں گے کہ (اس وقت) میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا۔ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ، ان کے تمام اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت ہو چکی ہے۔" (۲)

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلی مغفرت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصوصیت کا اعلان اور اظہار قیامت کے روز سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی تمام مخلوق کے سامنے فرمائیں گے۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی اس خصوصیت کو ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ۔

"مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

(۱) میرے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کر دی گئی۔

(۲) میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا جو مجھ سے قبل کسی نبی کے لیے حلال نہیں تھا۔

۱۔ مدارج النبوۃ: ۱/۱۲۴ - ۱۲۵

۲۔ بخاری: ۲/ ۹۷۱

(۳) میری امت کو تمام امتوں سے افضل قرار دیا گیا۔

(۴) میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور مطہر بنا دیا گیا۔

(۵) مجھے کوثر دیا گیا۔

(۶) اور میری غیب سے مدد کی گئی۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تمہارا پیغمبر قیامت کے روز لواء الحمد (حمد کے جھنڈے) کا مالک ہوگا اور آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔'' (۱)

حافظ ہیثمیؒ نے اس حدیث کے بارہ میں لکھا ہے کہ: اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کی سند عمدہ ہے۔ (۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں اس بارے میں روایت نقل کی ہے۔ (۳)

اور مسند ابی یعلی جلد ۳ ص ۱۵۳ میں بھی سیدنا ابن عباسؓ سے یہ روایت منقول ہے۔

اس سلسلہ میں امام بیہقیؒ نے ایک روایت یہ نقل فرمائی ہے کہ:

''نفل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔'' اس کی تفسیر مجاہدؒ نے یہ بیان کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے نفلی عبادات زائد نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت فرما دی ہے اس لیے آپ فرائض کے علاوہ جو عبادت بھی کرتے ہیں وہ نفلی یعنی زائد از ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ باقی لوگ فرائض کے

۱۔ کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲ / ۱۴۷، بیروت

۲۔ (رواہ البزار واسنادہ جید) مجمع الزوائد، باب فیما خص بہ عمن تقدم صلی اللہ علیہ وسلم: ۸ / ۲۶۹

۳۔ دلائل النبوۃ: ۵ / ۴۸۲

علاوہ جو عبادت بھی کرتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔(والناس یعملون ماسوی المکتوبۃ فی کفارۃ ذنوبھم) لہٰذا لوگوں کی کوئی عبادت نفل نہیں ہے۔عبادت کا نفل (زائد) ہونا صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت ہے۔"(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس خصوصیت کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اعتراف تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور سیدنا عثمان بن مظعونؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج کے گھروں میں گئے اور انہوں نے ان سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت کے بارے میں پوچھا۔ ان کو جب بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا اور کہا کہ کہاں ہم اور کہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تو اگلے پچھلے تمام ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ساری زندگی روزے رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں نے ایسے ایسے کہا ہے؟ فرمایا سنو! بخدا! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور متقی ہوں، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جو شخص بھی میری سنت سے اعراض (Shun) کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔"(۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت (لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ) میں "ذنب" کے کیا معنی ہیں۔ صاحب لسان العرب علامہ ابن منظور نے "ذنب" کا مطلب

۱۔ دلائل النبوۃ، بیھقی، کتاب دلائل النبوۃ، ماجاء فی انصراف النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حجۃ الوداع: ۵/ ۴۸۷، بیروت

۲۔ بخاری: ۲ / ۷۵۷، ۷۱۶، مسلم، کتاب الصیام، باب صحۃ صوم من طلع علیه الفجر وھو جنب: ۱ / ۳۵۳، ۳۵۴ وغیرہ

اثم، جرم اور معصیت (Sin) لکھا ہے۔ (۱)

اور اس کی شرح تاج العروس میں بھی یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ (۲)

اگر چہ لغت میں "ذنب" کے معنی اثم اور گناہ ہے، لیکن اس لفظ کی نسبت جب انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو تو پھر اس سے مراد اجتہادی خطا (Self conceived error) ترک اولیٰ یا کراہیت تنزیہی کا ارتکاب مراد ہوتا ہے کیونکہ تمام انبیاء اور رسل معصوم ہوتے ہیں بلکہ عصمت ان کے لوازم ذاتیہ میں سے ہے، اس وجہ سے جب لفظ "ذنب" کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو تو پھر اس کے معنی گناہ لینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء کی عظمت اور ادب کے منافی ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے منکرین کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک ذنب سے مراد گناہ نہیں (نہ صغیرہ نہ کبیرہ) بلکہ اس سے مراد خلاف اولیٰ یا ترک افضل امور یا خطاء اجتہادی ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور خصوصی طور پر سرکار دو عالم ﷺ اپنے مقام رفیع واعلیٰ کے اعتبار سے ان کو ذنب خیال کرتے تھے اس وجہ سے قرآن حکیم نے بھی یہی لفظ استعمال کیا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اگر چہ اس کے کئی معانی بیان کیے ہیں لیکن پھر یہ معانی بھی بیان کیے کہ:

(۱) اس آیت میں ذنب سے مراد ترک اولیٰ ہے۔

(۲) اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اگلی اور پچھلی زندگی کو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم کر دیا ہے۔ (۳)

علامہ ابو مسعودؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے وہ تمام کام جو ترک اولیٰ تھے۔ وہ معاف کر دیے گئے اور ترک اولیٰ کو آپ ﷺ کے منصب جلیلہ کے اعتبار سے ذنب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (٤)

۱۔ لسان العرب: / ۳۸۹

۲۔ تاج العروس: ۱/ ۲۵۴

۳۔ تفسیر کبیر: ۷/ ۵۳۳

٤۔ تفسیر ابی سعود: ۷/ ۴۳۷

ایسا ہی صاحب روح البیان علامہ اسماعیل حقیؒ نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ترک اولیٰ کی معافی کا اعلان کیا گیا ہے اور ترک اولیٰ (Abandonment of the better) کو آپ ﷺ کے منصب جلیلہ کے اعتبار سے ذنب فرمایا کیونکہ ”حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ“ (ابرار کی نیکیاں مقربین کی سیئات ہیں)(۱)

علامہ سید محمود آلوسیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ذنب سے مراد وہ کام ہیں جو خلاف اولیٰ ہیں اور ان کاموں کو آپ ﷺ کے منصب جلیلہ اور مقام رفیع کے اعتبار سے ذنب کہا گیا ہے۔ اور یہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ذنب سے مراد وہ کام ہیں جو فی نفسہ گناہ تھے اور نہ خلاف اولیٰ تھے، لیکن آپ کی نگاہ معصوم و عالی کے اعتبار سے ان کاموں کو ذنب خیال فرماتے تھے۔ ''ذنبک'' میں ذنب کی جو آپ ﷺ کی طرف اضافت ہے اس میں یہی بات مضمر ہے۔ (۲)

ایسا ہی قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، علامہ نسفیؒ اور دوسرے مفسرین نے لکھا ہے۔(۳)

اگرچہ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں کچھ غیر مقبول اقوال بھی نقل کیے ہیں لیکن غیر مقبول ہونے کی وجہ سے اور انبیاء علیہم السلام کے مقام عصمت(Chastity) کے اعتبار سے وہ سب قابل التفات نہیں ہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت تمام امت کے نزدیک مسلم ہے۔ اور عصمت کا مطلب علمائے لغت کے نزدیک گناہوں سے محفوظ رہنا ہے، چنانچہ امام راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے کہ:

> ''عصمت انبیاء کا مطلب یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ کی خصوصیات کی حفاظت ونگہبانی کرنا، پھر ان کے جسمانی اور روحانی فضائل کی حفاظت کرنا، پھر ان کی مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھنا، پھر ان پر سکینت (Quietitude) نازل کر

۱۔ ملاحظہ ہو روح البیان : ۹ / ۸

۲۔ روح المعانی: ۶ / ۹۱

۳۔ تفسیر مظہری : ۹/ ۳، مدارک التنزیل نسفی: ۴ / ۱۴۴

کے ان کے دلوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو توفیق دینا۔'' (۱)

علامہ مناوی کا یہ قول صاحب تاج العروس نے نقل کیا ہے:

﴿اَلْعِصْمَةُ مَلَكَةُ اِجْتِنَابِ الْمَعَاصِيْ مَعَ التَّمَكُّنِ مِنْهَا﴾ (۲)

''یعنی گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔''

صاحب لسان العرب علامہ ابن منظور نے عصمت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

﴿اَلْعِصْمَةُ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ: اَلْمَنْعُ، وَعِصْمَةُ اللّٰهِ عَبْدُهُ اَنْ يَّعْصِمَهُ مِمَّا يُوْبِقُهُ﴾ (۳)

''یعنی کلام عرب میں عصمت کا معنیٰ ہے روکنا اور محفوظ رکھنا، اور جب اللہ کی عصمت کا بندہ سے تعلق ہو تو اس کا معنیٰ ہے بندہ کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچانا اور محفوظ رکھنا۔''

ایسا ہی علامہ شمس الدین خیالی نے لکھا ہے کہ:

﴿هِيَ مَلَكَةُ اِجْتِنَابِ الْمَعَاصِيْ مَعَ التَّمَكُّنِ فِيْهَا﴾ (٤)

''یعنی گناہوں پر قدرت ہونے کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔''

ملا علی القاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں ملکہ عصمت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شیخ ابو منصور نے کہا ہے کہ عصمت سے مکلّف ہونا زائل نہیں ہوتا یعنی یہ بات نہیں کہ عصمت سے کسی شخص یا اس کے ہاتھوں یا اس کی زبان میں کوئی خصوصیت اور خاصیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر کسی

۱۔ مفردات: ۳۳۷

۲۔ تاج العروس: ۸/ ۹۹

۳۔ لسان العرب: ۱۲/ ۴۰۳

٤۔ حاشیہ خیالی: ۱۴۶

شخص سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو جائے تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلّف کرنا صحیح نہیں ہوگا جس طرح ایک نابینا شخص کو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاتا (کیونکہ اس میں دیکھنے کی قوت ہی نہیں ہوتی اور وہ دیکھ سکتا ہی نہیں) اور رعشہ والے کو سکون سے نہیں روکا جاتا کیونکہ یہ فضول اور تحصیل حاصل ہے۔" (۱)

قاضی عیاضؒ نے بھی جمہور کا نظریہ عصمت ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

﴿اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ مِنْ ذَالِکَ مِنْ قَبَلِ اللّٰهِ مُعْتَصِمُوْنَ بِاخْتِيَارِ هِمْ وَ كَسْبِهِمْ﴾ (۲)

"انبیاء علیہم السلام اپنے کسب و اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔"

ایسا ہی دوسرے علماء نے عصمت کے بارے میں لکھا ہے۔ (۳)

انبیاء علیہم السلام کی اسی عصمت کی وجہ سے امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ:

﴿وَالْمُخْتَارُ عِنْدَنَا اَنَّهُ لَمْ يَصْدُرْ عَنْهُمُ الذَّنْبُ حَالَ النُّبُوَّةِ اَلْبَتَةَ اِلَّا لَاالْكَبِيْرَةَ وَلَا الصَّغِيْرَةَ﴾ (٤)

"یعنی ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں نہ کوئی کبیرہ گناہ صادر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی صغیرہ گناہ صادر ہوتا ہے۔"

اور قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ:

﴿وَالصَّحِيْحُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَنْزِيْهَهُمْ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

۱۔ شرح فقه اکبر : ۱۴۷

۲۔ شفا : ۲/ ۱۲۵

۳۔ شرح مواقف ص ۴۹۸، المسامره ص ۲۹۰، کتاب التعریفات لسید شریف جرجانی ص ۶۵، نبراس ص ۵۳۱ – ۵۳۳

٤۔ تفسیر کبیر: ۱ / ۳۰۲

﴿وَعِصۡمَتُهُمۡ مِنۡ كُلِّ مَا يُوۡجِبُ الرِّيَبَ﴾ (۱)

نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ نے لکھا ہے کہ:

عصمت از صغائر و کبائر ہر دو است عمداً و سہواً، بایں رفتہ اند جمہور۔ (۲)

انبیاء علیہم السلام کبائر اور صغائر دونوں سے عمداً و سہواً (Intentionally and inadvertently) معصوم ہوتے ہیں اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

حجتہ الاسلام امام العصر حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ اس بارے میں اپنے ایک مکتوب میں جو فارسی میں ہے، فرماتے ہیں:

''احقر کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اپنی نبوت سے قبل بھی اور بعد میں بھی کبیرہ اور صغیرہ ہر دو قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ میری یہ نئی رائے اگرچہ بظاہر اکابر کے اقوال کے خلاف نظر آتی ہے۔ لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم سے بہرہ وافر عطا فرمایا ہے، وہ اس مسئلہ کی پوری تنقیح کے بعد انشاء اللہ اس رائے کو اکابر کی رائے کے موافق ہی پائیں گے۔ (۳)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے اعلان نبوت سے قبل اور اعلان نبوت کے بعد کوئی گناہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ صادر نہیں ہوتا اور قرآن و حدیث میں جہاں ان کے کسی فعل پر ذنب کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ اطلاق حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اور اس سے مراد اجتہادی خطا یا خلاف اولیٰ امور مراد ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کو کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم کیوں نہ مانا جائے جب کہ ان کی اتباع (Folllowing) اور اطاعت کو قرآن حکیم نے فرض قرار دیا ہے اور عموم کے انداز میں فرمایا ہے:

۱۔ شفا: ۲ / ۱۲۸

۲۔ بغیته الرائد: ۷۹

۳۔ مکتوب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مندرجه ترجمان السنته: ۳ / ۳۵۵، اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فقہ اکبر ص ۶۹، ضوء المعالی ص ۳۹، شرح المواقف ص ۸۶۹، شرح المقاصد: ۲ / ۱۹۳، شرح المنهاج للبیضاوی: ۳/ ۸ وغیره.

﴿وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾(۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس شے سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔''

گویا کہ انبیاء علیہم السلام کی ہر بات میں اتباع کا حکم ہے۔ اگر انبیاء و رسل گناہوں سے معصوم نہ ہوتے اور ان سے گناہ بھی سرزد ہوتے تو گناہ میں بھی ان کی اتباع ضروری ہوتی جو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کی خلاف ہے۔ منطقی انداز میں اس چیز کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ عصمت انبیاء ''موجبہ کلیہ'' کے حکم میں ہے جس کی نقیض ''سالبہ جزئیہ'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نبی کا ایک قول بھی غلط ثابت ہو جائے یا اس کی کوئی بات مرضی خداوندی کے خلاف ہو تو اس کے تمام اقوال و افعال میں تشکیک کی راہیں پیدا ہو جائیں گی، اور یہ گمان (Suspicion) پیدا ہونا شروع ہو جائے گا کہ شاید نبی اور رسول اور یہ قول بھی واقعات کے خلاف ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی اسی اتباع کی وجہ سے امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ:

''نظر اقتضاء'' آں می کند کہ تاکید وجوب عصمت درحق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام افزوں ازانست کہ درحق ملائکہ زیرا کہ خلق بہ متابعت انبیاء ماموراند، بہ متابعت ملائکہ مامور نیستند۔''(۲)

نظر کا اقتضاء (Exigency) یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عصمت کا اعتقاد ملائکہ کے بارے میں عصمت کے اعتقاد سے زیادہ موکد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو انبیاء کی اتباع اور تابعداری کا حکم دیا ہے نہ کہ ملائکہ کی اتباع کا۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت زیادہ موکد اور اہم کیوں نہ ہو جب کہ ملائکہ میں حق جل وعلا شانہٗ نے مادہ معصیت رکھا ہی نہیں یعنی انہیں غلطی اور گناہ کرنے کی قدرت ہی نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک عنین (Impotent) زنا سے بچا ہوا ہو۔ لیکن یہ اس کا کوئی کمال نہیں۔ کمال اس کا ہے جس میں طاقت رجولیت (Virility) بھی ہو اور زنا

۱۔ حشر: ۷

۲۔ المتعمدفی المعتقد: ۷۳

کے سب اسباب و دواعی بھی مہیا ہوں اور وہ پھر اس فعل بد سے اجتناب کرے۔ چنانچہ ملائکہ کے بارے میں قرآن حکیم میں آیا ہے:

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (۱)

''وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اس میں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ ملائکہ اگر معصیت کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں معصیت کا مادہ ہی نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں توبہ و استغفار کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف تو کی گئی ہے لیکن ملائکہ کی طرف نہیں کی گئی۔ ہاں وہ اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾

''یعنی فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور زمین پر بسنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔''

خود چونکہ ان کا وظیفہ (Duty) تسبیح و تقدیس ہے اور مغفرت کی انہیں ضرورت نہیں، لہٰذا اپنے لیے تو وہ صرف تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے مغفرت طلب کرنا ان کی زندگی کا مشغلہ ہے۔

ان کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت ایک ایسی باکمال عصمت ہے جس میں غضب و محبت، شہوت و عفت اور اس قسم کی دوسری قوتیں موجود ہوتی ہیں، لیکن ان کی بشری قوتیں اتنی مہذب اور شائستہ ہوتی ہیں کہ گناہ اور معصیت کی طرف ان کا ادنیٰ سا میلان بھی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ اگر سوء اور فحشا، گناہ اور معصیت لپک کر ان کی جانب آنے کی کوشش کرتی ہے تو ان کے قلب میں اس کو قبول کرنے کی ایک معمولی سی خواہش بھی پیدا نہیں ہوتی۔ انہیں معصیت کرنے کی قدرت ہوتی ہے لیکن وہ کرتے نہیں کیونکہ ان کے نفوس قدسیہ کو معصیت اور گناہ کی ہر نوع سے طبعی نفرت ہوتی

۱۔ التحریم: ٦

ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت ملائکہ کی عصمت سے بلند تر اور اہم ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب ''اسلام کا تصور نبوت''۔ جب انبیاء علیہم السلام کی عصمت ملائکہ کی عصمت سے بلند تر ہوتی ہے تو قرآن و حدیث میں ان کے بارے میں جہاں جہاں بھی ذنب کا لفظ آیا ہے جیسا کہ سورہ فتح کی مذکورۃ الصدر آیت میں ہے، تو اس سے مراد گناہ اور معصیت نہیں ہوتا بلکہ خلاف اولیٰ اور خطاء اجتہادی مراد ہوتی ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت آپ ﷺ کے گناہوں سے معصومیت کا پروانہ ہے۔ اور اسی وجہ سے قیامت کے روز آپ شفاعت کبریٰ کے مقام پر فائز ہوں گے۔ (۱)

اور اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پانچ نعمتیں عطا فرمانے کا ذکر کیا ہے۔ فتح مبین، مغفرت ذنوب، اتمام نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت قدم رکھنا اور قوی مدد فرمانا (نصراً عزیزاً)۔ اسی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں جب سیدنا عمرؓ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر آپ ﷺ نے پڑھا ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً۔'' (۲)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے لیے فتح مبین کا ذکر کیا، اس کے بعد مغفرت ذنوب، اس کے بعد اتمام نعمت کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ہدایت پر ثابت قدم رکھنے اور غالب مدد (نصر عزیز) کا ذکر کیا۔ اس سے یہ یقین حاصل ہوگا کہ اس آیت سے گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ ان کی نفی کرنا مقصود ہے یعنی آپ کے گناہ ہیں ہی نہیں کیونکہ آپ اگلی پچھلی زندگی میں معصوم ہیں۔'' (۳)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ بخاری: ۲ / ۷۱۹

۲۔ بخاری: ۲ / ۶۰۰

۳۔ مدارج النبوۃ: ۱ / ۷۳

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی کی قسم کھائی۔ ایسی قسم اللہ تعالیٰ نے اور کسی نبی کے بارے میں نہیں کھائی۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (۱)

"(اے محمد!) آپ کی جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہو رہے ہیں۔"

امام سیوطیؒ، امام بیہقیؒ، امام ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے سیدنا ابن عباسؓ اور سیدنا ابو ہریرہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

﴿مَا حَلَفَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِحَيَاةِ اَحَدٍ اِلَّا بِحَيَاةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَعَمْرُكَ﴾ (۲)

"اللہ تعالیٰ نے کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا: "اے محمد! تیری عمر کی قسم"۔

تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حد تعظیم و تکریم فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علاوہ اور کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ (۳)

۱۔ الحجر: ۷۲

۲۔ الدر المنثور: ۴/۱۰۳

۳۔ رقم الحدیث: ۱۲۴۲

کوہ طور اور مکہ شہر کی بھی قسم کھائی گئی؟

اگر چہ اللہ تعالیٰ نے "وَالطُّوْرِ" فرما کر کوہ طور کی قسم بھی کھائی ہے اور "لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ" (البلد:۱) فرما کر مکہ کے شہر کی قسم کھائی ہے۔ ان دونوں قسموں سے بتایا یہ کہ پہاڑوں کی جنس سے جو پہاڑ اللہ کو محبوب ہے وہ طور پہاڑ ہے اور شہر مکہ کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ شہر تو دنیا میں اور بھی بہت سے ہیں لیکن جو شہر اللہ کو پیارا ہے وہ شہر مکہ ہے۔ اور جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی تو یہ بتایا کہ زندگیاں تو اور رسولوں اور انبیاء نے بھی گزاری ہیں، لیکن جس نبی کی گزاری ہوئی زندگی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور حیات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کیوں کھائی؟ اس لیے کہ آپ کی زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ اور شفاف زندگی تھی۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سامنے نمونہ کے طور پر پیش بلکہ آپ کی نبوت پر بطور دلیل کے پیش کیا۔ فرمایا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ، أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (۱)

"پس میں نے تم میں اس سے پہلے اپنی زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے، کیا تم (پھر بھی) عقل سے کام نہیں لیتے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو جس جس شخص نے زیادہ قریب سے دیکھا اتنا ہی وہ جلدی آپ پر ایمان لایا۔ ایک بیوی اپنے شوہر کی زندگی سے جتنا واقف ہوتی ہے اتنا اور کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے خاوند کی خوبیوں اور خامیوں دونوں سے آشنا ہوتی ہے، اس کی عظمتوں اور کمزوریوں کو بھی جانتی ہے۔ ایک مغربی دانشور کارلائل نے لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچا نبی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی بیوی خدیجہؓ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔ چنانچہ جب آپ پر سب سے پہلی وحی کا نزول ہوا تو آپ پر ایک گھبراہٹ اور کپکپاہٹ کی کیفیت پیدا ہوئی، اسی کیفیت میں اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو یہ کیفیت دیکھی تو

۱۔ یونس: ۱۶

پریشان سی ہو گئیں۔ نبوت کے لبوں سے ایک آواز سیدہ کے کانوں میں پڑی۔ ''زملونی، زملونی'' مجھے کچھ اڑھاؤ، مجھے کچھ اڑھاؤ۔ سیدہؓ نے بغیر کچھ کہے اسی وقت آپ کو چادر اوڑھا دی۔ کچھ دیر بعد گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی۔ سیدہؓ نے اس وقت گھبراہٹ کی وجہ اس لیے نہ پوچھی کہ وہ پندرہ سال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہی تھیں کہ اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی گھبراہٹ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کو یقین تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ درپیش ہوا ہے جس سے یہ غیر معمولی گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے اور طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا تو سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نے بلائیں لیں اور پوچھا کیا بات ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار حرا کا پورا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ سیدہؓ نے آپ کی تسلی خاطر کے لیے جو الفاظ فرمائے ان سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہؓ آپ کی زندگی کی خوبیوں اور عظمتوں سے کس قدر آشنا تھیں۔ سیدہؓ نے کہا:

﴿كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا، اَنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِئُ الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ﴾ (۱)

''بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام اور نامراد کر دے اور آپ کی مدد اور نصرت نہ کرے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، تھکے ہارے اور درماندہ انسانوں کو ان کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور ایسی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، بے ٹھکانہ مسافروں کو اپنا مہمان بناتے ہیں اور حق بجانب امور میں معین و مددگار رہتے ہیں۔''

یہ تو بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ طبری وغیرہ میں ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کبھی کسی فاحشہ کے پاس بھی نہیں گئے (مَا اَتَيْتُ فَاحِشَةً قَطُّ) (۲)

۱۔ بخاری مع فتح الباری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱ / ۲۲

۲۔ طبری: ۲ / ۳۰۶

سیدہؓ کا مطلب یہ تھا کہ جب محاسن اخلاق اور پاکیزہ خصائل وشمائل کے اس قدر بوجھ آپ نے اٹھائے ہوئے ہیں تو پھر جو بوجھ نبوت کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور پڑے گا آپ یقیناً اس کو بھی اٹھالیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے! مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔ (۱)

بیہقیؒ نے دلائل میں نقل کیا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے آپ سے تمام واقعہ سن کر فرمایا:

> ''آپ کو مبارک اور بشارت ہو، بخدا! حق تعالیٰ شانہ آپ کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے سوا اور کوئی معاملہ نہیں کریں گے۔ جو منصب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے پاس آیا ہے، اس کو قبول کیجیے، وہ بلا شبہ حق ہے۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔ "فَإِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا" (۲)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ اور حسن اخلاق سے بھری ہوئی زندگی ہی کا نتیجہ تھا کہ جب سیدنا زید بن حارثہؓ کے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں لینے کے لیے آئے اور آپ کو منہ مانگا معاوضہ دینے کی پیش کش کی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اسے بلاتا ہوں، تم اس کو اختیار دینا، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو میں بغیر کوئی فدیہ لیے اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا، اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو پھر میں اس کو چھوڑنے والا نہیں۔'' انہوں نے آپ کی اس تجویز کو منظور کرلیا، اور جب سیدنا زید بن حارثہؓ کو بلا کر پوچھا گیا تو سیدنا زیدؓ نے جواب دیا اور اس جواب سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبنم کی طرح پاکیزہ اور پھولوں کی طرح اخلاق عظیمہ اور اخلاق حسنہ سے مہکتی ہوئی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ فرمایا: ''یا رسول اللہ! اگرچہ یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں لیکن میں آپ کے مقابلہ میں کسی اور کو اختیار نہیں کر سکتا۔'' یہ جواب سن کر سیدنا زیدؓ کے والد اور چچا نے کہا: ''اے زید! تم پر افسوس، تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے

۱۔ سیرۃ ابن هشام : ۱/ ۸۱

۲۔ فتح الباری : ۱۲/ ۳۱۵

ہو۔'' سیدنا زیدؓ نے فرمایا: ''تمہیں اس شخص کے بارے میں کیا پتہ جس کی غلامی میں میں ہوں، اس کریم شخص کی زندگی میں میں نے وہ چیز دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں کسی اور کو اختیار نہیں کرسکتا۔'' (۱)

یہ آپ کی پاکیزہ زندگی ہی تھی جس کو آپ نے اپنے پہاڑی وعظ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کوئی شخص اس کا انکار نہ کرسکا۔ اگرچہ آپ نے تمام نبیوں سے کم زندگی پائی لیکن جب آپ اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو سوا لاکھ سے زائد افراد آپ کے حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جب کہ اور نبیوں کے وعظ و تبلیغ سے ان کی زندگیوں میں صرف چند لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ اور قیامت کے روز بھی اہل جنت کی ۱۲۰ صفوں میں سے اسی (۸۰) صفیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کی ہوں گی۔

پھر آپ کی زندگی کا یہ کرشمہ تھا کہ آپ نے اگر اپنی امت سے پاؤ بھر عمل کا مطالبہ کیا تو خود اس پر سیر بھر عمل کر کے دکھایا۔ گویا کہ آپ کی کتاب زندگی کا باب عمل ایک ایسا بھرپور باب تھا جس نے لوگوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور لوگ آپ کی زندگی میں جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ لوگوں کو اگر دن رات میں آپ نے پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا تو خود پوری زندگی تہجد سمیت چھ نمازیں پڑھتے رہے۔ لوگوں کو صرف رمضان کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا لیکن خود شعبان، رمضان دونوں مہینوں میں روزے رکھے بلکہ وصال کے روزے بھی رکھے۔ لوگوں سے اگر چار بیویوں سے عدل کرنے کا حکم دیا تو خود ایک وقت میں نو بیویوں سے ایسا عدل و انصاف کر کے دکھایا کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

آپ چونکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے تشریف لائے تھے، اس وجہ سے آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ آپ کی امت کے لیے نمونہ بنایا گیا اور قرآن حکیم نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری زندگی میں تم لوگوں کے لیے نمونہ ہے۔''

۱۔ الاصابہ: ۲ / ۴۹۲

اس آیت میں یہ نہیں فرمایا "فی صورۃ رسول اللّٰہ" یا "فی سیرۃ رسول اللّٰہ" یعنی رسول کی صورت تمہارے لیے نمونہ ہے یا رسول کی سیرت تمہارے لیے نمونہ ہے۔ بلکہ رسول ﷺ کی پوری شخصیت لوگوں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی جلال و جمال دونوں کی مجموعہ تھی۔ آپ ایک شوہر بھی تھے، باپ بھی تھے، تاجر بھی تھے، اجیر اور مستاجر بھی تھے، مزدوری بھی آپ نے کی، اپنے کپڑے بھی دھو لیے، جوتے بھی مرمت کر لیے، مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے اینٹ اور گارا بھی اٹھایا، سلطنت کے حاکم بھی ہوئے اور فاتح اور شکست خوردہ بھی بنے، لیکن ہر معاملہ میں آپ نے اپنی کامل اور مکمل زندگی سے لوگوں کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ اپنے عمل کے نمونے بھی لوگوں کے لیے چھوڑے۔ ایسی بے مثال زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ صلہ دیا "لعمرک" یعنی اے محمد! مجھے تیری زندگی کی قسم! اللہ تعالیٰ کا آپ کی زندگی کی قسم اٹھانا آپ کی زندگی کی عظمت و جلالت کو عیاں کرتا ہے۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ

سرکار دو عالم ﷺ جس زمانہ میں معبوث ہوئے وہ بنی نوع انسان کے تمام زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ تھا۔ پھر آپ ﷺ کا اپنا زمانہ آپ کی امت کے تمام زمانوں سے بہتر تھا اور پھر وہ زمانہ جو آپ کے زمانہ کے متصل تھا، پھر وہ زمانہ جو اس سے متصل تھا۔ چنانچہ اس چیز کو سرکار دو عالم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ﴾ (۱)

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا زمانہ جو اس سے متصل ہوگا، پھر وہ جو اس سے متصل ہوگا۔''

اس حدیث کو سیدنا عمران بن حصینؓ نے روایت کیا ہے۔ (۲)

یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے لیکن مفہوم سب روایات کا ایک ہی ہے کہ سب زمانوں سے بہترین میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے

۱۔ الحدیث

۲۔ بخاری، باب فضائل، اصحاب النبی ﷺ: رقم الحدیث: ۳۶۵۱، مسلم، کتاب فضائل صحابہ، باب فضل الصحابہ، رقم الحدیث: ۶۳۵۵، ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجآء فی القرن الثالث، رقم الحدیث: ۲۲۲۷، ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی فضل اصحاب النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۴۶۵۷، نسائی: رقم ۳۸۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۲ / ۱۷۶، مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، رقم الحدیث: ۷۲۰۸، صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: ۷۲۲۹

قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ان روایات میں لفظ ''قرن'' استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ عموماً زمانہ کیا جاتا ہے۔لیکن یہ قرن کتنے عرصہ تک محیط ہوتا ہے،اس کے بارے میں مفسرین اور محدثین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔علامہ فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں ان مختلف اقوال کو نقل کیا ہے۔لیکن امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرن سو سال کا زمانہ ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن بسرؓ سے فرمایا تھا کہ تم ایک ''قرن'' تک زندہ رہو گے،تو وہ سو سال زندہ رہے۔(۱)

مطالعہ اور تحقیق کا شوق رکھنے والے حضرات تفسیر کبیر میں ''قرن'' کی بحث جلد۳ ص ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اور روایت کے الفاظ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین زمانہ کے بارے میں یہ ہیں:

﴿خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ يَجِيْئُ اَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَيَمِيْنُهُ شَهَادَةً﴾(۲)

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں بعد ازیں وہ جو اس کے بعد آئیں گے پھر جو ان کے بعد آئیں گے۔اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا:

۱۔ تفسیر قرطبی: ۶/ ۳۰۳

۲۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم: ۲ / ۳۰۹ ،ترمذی، ابواب الفتن عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجآء فی القرن الثالث: ۲ / ۴۵

﴿ایُّ النَّاسِ خیرٌ؟ قَالَ الْقَرْنُ الَّذِيْ أَنافِيْهِ، ثُمَّ الثَّانِي، ثُمَّ الثَّالِثُ﴾ (۱)

''سب سے اچھے لوگ کون سے ہیں؟ فرمایا: ''میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے۔''

ان دونوں روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تمام زمانوں سے بہتر ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ سلم کے زمانہ کے لوگ بھی سب زمانوں سے بہتر ہیں۔ان تین زمانوں کے بارے میں محدثین میں کچھ اختلاف ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ نووی ؒ نے فرمائی ہے:

﴿وَالصَّحِيْحُ اَنَّ قَرْنَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَالصَّحَابَةِ وَالثَّانِيْ التَّابِعُوْنَ وَالثَّالِثُ تَابِعُوْهُمْ﴾ (۲)

''صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور صحابہؓ کا زمانہ ہے، دوسرا تابعین کا اور تیسرا تبع تابعین کا۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرن سے مراد صحابہ کرامؓ کا زمانہ ہے۔ (۳)

صحابہ کرامؓ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کو کیوں سب سے بہتر زمانہ کہا گیا، اس کی وجہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''ان تینوں دوروں میں بہترین دور ان لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جمال جہاں آراء کا بحالت ایمان مشاہدہ کیا ہے۔یہی لوگ حق و باطل میں فرق کو سب سے اچھا جاننے والے، حق کے سب سے زیادہ ماننے والے، حق کے سب سے زیادہ شیدا اور فریفتہ، باطل کے سب سے زیادہ بیری اور دشمن اور حق کی خاطر

۱۔ مسلم، کتاب فضل الصحابۃ: ۲ / ۳۰۱

۲۔ نووی شرح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم: ۲ / ۳۰۹

۳۔ فتح الباری: ۱ / ۴۴

سب سے زیادہ جان کھپانے والے ہیں۔ بعد میں آنے والوں کے مقابلہ میں علم و دیانت، سرفروشی وحق آشنائی، حق پذیری اور حق کی خاطر مصائب کے استقبال میں سب سے پیش پیش ہیں۔" (۱)

ایسا ہی نواب صدیق حسن خانؒ نے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہی صدر اول اور سلف صالح ہیں۔ ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان ہی پر دین کی زندگی میں اعتماد کیا جا سکتا ہے، دینی زندگی کے سارے احوال، اعمال، اخلاق اور احکام میں یہی لوگ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (۲)

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"ان سب اقوال میں سب سے معتدل قول صاحب المحکم کا ہے کہ قرن سے مراد ہر زمانے کی عمریں ہیں، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرن سے مراد اس حدیث میں صحابہ کرامؓ کا زمانہ ہے، اور صحابہؓ میں سے بلا اختلاف سب سے آخر میں جس کا انتقال ہوا وہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ اللیثیؓ صحابی رسول ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں جزم اور یقین کے ساتھ لکھا ہے، اور صحیح قول کے مطابق ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔" (۳)

اس حدیث کی رو سے صحابہ کرامؓ کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنا زمانہ قرار دیا ہے اور صحابہؓ میں سب سے آخری صحابی ابو الطفیلؓ نے بھی جو جنگ احد کے روز پیدا ہوئے۔

﴿مَاتَ سَنَةَ عَشْرَ وَمِأَةَ﴾ (٤)

"۱۱۰ھ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔"

۱۔ النبوات: ص ۸۵

۲۔ الحطه فی ذکر الصحاح السنة: ص ۲۲

۳۔ الصواعق المحرقه: ص ۲۱۲

٤۔ تقریب التهذیب: ص ۱۸۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی تقسیم وراثت کے بارے میں خصوصیت

عام انسان جب مر جاتے ہیں تو ان کا ترکہ ان کے عزیزوں میں تقسیم ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہاں بھی مختلف ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لانورث ماترکنا صدقۃ﴾

''ہم جو انبیاء علیہم السلام ہیں ہمارا وارث کوئی نہیں ہوتا، جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ سب (راہ خدا میں) صدقہ ہوتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب راہِ خدا میں صرف کیا جاتا ہے جو ہستیاں اپنی زندگی میں دنیوی طمع کا کوئی داغ اپنے دامن پر لگنا گوارا نہیں کرتیں، ان کے لیے یہ بھی مناسب نہیں سمجھا گیا کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر اس داغ کے لگانے کی کوئی دشمن جرأت کر سکے۔ اسی لیے ان کی خاص ذریت کے حق میں زکوٰۃ کا مال حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ فرمالیں کہ ان کی وفات عام بشر تو درکنار شہداء سے بھی کتنی ممتاز ہوتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کریم نے حیات کا لفظ کو استعمال فرمایا ہے اور ان کو رزق بھی ملنے کی بشارت دی ہے مگر ان کا ترکہ پھر عام انسانوں کی طرح ان کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں اس کی بھی اجازت نہیں بلکہ آپ کی ازواج کو آئندہ ہمیشہ کے لیے نکاح کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ شہداء ہوں یا کوئی بڑے سے بڑا بزرگ کسی کی ازواج کو بھی شوہروں کی وفات کے بعد نکاح کرنے سے روکا نہیں گیا، مگر نبی کے حق میں اس کو اتنا اہم سمجھا گیا ہے کہ اس دفعہ کا خود قرآن کریم نے اعلان فرمایا ہے، مگر ان کے حق میں یہ تحت دفعہ ان کی مرضی کے

بغیر نہیں لگائی گئی، بلکہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ان کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو دنیا کو اختیار کر لیں اور چاہیں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو اختیار کر لیں۔ گویا اس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اگر انہوں نے دوسری صورت کو ترجیح دی تو پھر آئندہ نکاح کا ان کو کوئی حق نہیں رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے اس کی بڑی اہمیت محسوس کی اور سب بیویوں کو خود جا جا کر پیغام سنا دیا، اور جب ان میں سب سے پہلے سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے یہ جواب دے دیا کہ یہ بات نہ استخارہ کی محتاج ہے اور نہ کسی سے مشورہ کرنے کی، ہم ایک طرف ہو کر آخرت اختیار کرتے ہیں تو گویا یہ بات برضاء و رغبت خود اختیار کر لی گئی تھی۔ اس میں رسول کا احترام بھی ملحوظ تھا۔ باپ کی منکوحہ جو اپنی والدہ نہ ہو وہ بھی اولاد پر حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ سب سے بڑی اولاد کے نکاح میں آ سکتی تھی مگر اسلام نے اس کو والد کے احترام کے خلاف سمجھا اور ہمیشہ کے لیے اس کو اولاد پر حرام کر دیا، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی نسبت ابوت چونکہ ساری امت کے ساتھ تھی اس لیے یہاں تمام امت کے حق میں اس احترام اور حرمت کو باقی رکھا گیا۔ (۱)

سرکار دو عالم ﷺ کے اس فرمان پر خلفائے راشدین نے پورا پورا عمل کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ جونہی مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ازواج مطہراتؓ نے سیدنا عثمانؓ کو بطور سفیر اور نمائندہ کے جناب ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجا اور متروکات نبوی میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

> ''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ازواج مطہرات نے یہ ارادہ کیا کہ عثمانؓ کو ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجیں اور ان کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات میں سے اپنی میراث مانگیں۔ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔'' (۲)

۱۔ ترجمان السنہ: ۳ / ۲۶۶

۲۔ بخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبی ﷺ لا نورث ما ترکنا صدقۃ: ۲ / ۹۹۶

امام بخاریؒ ہی نے ایک اور مقام پر اس روایت کو یوں نقل فرمایا ہے کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

''ازواج مطہراتؓ نے سیدنا عثمانؓ کو سیدنا ابوبکرؓ کے پاس بھیجا، اس فئے میں سے اپنا حصہ طلب کرنے کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا ہے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے ان کے اس مطالبہ کی مخالفت کی اور کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں؟ اور کیا تمہیں علم نہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں نے ان کو یہ بتایا تو وہ اپنے مطالبہ سے رک گئیں۔ (۱)

یہی کچھ علامہ بلاذریؒ نے فتوح البلدان ص ۳۷ پر لکھا ہے۔

ازواج مطہراتؓ کے علاوہ سیدہ فاطمہؓ کے بارے میں بھی کتابوں میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی میراث کا مطالبہ سیدنا ابوبکرؓ سے کیا۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا عروہ بن زبیرؓ اپنی خالہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدنا ابوبکرؓ کے پاس صدقات مدینہ، فدک اور خمس خیبر کا مطالبہ میراث کے طور پر کیا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ﴾

''ہم انبیاء کی وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں وقف اور صدقہ ہوتا ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا:

''آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مال میں سے کھا سکتی ہے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں اپنی آل کے لیے اس مال میں سے خرچ کرتے تھے ہم بھی اسی طرح اس پر عمل کریں گے اور اس

۱۔ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی نفیر و مخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۲ / ۵۷۶

میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کریں گے۔ پھر سیدنا علی بن ابی طالبؓ تشریف لائے۔ انہوں نے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد فرمایا: ''اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت اور شرافت کا اعتراف کرتے ہیں اور سیدنا علیؓ نے اس قرابت کا بھی ذکر کیا جو سیدنا ابوبکرؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی اور ان کے حقوق کا بھی ذکر کیا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری مجھے اپنی قرابت اور رشتہ داری سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔'' (۱)

بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی نضیر ومخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جلد ۲ ص ۵۷۶ پر ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس قسم کا مطالبہ سیدنا عباسؓ نے بھی کیا۔ امام طحاویؒ نے بھی یہ روایت جلد ا ص ۲۸۹ پر نقل کی ہے۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ بخاری، کتاب المناقب باب مناقب قرابة رسول الله صلی الله علیه وسلم: ۱ / ۵۲۶

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اعضاء مبارکہ کا قرآن حکیم میں ذکر فرمانا

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے حبیب کے جسم اقدس کی قسم کھائی اسی طرح قرآن حکیم میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کے قلب مبارک کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

﴿وَمَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى﴾ (۱)

''جھوٹ نہیں کہا آپ کے دل نے جو دیکھا۔''

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''یعنی جبرئیلؑ کو آپ نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبرئیل کو دیکھ رہی ہے۔ کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتوں کی معرفت ڈال دیتے ہیں، ورنہ خود کو اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو اطمینان کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے''۔ (۲)

اسی طرح ایک اور آیت میں آپ کے قلب مبارک کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ (۳)

''لے کر اترا اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر۔''

۱۔ النجم: ۱۱

۲۔ فوائد عثمانی: ص ۶۹۸

۳۔ الشعراء: ۱۹۴

آپ کی نطق اور زبان کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وما ینطق عن الھویٰ﴾ (۱)

''اور نہیں بولتا یہ اپنے نفس کی خواہش سے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ (۲)

''سو ہم نے آسان کر دیا یہ قرآن تیری زبان میں اس واسطے کہ خوش خبری سنا دے تو ڈرنے والوں کو اور ڈرا دے جھگڑالو لوگوں کو۔''

آپ کی آنکھوں کے بارے میں یوں فرمایا:

﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ وَ مَاطَغٰی﴾ (۳)

''نہیں بہکی (آپ کی) نگاہ اور نہ حد سے بڑھی''

آپ کے چہرہ اقدس کے بارے میں ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا:

﴿قَدْ نَریٰ تَقَلُّبَ وَ جْهِکَ فِی السَّمَاءِ﴾ (٤)

''بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے چہرے کا آسمان کی طرف۔''

آپ کے ہاتھ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ﴾ (٥)

''اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ۔''

آپ کی پشت مبارک اور سینہ کے بارے میں فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ، وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ،

۱۔ النجم:۳

۲۔ مریم:۹۷

۳۔ النجم:۱۷

٤۔ البقرہ:۱۴۴

٥۔ الاسراء:۲۹

اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ﴾ (۱)

”کیا نہیں کھول دیا ہم نے تیرا سینہ' اور اتار رکھا ہم نے تجھ پر سے
تیرا بوجھ' جس نے جھکا دی تھی تیری پشت۔“

پھر آپ کے نام کو بھی اپنے نام سے مشتق (Derived) قرار دیا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب تاریخ صغیر میں علی بن زید کے طریق سے روایت کیا ہے کہ ابو طالب یہ شعر پڑھا کرتے تھے

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيَجُلَّهُ؟
فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدُ وَ هٰذَا مُحَمَّدُ (۲)

یہ شعر سیدنا حسان بن ثابتؓ کے دیوان میں بھی ہے۔ ممکن ہے کہ شعر سیدنا حسانؓ کا ہو اور ابو طالب نے پڑھا ہو۔ یا توارد ہو یا سیدنا حسانؓ نے ابو طالب کے اس شعر کی تضمین (Insertion) کی ہو۔

زرقانی نے شرح موطا امام مالک میں نقل کیا ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔ قریش نے پوچھا: عبدالمطلب! آپ نے اپنے پوتے کا یہ نام کیوں رکھا؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس مولود کی حمد اور ثناء کرے۔ (۳)

بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب نے ایک خواب کی وجہ سے آپ کا نام محمد ﷺ رکھا تھا۔ (٤)

۱۔ الم نشرح: ۱-۳

۲۔ فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماجآء فی اسماء رسول اللہ ﷺ وقوله عزوجل محمد رسول اللہ ﷺ: ۶/ ۳۶۲، زرقانی : ۷/ ۱۲۹

۳۔ زرقانی شرح موطا، اسماء النبی ﷺ: ۴/ ۴۳۳، فتح الباری : ۷/ ۱۲۴

٤۔ روض الانف، سہیلی: ۱/ ۱۰۵، زرقانی شرح موطا ،اسماء النبی ﷺ : ۴/ ۴۳۳

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو خواب میں بتلایا گیا کہ تم برگزیدہ خلائق کی حاملہ ہو اور جب یہ بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمدؐ رکھنا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ احمد نام رکھنا۔ (۱)

عبدالمطلب کا اپنے تمام بیٹوں میں سے صرف آپ ﷺ کے والد ماجد کا ایسا نام تجویز کرنا کہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو یعنی عبداللہ نام رکھنا۔ کیونکہ اس سے قبل خواجہ عبدالمطلب نے اپنے کسی بیٹے کا نام اس طرح کا نہیں رکھا تھا بلکہ بعض نام تو شرکیہ (Polytheistic) تھے جیسے ابولہب کا نام عبدالعزیٰ رکھا اور ابو طالب کا نام عبدمناف یہ عزیٰ اور مناف دونوں بت تھے۔ اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ کا نام مبارک محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھنا یہ بھی الہام ربانی اور القاء رحمانی تھا' جیسا کہ امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں ابن فارس وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ (۲)

اور قرآن حکیم میں یہی دو نام آئے ہیں۔ لفظ محمد' حمد سے باب تفعیل کا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں: وہ ذات ستودہ صفات جس کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت و عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ محمد ﷺ کے معنی ہیں وہ ذات جس میں خصائل حمیدہ اور اوصاف محمودہ بدرجہ کمال پائے جائیں۔

اسی طرح احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ یہ بعض کے نزدیک اسم فاعل کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسم مفعول کے معنوں میں ہے۔ اگر اس کو اسم فاعل کے معنوں میں لیا جائے تو احمد کے معنی ہوں گے کہ وہ ذات جو مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حمد و ستائش کرنے والی ہو۔ اور اگر اسم مفعول کے معنی لیے جائیں تو یہ معنی ہوں گے وہ ذات جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ اور بے شک آپ سب سے زیادہ سراہے گئے ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حمد کسی شے کے اختتام ہی کے بعد کی

۱۔ عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/ ۳۰

۲۔ ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم، کتاب الفضائل: ۲/ ۲۴۱ باب اسماء النبی ﷺ

جاتی ہے۔ چونکہ آپ سب سے آخر میں تشریف لائے اور آپ پر نبوت و رسالت ختم ہو گئی اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رکھا۔ (۱)

آپ سے قبل محمد نام تو پانچ چھ لوگوں کا تھا لیکن احمد آپ سے پہلے کسی شخص کا نام نہ تھا۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں سیدنا علیؓ سے حدیث بھی نقل کی ہے کہ مجھ سے پہلے احمد کسی کا نام نہیں رکھا گیا۔ (۲)

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ ملاحظہ ہو روض الانف، شرح سیرۃ ابن ھشام : ۱ / ۱۰۶ ،فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماجآء فی اسماء رسول اللہ ﷺ، وقوله عزوجل محمد رسول اللہ ﷺ: ۷ /۳۲۸

۲۔ مسلم : ۳ / ۲۳۲

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا حالت نماز میں حکم کی تعمیل کرنا

اگر کوئی شخص فرض نماز پڑھ رہا ہو یا نفل نماز میں مصروف ہو اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو آواز دیں، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت وعظمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آپ کی آواز کے جواب میں آپ کے حکم کو بجالائے۔ اس سے اس کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو نماز لوٹانے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ (۱)

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو، اور یقین رکھو کہ اللہ حائل ہے انسان اور اس کے دل کے درمیان، اور بے شک تم اس کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

اس آیت کریمہ کی روشنی میں علماء نے لکھا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلانے پر حاضر ہونا واجب ہے۔ جب کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور اس کی ماں اس کو نماز میں بلائے تو اس پر واجب ہے کہ نماز توڑ کر ماں کے پاس حاضر ہو، اور جب تمہیں تمہارا باپ بلائے تو حاضر نہ ہو حتیٰ کہ تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ (۲)

۱۔ الانفال: ۲۴

۲۔ شعب الایمان، بیھقی رقم الحدیث: ۷۸۸۳، درمنثور: ۴ / ۱۷۴

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تمہاری ماں تم کو نماز میں بلائے تو اس کی خدمت میں حاضر ہو اور جب تمہارا باپ بلائے تو حاضر نہ ہو۔'' (۱)

اور اگر کوئی شخص فرض نماز پڑھ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ اسے بلائیں تو اس کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں نماز چھوڑ کر حاضر ہونا واجب ہے۔ فرض نماز میں سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کے بلانے پر جانا جائز نہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابو سعید بن معلیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، اس وجہ سے تاخیر سے حاضر خدمت ہوا ہوں، حدیث کے الفاظ ہیں:

﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَأْتِيَنِي؟ أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ......الخ﴾

''تمہیں کس چیز نے میرے پاس آنے سے روکا؟ کیا اللہ جل شانہ نے یہ نہیں فرمایا: اے ایمان والو! جب بھی رسول تمہیں کسی کام کے لیے بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو تو اللہ اس کے رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔'' (۲)

۱۔ المنصف لابن ابی شیبہ: ۴/ ۱۹۳، رقم الحدیث: ۸۰۱۳، ۸۰۱۴

۲۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحہ الکتاب، سورۃ انفال، آیت: ۲۴، رقم الحدیث: ۵۰۰۶، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله ولقد آتینا سبعًا من المثانی: ۴۷۰۳، کتاب تفسیر القرآن، باب سمیت اُم الکتاب: ۴۴۷۴، ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فاتحۃ الکتاب: ۱۴۴۵، سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب تاویل قول اللہ عزوجل ولقد اتیناک سبعا من المثانی: ۵/ ۱۱، ۲/ ۷۵۳ سنن دارمی، کتاب الصلوٰۃ، باب اُم القرآن ھی السبع المثانی، رقم: ۳۳۴۷، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب ثواب القرآن، رقم الحدیث: ۳۷۸۵ سنن کبریٰ بیہقی: ۲/ ۳۶۸، ابن خزیمہ: ۲/ ۳۸، مسند احمد بن حنبل، حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثناء یحییٰ بن سعیدؒ: ۴/ ۲۱۱، معجم کبیر، طبرانی: ۲۲/ ۲۰۳

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے بیان فرمایا: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابی بن کعبؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یا ابی!'' سیدنا ابی بن کعبؓ نے مڑ کے دیکھا اور حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: ''السلام علیک یا رسول اللہ!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعلیک السلام کہا اور فرمایا: ''اے ابی! جب میں نے تمہیں بلایا تو کس چیز نے تمہیں میرے پاس حاضر ہونے سے روکا تھا؟'' میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی؟: ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو۔'' میں نے عرض کی: ''کیوں نہیں، اور میں انشاء اللہ دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔'' (۱)

علامہ سید محمود آلوسیؒ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب کسی شخص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں بھی بلائیں تو اس پر حاضر ہونا واجب ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ امام رویانیؒ نے یہ کہا ہے کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر جانا واجب نہیں ہے اور اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب نمازی یہ دیکھے کہ تاخیر سے کوئی حادثہ ہو جائے گا تو وہ نماز توڑ دے، مثلاً وہ دیکھے کہ ایک نابینا شخص کنویں کی سیدھ میں جا رہا ہے اور اگر اس نے اس کو متنبہ نہ کیا تو وہ کنویں میں گر جائے گا تو وہ نماز توڑ دے۔'' (۲)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۴،سنن نسائی رقم الحدیث: ۸۰۱۰

۲۔ روح المعانی: ۹/ ۱۹۱

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے شیطان کا مسلمان ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا موکل جن مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر شخص پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے دو قوتیں مقرر فرمائی ہیں جو اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک جن اور دوسرا فرشتہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ دونوں قوتیں آپ کے ساتھ بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی ہیں' لیکن شر کی قوت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے' اس لیے میں اس کے فریب سے محفوظ رہتا ہوں' مجھ کو وہ بھی بھلائی اور نیکی ہی کا مشورہ دیتی ہے۔ (۱)

حدیث میں لفظ ''فَاَسْلِمُ'' ہے اس کو کسی شخص نے متکلم پڑھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں اس کے فریب سے سلامت رہتا ہوں۔ بعض علماء نے اس کو غائب کے صیغہ سے پڑھا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میرا شیطان اسلام قبول کر چکا ہے۔ اس لیے وہ مجھے نیکی اور بھلائی ہی کا مشورہ دیتا ہے۔ معصومیت کا مقام بھی آپ کا کس قدر بلند اور اعلیٰ ہے جہاں سامان ضلالت بھی اسباب ہدایت بن جاتے ہیں' گویا شیطان بھی گردن تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔

مسلم کی ایک اور روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ہی خیر و شر کا جذبہ ابھارنے والی دو خارجی قوتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام بھی چونکہ انسان ہی ہوتے ہیں لہٰذا وہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء

۱۔ مسلم، کتاب صفة المنافقين واحكامهم، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه.....الخ: ص ۳۷۶

علیہم السلام خلقت میں انسانوں سے جدا نہیں ہوتے لیکن عصمت میں جدا ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اس وجہ سے گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتیں۔ ان کو ہر طریقہ سے شر کی طاقتوں سے دور رکھنے اور خیر کی طرف میلان زیادہ سے زیادہ رکھنے کی ترغیب دی جاتی ہے بلکہ ان میں اس کی استعداد پیدا کی جاتی ہے۔ آپ کی ذات گرامی بھی ہمیشہ ربانی تربیت کے تحت رہی۔ انبیاء تو بہت بڑی ہستی ہوتے ہیں' ان کی پیروی اور اتباع کرنے والوں کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ "بندہ مومن اپنے شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے کرتے اس قدر لاغر اور کمزور کر دیتا ہے جس طرح ایک شخص سفر کرتے کرتے اپنا اونٹ لاغر کر دیتا ہے"۔ (۱)

ظاہر ہے کہ ایک مومن کی شیطانی قوت جتنی کمزور ہو گی اس کی ملکی (Angelic) قوت اتنی ہی مضبوط اور طاقت ور ہو گی اور اتنی ہی نیکی کے کاموں میں اس کی معین و مددگار ہو گی۔

سیدنا ابن عباسؓ سے ایک روایت مسند بزار کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ میرا شیطان کافر تھا' اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی اور وہ مسلمان ہو گیا"۔ (۲)

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں اور چن لیتے ہیں اور اپنے سوا کسی اور کی دخل اندازی ان میں پسند نہیں فرماتے کیونکہ اخلاص کے معنی ہیں:

﴿اَلتَّبَرِّیُ عَنْ کُلِّ مَادُوْنَ اللّٰہِ﴾ (۳)

۱۔ رواہ احمد، کتاب الایمان، الفصل الرابع فی الشیطان و وسوتہ : ۱ / ۶۸

۲۔ زرقانی، القسم الرابع مااختص بہ صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل......الخ، ومنھا انہ اکرم لخلق علی اللہ :۵/۲۸۰

۳۔ مفردات : ۱۵۴

''یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے بیزاری۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی متعدد آیات میں انبیاء کے متعلق ''مخلص'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ، إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ (۱)

''اور ہمارے خاص بندوں پر ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو ہاتھوں والے (یعنی قوت عملی والے) اور آنکھوں والے (یعنی قوت علم والے) تھے۔ ہم نے ان کو ایک خاص بات یعنی یاد آخرت کے لیے خاص کیا۔''

اسی طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾ (۲)

''وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔''

ایسے ہی دوسرے انبیاء کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور ہٹانے والی اور معصیت اور گناہوں کی طرف راغب کرنے والی دو چیزیں ہیں:

ایک (شیطان) اور دوسرا (نفس)

انبیاء علیہم السلام چونکہ بشر ہوتے ہیں لہٰذا ان کا بھی ان دونوں چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے، لیکن یہ واسطہ دوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ شیطان سے بھاگتے ہیں لیکن یہاں شیطان ان سے بھاگا ہے۔ ان ہی سے نہیں بلکہ ان کے امتیوں اور متبعین سے بھی بھاگتا ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ سیدنا عمرؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

۱۔ ص: ۴۵

۲۔ یوسف: ۲۴

﴿إِنِّي لَأَنظُرُ إِلَىٰ شَيَاطِينِ الْجِنِّ وَالْإِنسِ قَدْفَرُّوا مِنْ عُمَرَ﴾ (۱)

''یعنی میں دیکھ رہا ہوں کہ عمرؓ کے خوف سے شیطان الجن والانس دونوں بھاگ رہے ہیں۔''

ایک اور حدیث میں سیدنا عمرؓ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب کہیں شیطان رستہ چلتے تمہیں مل جاتا ہے تو فوراً تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ لے لیتا ہے۔'' (۲)

اور قرآن حکیم میں ہے کہ ابلیس لعین نے اللہ رب العزت کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں تیرے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کرسکوں گا۔ میں ہر چند کوشش کروں گا کہ ان کا ذہنی اور قلبی میلان دنیا اور اس کی مکروہات کی طرف ہو، لیکن میں اس میں کامیاب نہیں ہوسکوں گا، انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے، لہٰذا شیطان اپنی تمام قوت صرف کرنے کے باوجود بھی انہیں معاصی (Sins) کی طرف مائل اور راغب نہیں کرسکتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو چیلنج کیا کہ تو اپنی ساری قوتیں اور اپنا سارا زور صرف کرکے دیکھ لے اور انہیں جس قدر دل فریب اور جھوٹے وعدے دینا چاہتا ہے، دے دے لیکن:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (۳)

''بے شک جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا قابو نہ چل سکے گا۔''

۱۔ ترمذی، ابواب المناقب باب مناقب ابی حفص عمرؓ بن الخطاب: ۲ / ۲۳۲، مشکوٰۃ، کتاب الاداب، باب مناقب عمرؓ: ۵۵۸

۲۔ بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمرؓ: ۱ / ۵۲۰، مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عمر: ص ۲۷۶

۳۔ بنی سرائیل: ۶۵

امام رازیؒ ''عبادی'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

﴿اَلْمُرَادُ اَهْلُ الْعَقْلِ وَالْعِلْمِ وَالْاِيْمَانِ﴾(۱)

اس سے مراد صاحب علم وایمان اور اہل عقل ہیں:

اور انبیاء کرام علیہم السلام ان تینوں صفات میں تمام دنیا میں بے مثل ہوتے ہیں بلکہ دنیا کا سب سے بڑا عقل مند بھی ایک رسول کے سامنے جاہل ہوتا ہے۔ اسی لیے شیخ سعدیؒ نے فرمایا تھا

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانہ چند ملت بشست

اور مولانا رومؒ فرماتے ہیں

صد ہزاراں طب جالینوس بود
پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

اور ایمان کا تو پوچھنا ہی کیا۔ ساری دنیا کو ایمان نبوت کے سینہ سے ملتا ہے۔ اور دنیا کا ہر ایک انسان اپنی ایمانی پیاس نبوت کے چشمہ صافی سے بجھاتا ہے۔

اور اگر ''عبادی'' سے امام رازیؒ کی بیان کردہ صفات مراد نہ بھی لی جائیں اور ''عبد'' بمعنی عبادت اور عبودیت کا مجموعہ لیا جائے تب بھی دنیا میں کامل اور اکمل ''عبد'' انبیاء علیہم السلام ہی ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ شر کی خارجی طاقت شیطان انبیاء کرام کے سامنے بالکل بے دست و پا ہوتا ہے اور وہ اپنی ہزار کوششوں کے باوجود بھی ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ساری زندگی نہ تو کبھی احتلام ہوتا ہے اور نہ کبھی جمائی آتی ہے۔(۲)

کیونکہ یہ دونوں چیزیں اکثر شیطانی اثرات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

شیطان کا نبی پر اثر انداز ہونا تو کیا خود وہ نبی کی معصومیت سے متاثر ہوتا ہے۔

۱۔ تفسیر کبیر

۲۔ زرقانی، القسم الرابع ما اختص به صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل ......الخ، ومنها اکرم الخلق علی الله: ۵ / ۲۴۸

اور ضلالت و گمراہی کا یہ منبع ان کے لیے سامان ہدایت بن جاتا ہے۔ اور ان کی معصومیت کے سامنے سر تسلیم خم کر کے ان کا مطیع و منقاد (Docile) بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن عورتوں کے شوہر گھر پر نہ ہوں ان کے پاس نہ جایا کرو کیونکہ شیطان انسان میں اس طرح گھوم جاتا ہے جیسے خون رگوں میں گھومتا ہے (اور محسوس نہیں ہوتا) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے لیے بھی شیطان ہے؟'' آپ نے فرمایا ہاں:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِیْ عَلَیْهِ فَاَسْلَمَ﴾ (۱)

لیکن اللہ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی اور وہ میرا مطیع و منقاد ہو چکا ہے۔ امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ يُسَلِّطُ عَلَیَّ﴾ (۲)

''ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو مجھ پر مسلط فرما دے۔''

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مسند احمد کی حدیث میں بتایا گیا ہے کہ بندہ مومن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمان برداری کرتے کرتے اپنے شیاطین کو اس قدر لاغر اور کمزور کر دیتا ہے جس طرح ایک مسافر سفر کرتے کرتے اپنے اونٹ کو لاغر و کمزور کر دیتا ہے۔ (۲)

جب ایک بندہ مومن کے شیاطین بندگی حق سے اس قدر کمزور ہو جاتے ہیں کہ وہ پھر اس کو برائی پر برانگیختہ (Provoke) نہیں کر سکتے تو ایک نبی کو شیطان کس طرح برائی پر برانگیختہ کرسکتا ہے جس کی وجہ سے بندہ مومن کو ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ بلکہ متذکرہ الصدر حدیث کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے شیاطین تو کمزور اور مضمحل ہونے کے ساتھ ساتھ نیکی اور ہدایت کا منبع بن جاتے ہیں، لیکن چونکہ ہوتے شیطان ہی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اپنی لاغری کے تحت وہ جبری طور

۱۔ الدارمی، کتاب الرقاق، باب الشیطان تجری من ابن آدم مجری الدم

۲۔ خصائص، باب اعطائه ﷺ مع النبو فضیلة الشهادة: ۲ / ۲۷۰

۳۔ مسند احمد، کتاب الایمان، الفصل الرابع فی الشیطان ووسوسته: ۱ / ۶۸

پر انبیاء علیہم السلام کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں اور مار آستین کی طرح ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے ہیں تا کہ موقع پا کر ان پر حملہ کریں، لیکن انبیاء علیہم السلام اپنی طہارت نفس اور پا کیزہ طینتی کے باوجود ان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اس کی پناہ میں رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ توحید کے ان علمبرداروں کے خوف سے شیاطین ہر وقت اور ہر لمحہ ترساں اور لرزاں رہتے ہیں۔ یہ ڈر اور رعب انبیاء علیہم السلام کی روحانی قوت اور ان کی ملکوتی طاقتوں کا ہوتا ہے جن پر ان شیاطین کی کارروائی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بالآخر وہ ان کے تقدس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور آپ کے لیے کلام اور رویت دونوں کو جمع کیا۔ امام زرقانی ؒ نے سیدنا انس ؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مجھے اسراء اور معراج کرائی گئی تو حق تعالیٰ شانہ مجھ سے اتنا قریب ہوئے کہ ان کے اور میرے درمیان صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں سیدنا انس ؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ

﴿حَتّٰى جَآءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّتِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ اَدْنٰى﴾ (۱)

''حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ سے دو کمانوں کے بقدر رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ سے اس بارے میں ایک روایت منقول ہے کہ انہوں نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا: ''مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى، وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى، قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ۔ (۲)

یعنی آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی، اور آپ نے اس کو

۱۔ بخاری، کتاب الرد علی الجهمية وغيرهم التوحيد، باب قول الله وكلم الله موسى تكليما: ۲ / ۱۱۲۰

۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات: ۲ / ۹۹

دوسری بار دیکھا۔سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: آپ ﷺ نے اپنے دل (کی آنکھوں) سے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ذر غفاریؓ سے کہا: اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو آپ سے پوچھتا۔انہوں نے کہا: تم کس شی کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھتے؟ کہا: میں آپ سے یہ پوچھتا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ سیدنا ابو ذر غفاریؓ نے فرمایا: میں نے آپ سے پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا وہ نور ہی نور تھا۔(رایت نوراً)(۱)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔(رأی محمد ربہٗ) میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے (لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے یہ اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور یعنی غیر متناہی نور ہے۔اور بے شک محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔(وقد رأی محمد ربہٗ مرتین) یہ حدیث حسن غریب ہے۔(۲)

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رَأَیۡتُ رَبِّیۡ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی'' میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا۔(۳)

اسی مضمون کی ایک اور روایت ابن حبانؒ نے سیدنا ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔فرماتے ہیں:

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الاخرۃ ربھم سبحانہ و تعالیٰ: ۲ / ۹۹

۲۔ ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ النجم: ص ۴۷۱-۴۷۲

۳۔ مسند احمد بن حنبل، الباب الثانی فی الاخلاق ......الخ الفصل الثانی فی الاخلاق المذمومۃ علی ترتیب حروف المعجم: ۱ / ۲۸۵، ۲۹۰

﴿قد رأى محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه﴾ (١)

''بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔''

حافظ ہیثمیؒ نے بھی اس حدیث کو ابن حبانؒ کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (٢)

حافظ ہیثمیؒ نے سیدنا ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ﴾ (٣)

''میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔''

اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اسی مضمون کی دو اور روایتیں حافظ ہیثمیؒ نے نقل فرمائی ہیں۔ (٤)

اسی سلسلہ میں امام حاکمؒ نے سیدنا ابن عباسؓ سے سند صحیح کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں:

﴿أَتَعْجَبُونَ اَنْ يَكُونَ الْخُلَّةُ لِإِبْرَاهِيمَ، وَالْكَلَامُ لِمُوسٰى وَالرُّؤْيَةُ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيّ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ﴾

''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ خلّت ہو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور کلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے رؤیت (دیدار) ہو۔ یہ حدیث امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن بخاری اور مسلم نے اس کی

١۔ الاحسان به ترتيب صحيح ابن حبان، كتاب الاسراء، ذكر الاخبار عن رؤية المصطفىٰ صلی اللہ علیہ وسلم ربه: ١ /٢٢٦

٢۔ موارد الظمان، كتاب الايمان، باب في الرؤية: ص ٤٠، بيروت

٣۔ رواه احمد ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد، كتاب الايمان، باب في الرؤية: ١ / ٧٨

٤۔ مجمع الزوائد، كتاب الايمان، باب في الرؤية: ١ / ٧٩

تخریج نہیں کی۔''

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ''ما کذب الفؤاد ما رأی'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کی بصر آپ کے دل میں رکھ دی حتیٰ کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھ لیا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو رویت کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے حقیقتاً دیکھا۔ پہلا قول سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا۔ یہ سیدنا ابو ذرؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ دوسرا قول سیدنا انس بن مالکؓ اور ایک جماعت کا ہے۔ نیز سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم کو اس پر تعجب ہے کہ خلت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو، کلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور رؤیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہو۔ نیز سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔'' (۱)

امام زرقانیؒ نے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''جن احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے دل سے اپنے رب کو دیکھا اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ نے دل سے اللہ کو جانا اور آپ کو اللہ کا علم ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو آپ کو ہمیشہ سے تھا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رؤیت کو اس طرح پیدا کر دیا جس طرح وہ آنکھ میں رؤیت کو پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ عقلاً رؤیت آنکھ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جس عضو میں چاہے رؤیت کو پیدا فرما دیتا ہے اگرچہ آنکھ میں رؤیت کو پیدا فرمانا اس کی عادت جاریہ ہے۔''

۱۔ الجامع لاحکام القرآن: ۱۷ / ۹۲

''ابن خزیمہ نے سند قوی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سیدنا انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا۔ خلال نے کتاب السنہ میں مروزی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ سیدہ عائشہؓ اس بات کا انکار کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ آپ ان کے اس انکار کو کس دلیل سے رد کریں گے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے کہ میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سیدہ عائشہؓ کے قول سے بڑا اور راجح ہے۔ اور نقاش نے امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا ہے کہ میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کا قائل ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ امام احمدؒ بار بار کہتے ہیں: آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمدؒ کا سانس ٹوٹ گیا۔''(۱)

''اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ سیدنا ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے اور اس چیز کا اثبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سماع کے بغیر نہیں ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے جو کہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی بنیاد پر نہیں کہا بلکہ ان کا استدلال قرآن حکیم کی آیات سے ہے۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس ادراک کی نفی ہے وہ ادراک علی وجہ الاحاطہ ہے اور اللہ

۱۔ زرقانی شرح مواهب ملخصاً، المقصد الخامس فی تخصیصه علیه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والاسراء: ٦/ ١١٦-١٢٠.

تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب قرآن حکیم میں احاطہ رؤیت کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بلا احاطہ رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔'' (۱)

اگرچہ صحابہ کرامؓ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیھا کا مسلک ہے کہ نہیں دیکھا لیکن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس رات اپنے رب کو دیکھا۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ سے صحیح روایت کے مطابق یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب کو دیکھا (فَصَحَّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسَ' اَنَّہٗ رَایٰ رَبَّہٗ) (۲)

یارب صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ مشکوٰۃ، کتاب الفتن، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ: ۵۰۱،ایسا ھی علامہ عینی نے عمدۃ القاری، باب ان اللہ تعالیٰ اختص موسی بالکلام وابراھیم بالخلۃ و محمد علیہ السلام بالرؤیۃ: ۱۹/ ۱۹۹، علامہ خفاجی نے نسیم الریاض، فصل وأمارؤیۃ النبی ﷺ لربہ عزوجل: ۲/ ۲۸۷ – ۲۸۸، اور ملا علی قاری نے مرقات شرح المشکوٰۃ، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ الفصل الثالث: ۱۰/ ۳۴۹، علامہ نووی نے شرح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل: ۱/ ۹۷ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ بنی اسرائیل: ۸/ ۲۰۷–۲۰۹ میں لکھا ھے۔

۲۔ زاد المعاد،الاسراء والمعراج: ۳/ ۳۶ ،ایسا ھی مسلم، باب معنی قول اللہ عزوجل(ولقد راہ نزلۃ اخریٰ) وھل رأی النبی ﷺ ربہ لیلۃ الاسراء، حدیث نمبر ۱۷۶، ۲۸۴، ۲۸۵ اور ترمذی، ابواب التفسیر، سورہ النجم، حدیث نمبر ۳۲۷۵، ۳۲۷۶ اور ۳۲۷۷ میں ھے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رب کائنات کی تخلیق اول

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خالق کائنات کی تخلیق اول ہیں۔ جب اس کائنات میں کوئی شی وجود میں نہیں آئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وجود بخشا۔ چنانچہ المصنف عبدالرزاق میں سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے ایک روایت ہے جس کو بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان،

﴿أَخْبِرْنِي عَنْ اَوَّلِ شِيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ؟ قَالَ: يَا جَابِرُ! اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَآءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ﴾

”مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس شی کو پیدا فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات اور تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نور کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

”پھر وہ نور مشیت خداوندی سے جہاں چاہتا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی اور نہ جہنم، نہ کوئی فرشتہ تھا اور نہ زمین و آسمان، نہ آفتاب و ماہتاب تھے اور نہ ہی جن و انس میں سے کوئی تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور

کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصہ سے قلم، دوسرے حصہ سے
لوح اور تیسرے حصہ سے عرش کو پیدا کیا۔ پھر چوتھے حصے کو چار
حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصہ سے حاملانِ عرش پیدا فرمائے،
دوسرے حصہ سے کرسی اور تیسرے حصہ سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے
حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا اور پہلے حصہ سے آسمان، دوسرے
سے زمین اور تیسرے سے جنت اور جہنم بنائے..........(۱)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق میں اولیت کے بارے میں مختلف محدثین نے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ اور حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے بھی نشر الطیب ص ۱۵ میں ان روایات کو نقل فرمایا ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کی تخلیق اس ساری کائنات میں سب سے پہلے ہوئی۔

اسی سلسلہ میں ایک روایت سیدنا علیؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿كُنْتُ نُوراً بَيْنَ يَدَىْ رَبِّي قَبْلَ خَلْقِ آدَمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفِ عَامٍ﴾(۲)

''میں سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار
سال قبل بارگاہِ الوہیت میں ایک نور کی صورت میں موجود تھا۔''

ان سب روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تخلیق میں سب سے اول تھے۔ اور آپ چونکہ اس کائنات ہست و بود اور عالم کون و مکان کی علت غائی تھے اور علت غائی وجود میں سب سے پہلے ہوتی ہے اور ظہور میں سب سے آخر میں

۱۔ زرقانی، شرح المواھب اللدنیہ، القسم الرابع ما اختص بہ صلی اللہ علیہ وسلم من، الفضائل......الخ، ومنھا انہ اول النبین خلقا......الخ: ۵ /۲۴۲

۲۔ المواھب اللدنیہ، المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ لہ علیہ السلام: ۱ /۷۵، زرقانی، القسم الرابع ما اختص بہ صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل......الخ، ومنھا انہ اول النبین خلقا......الخ: ۵/۲۴۲

آتی ہے۔ اس لحاظ سے سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

﴿كُنتُ اَوَّلَ النَّبِيِّينَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ﴾ (۱)

''میں تخلیق کے لحاظ سے سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری نبی ہوں۔''

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنے ایک شعر میں رسول اللہ ﷺ کے اول النبیین ہونے بلکہ اول الخلق ہونے کا تذکرہ یوں کیا ہے

یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا
تامرکز عالم توئی بے مثل و نظیری

بتایا یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ اس کائنات ہست و بود کے دائرہ کے مرکز ہیں۔ جب آپ کوئی دائرہ لگانا چاہیں تو پہلے اس کے لیے ایک مرکز ماننا پڑے گا۔ پھر اس مرکز پر پرکار کی سوئی رکھ کر مقام الف سے دائرہ شروع کیا جاتا ہے اور مقام یا پر وہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب دائرہ مکمل ہو جاتا ہے تو وہ مرکز جو وجود میں سب سے پہلے تھا وہ ظہور میں سب سے آخر میں آیا۔ اسی طرح خالق کائنات نے سرکار دو عالم ﷺ کو نہ صرف انبیاء علیہم السلام کا بلکہ تمام کائنات کے دائرہ کا مرکز بنایا اور کائنات کی تخلیق سے بہت پہلے آپ کو عدم سے عالم وجود میں منتقل کیا۔ گویا کہ آپ ﷺ رب کائنات کی تخلیق اول ہیں اور اس کائنات ہست و بود کو ابھی خلعت وجود نہیں ملا تھا کہ آپ کو رب کائنات کی طرف سے وجود حاصل ہو گیا۔ اسی چیز کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں یوں بیان کیا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی یٰسین وہی طٰہٰ

یا رب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۶۲، فیض القدیر، مناوی: ۵/ ۵۳، حدیث نمبر: ۶۴۲۳

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے شاہد اول

روز الست میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: بے شک ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں۔ یہ اس لیے کہا کہ کہیں قیامت کے روز عذر کرنے لگو کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی۔ (۱)

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو ساری مخلوق خاموش تھی اور سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ''بلیٰ'' کیوں نہیں، تو ہمارا رب ہے۔ آپ کے جواب کے بعد پھر دوسری مخلوق نے جن میں انبیاء بھی شامل تھے، اللہ کی ربوبیت (Providence) کے اثبات کا جواب دیا۔

حافظ سید محمود آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ:

''بعض اہل اللہ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کے ذروں کو نکالا گیا تو سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذرہ نے جواب دیا تھا، اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمینوں سے یہ فرمایا:''

''خوشی یا ناخوشی سے دونوں حاضر ہو جاؤ تو دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔'' (۲)

اس وقت زمین کے جس ذرہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی

۱۔ الاعراف: ۱۷۲

۲۔ حم السجدۃ: ۱۱

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذرہ تھا۔ اور یہ کعبہ کی مٹی کا ذرہ تھا۔ اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بنایا گیا تھا، پھر اسی کو پھیلایا گیا جب کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ اور جب آپ کی تربت (مٹی) کعبہ کی مٹی تھی تو آپ کا مدفن بھی کعبہ میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ روایت ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا مدفن ہوتا ہے۔ لیکن کہا گیا ہے کہ جب طوفان آیا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی، اور مٹی کا وہ پاک ذرہ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبداء تھا، اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ طیبہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدفن ہے۔ اور اس سے یہ مستفادہ ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق اصل ہے اور تمام کائنات آپ کی تابع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ آپ کا ذرہ تمام مخلوق کی ام (اصل) ہے، اسی وجہ سے آپ کا لقب ''امی'' ہے۔ (۱)

اس عہد اور میثاق کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے اس آیت پر فوائد عثمانی میں جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ (۳)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ روح المعانی: ۹ / ۱۱۱ بیروت ،سیرت حلبیه،باب بنیان قریش الکعبة شرفها الله تعالیٰ: ۱ / ۱۴۷

۲۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، باب ومن سورہ الاعراف: حدیث نمبر ۳،۰۸۶، سنن ابی دائود، کتاب الدیات ، باب القدر، حدیث نمبر ۴۷۰۳، مسند احمد، الباب الثامن فی فضائل الأمکة فصل......الخ فضل البیت: ۱ / ۳۱۱ ،ابن حبان، کتاب التاریخ، ذکر اخیراج الله جل و علا ، حدیث: نمبر ۶۱۶۶ ، موطا امام مالک، کتاب القدر، باب النهی عن یقول بالقدر، حدیث نمبر ۱۶۶۱ ، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر ،تفسیر سورة الاعراف من ظهر آدم ذریة: ۱/ ۳۷ ، ۲ /۳۲۴ ،التمهید لابن عبدالبر: ۶ / ۲۰۳ وغیرہ.

۳۔ ملاحظه هو فوائد عثمانی: ص ۲۲۹

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بنات طاہرات رضی اللہ عنہن پر سوکن کا نہ آنا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے پا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات طاہرات (Chaste daughers) پر کوئی سوکن نہیں آ سکتی۔ چنانچہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے منبر پر ایک مرتبہ فرمایا: بنو ہاشم بن المغیرہ مجھ سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی علی بن ابی طالب سے بیاہ دیں۔ میں انہیں اجازت نہیں دیتا، پھر میں انہیں ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ (۱)

یہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی جویریہ کا ہاتھ اس کے چچا حارث سے مانگا۔ حارث نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ چاہا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کوئی سوکن آئے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر علی رضی اللہ عنہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو وہ میری بیٹی کو طلاق دے دے اور اس سے (یعنی ابو جہل کی بیٹی سے) نکاح کر لے۔ کیونکہ میری بیٹی میرے دل کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی۔ (۲)

یہ واقعہ بخاری میں بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد ابو جہل کی لڑکی جویریہ کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا۔ اس بات کی اطلاع سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہا نہایت کبیدہ خاطر اور ناراض ہو کر اپنے والد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر

۱۔ زرقانی، القسم الرابع ما اختص به صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل ......الخ : ۵/ ۲۸۵

۲۔ بخاری : ۲/ ۷۸۴، زرقانی، القسم الرابع ما اختص به صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل......الخ: ۵ / ۲۸۵

ہوئیں اور تمام ماجرا گوش گذار کیا۔ یہ واقعہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے (اس کو ایذا پہنچانا گویا مجھے ایذا پہنچانا ہے) نیز فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ فاطمہؓ (عزت کی وجہ سے) اپنے دین کے معاملہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔ اور جو شے فاطمہؓ کو بری لگے وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ پھر آپ نے بنو عبد شمس (یعنی بنوامیہ) میں سے اپنے داماد (ابوالعاصؓ بن ربیع) کا ذکر فرمایا کہ میں نے اس کو اپنی دختر حبالہ عقد میں دی‘ اس نے میرے ساتھ جو بات کی وہ سچی کر دکھائی اور جو وعدہ کیا اسے پورا کیا۔ پھر فرمایا کہ میں اپنی طرف سے حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہوں‘ لیکن بخدا! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوں گی۔ جب ناراضگی کی یہ صورت پیدا ہوگئی تو سیدنا علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ (۱)

یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔ (۲)

اس واقعہ کا ذکر اور بھی کئی کتابوں میں منقول ہے۔ (۳)

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ یہ بات حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کے ساتھ کوئی دوسری عورت نکاح میں جمع نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی بیٹیوں پر کوئی سوکن نہیں آ سکتی۔ (٤)

اور علامہ سیوطیؒ نے تو اس بارے میں اپنی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' میں ایک باب باندھا ہے ''باب اختصاصه صلی اللہ علیہ وسلم بان بناته لا یتزوج علیهن'' (٥)

۱۔ بخاری، کتاب الجهاد، باب ماذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعصاه......الخ: ۱/ ۴۳۸، کتاب النکاح، باب ذب الرجل عن ابنته فی الغیرة والانصاف: ۲/ ۷۸۷

۲۔ فتح الباری، ذکر اصها النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۷/ ۶۹

۳۔ البدایه والنهایه، کتاب تاریخ الاسلام الاول من الحوادث الوقعة فی الزمان، ذکر من تفیض فی هذهالسنة: ۶/ ۳۳۳ وغیره

٤۔ فتح الباری، کتاب النکاح، باب ذب الرجل عن ابنة ف الغیرة والانصاف: ص ۳۲۹

٥۔ خصائص کبریٰ: ۲/ ۲۵۵

پھر حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''یہ شے کچھ بعید نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی صاحبزادیوں کے نکاح پر کسی دوسرے نکاح کا جائز نہ ہونا آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہو''۔(۱)

علامہ زرقانیؒ نے اس مسئلہ پر کافی بحث کی ہے۔(۲)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ خصائص کبریٰ: ۲ / ۲۵۵

۲۔ ملاحظہ زرقانی، ومنها انه الایتزوج علی بناته : ۷ / ۲۷۰ . ۲۷۲

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زندگی، شہر اور زمانہ کی قسم کھانا

اللہ تعالیٰ کی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کی زندگی، آپ کے شہر اور آپ کے زمانہ کی قسمیں کھائیں ہیں۔

چنانچہ آپ کی عمر کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

﴿لَعَمۡرُکَ اِنَّھُمۡ لَفِیۡ سَکۡرَتِہِمۡ یَعۡمَھُوۡنَ﴾ (۱)

''قسم ہے تیری جان کی وہ مستی میں مدہوش ہیں۔''

آپ کے شہر کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

﴿لَاۤ اُقۡسِمُ بِھٰذَا الۡبَلَدِ﴾ (۲)

''قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی''

آپ پر نازل شدہ کتاب کی قسم ان الفاظ میں کھائی:

﴿یٰسٓ ، وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ، اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ﴾ (۳)

''قسم ہے اس پکے قران کی تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے۔''

چنانچہ حدیث میں بھی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی زندگی اور حیات کی قسم نہیں کھائی سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے۔ (٤)

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ الحجر: ۷۲

۲۔ البلد: ۱

۳۔ یٰس: ۱-۳

٤۔ رواہ ابن مردویہ، زرقانی: ۷/ ۲۵٦

محمد رسول اللہ ﷺ
کی تعزیت کی خصوصیت

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کے اہل بیت کی تعزیت ملائکہ نے بھی کی۔ صرف ایک آواز آتی تھی مگر کوئی شخص نظر نہ آتا تھا(یَسْمَعُوْنَ الْحِسَّ وَلَایَرَوْنَ الشَّخْصَ) تعزیت کے الفاظ یہ تھے:

﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اِنَّ فِی اللّٰهِ عَزَاءً مِنْ کُلِّ مُصِیْبَةٍ وَخَلَفاً مِّنْ کُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا، وَاِیَّاهُ فَارْجُوْا، فَاِنَّمَا الْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ، وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ. (۱)

''اے اہل بیت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک صبر کا سبب ہے اور ہر چیز کا جو ہاتھوں سے نکل جائے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بہترین جانشین ہے (اس کا بدل دے دیتا ہے) لہٰذا صرف اسی کی ذات پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید لگائے رکھو کیونکہ محروم صرف وہ کہا جاتا ہے جو ثواب سے بھی محروم ہو جائے (یعنی تم کو صبر کا ثواب ملے گا، تم محروم نہیں) والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

جن اہل بیت کی شان میں اور جن کے گھروں میں کبھی وحی ربانی اترا کرتی ہو

۱۔ خصائص کبریٰ: ۲ / ۲۷۹ و فی مشکوٰۃ المصابیح نحوہ

ان کے گھروں میں صرف ایک غیبی آواز پر تعجب کیا ہے۔ عام بشر کی تعزیت عام بشر کر لیتے ہیں لیکن آپ وہ ہیں جن کے گھر والوں کی تعزیت میں اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے بھی شریک رہتے ہیں۔ اگر ان کی زندگی میں ان کے گھروں میں فرشتے آسکتے ہیں تو ان کے انتقال کے بعد بھی ان کی آوازیں سنائی دی جا سکتی ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی خصوصیت

آپ کی وفات کے بعد جو آپ کو غسل دیا گیا اس میں بھی آپ کی ایک خصوصیت پنہاں تھی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ جب صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو باہم یہ گفتگو ہونے لگی کہ خدا کی قسم! ہم کو اس کا علم نہیں کہ جس طرح ہم اپنے مردوں کے جسم سے کپڑے اتارتے ہیں کیا ہم آپ کے جسد اطہر کے کپڑے بھی اتار لیں یا پھر آپ کو ان کپڑوں ہی میں غسل دے دیں۔ جب اختلاف زیادہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی نیند غالب کر دی کہ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ بچا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے نہ جا لگی ہو۔

﴿ثُمَّ كُلُّهُمْ مُكَلِّمٌ مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ لَا يَدْرُوْنَ مَنْ هُوَ، اَنِ اغْسِلُوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ﴾ (۱)

''پھر گھر کے ایک گوشہ سے کسی کہنے والے نے کہا، معلوم نہیں وہ کون تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے کپڑوں ہی میں غسل دے دو۔''

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد غسل کی سنت میں عام انسانوں کے ساتھ شریک بھی ہیں لیکن اتنے ممتاز بھی ہیں کہ صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے وقت

۱۔ اخرجہ ابن سعد و ابو داؤد والحاکم والبیہقی و صححاہ و ابو نعیم کمافی الخصائص: ۲ / ۲۷۵

متحیر کھڑے تھے کہ کیا کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام لوگوں کی طرح کپڑے اتار کر غسل دیا جائے یا کسی اور طریقے سے غسل دیں۔ لیکن ندائے غیبی نے صحابہ کرامؓ کے اس تحیر کو دور کر دیا اور اس ندائے غیبی نے انہیں بتایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے ہرگز نہ اتارے جائیں۔ یہ آواز کون دے رہا تھا؟ اس کا علم نہیں۔ یقینی بات ہے کہ کوئی فرشتہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا یہ سندیسہ انہیں دے رہا تھا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا اہتمام

جس طرح حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا اہتمام اور بندوبست فرمایا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا اہتمام فرمایا گیا۔ پیغمبر اسلام کی بعثت کا مقصد بھی ٹھیک وہی تھا جو دوسرے پیغمبروں کا تھا۔ سب کو ایک ہی دین دیا گیا۔ ان میں سے کسی کا مقصد نہ تو دوسرے سے مختلف تھا اور نہ ایسا ہوا کہ کسی کو ناقص اور کسی کو کامل دین دیا گیا ہو۔ تاہم ان میں بعض اضافی فروق تھے۔ اصل مشن کے ساتھ ہر ایک کو کوئی منفرد وظیفہ بھی عطا کیا گیا اور اس کے لحاظ سے اس کو ضروری اسباب دیئے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام توحید و آخرت کے اعلان کے ساتھ اس پر بھی مامور تھے کہ صحرائے عرب میں پہنچ کر خدا کا پہلا گھر تعمیر کریں۔ سیدنا مسیح علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کے ساتھ نبی آخر الزمان کے مبشر بنا کر بھیجے گئے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ کی نوعیت بھی ٹھیک یہی ہے۔ آپ سے اللہ تعالیٰ کو اصلاً جو چیز مطلوب تھی وہ تو یہ تھی کہ وہ دنیا کے لیے منذر اور مبشر بنیں۔ اسی کے ساتھ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ یہ بھی تھا کہ خصوصی مادی مدد کے ذریعہ زمین پر اہل اسلام کی حکومت قائم کردے تاکہ آخری کتاب کی حفاظت کا کام ہو سکے۔

اسلام کی جو تاریخ بنی وہ پیغمبرانہ مشن کا اضافی جزو ہونے کے باوجود کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ وہ بجائے خود مطلوب بھی تھا، مگر یہ مطلوبیت باعتبار وسیلہ تھی نہ کہ باعتبار مقصد۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی آخری کتاب کو محفوظ کرنا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ قرآن کے ساتھ اقتدار کو جمع کیا جائے۔ اگر پچھلی آسمانی کتابوں کی طرح قرآن کے ساتھ اقتدار کو جمع نہ کیا گیا ہوتا تو ہزاروں برس کی پیغمبرانہ تاریخ کا تجربہ بتا رہا تھا کہ اس کا

انجام بھی بالآخر وہی ہوتا جو پچھلی کتابوں کا ہوا۔ اس مصلحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خصوصی فیصلہ فرمایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری شریعت کے ساتھ لازماً اقتدار کو بھی جمع کرے گا خواہ یہ اجتماع شرک و کفر کے علم برداروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ چنانچہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت اپنے ذمہ لی (وانا لہ لحافظون) اور اس کا ظاہر سبب یہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کے بعد اس کی پشت پر وقت کی عظیم ترین سلطنت قائم کردی۔ یہ سلطنت قرآن کو اپنی زیر حفاظت لیے ہوئے نسل در نسل چلتی رہی تاآنکہ صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) ہوا اور پریس کا دور آگیا اور سرے سے اس کا امکان ہی ختم ہوگیا کہ کوئی شخص یا گروہ قرآن میں تحریف کرسکے یا اس کو مٹا سکے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ آپ اگرچہ صبر و استقامت اور جرأت و ہمت کے کوہِ گراں تھے اور جیسا کہ تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے دعوت حق کو پھیلانے میں کسی مزاحمت اور مخالفت کی پروانہ کی۔ جوں جوں جان نثارانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، کفار مکہ کی آتش عداوت بھڑکتی گئی اور انہوں نے حق کی اس آواز کو خاموش کرنے کے لیے سفاکیوں اور اذیت رسانیوں کے تمام حربے استعمال کیے لیکن اپنے مقصد کے حصول میں انہیں ناکامی ہوئی۔ جب معاملہ حد سے تجاوز کرگیا اور مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا تو آپ نے اپنے لیے خود حفاظتی تدابیر اختیار فرمائیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کو نیند نہیں آرہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کاش میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا۔ اتنے میں ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' آواز آئی ''یا رسول اللہ! میں سعدؓ بن ابی وقاصؓ ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں آئے؟'' عرض کی:

﴿وَقَعَ فِي نَفْسِي خَوْفٌ عَلىٰ رَسُولِ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم، فَجِئْتُ أَحْرُسُهُ، فَدَعَالَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ نَامَ﴾

''میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خوف آیا، اس لیے میں آپ کے لیے پہرہ دینے کے لیے آیا ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بہت دعائیں دیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے۔''(۱)

علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالے سے اس طرح نقل کیا ہے کہ:

''خبر صحیح میں یہ روایت ہے کہ ہم اسی حال میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''کون ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ہم سعد! اور حذیفہؓ ہیں، آپ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ پھر آپ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، اور یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا:''اے لوگو! واپس جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔''(۲)

جس آیت میں آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا وہ آیت یہ ہے

﴿يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ، وَاللّٰهُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِيْنَ﴾(۳)

''اے رسول! جو کچھ تیرے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا

۱۔ بخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۵، ۷۲۳۱، مسلم رقم الحدیث: ۲۴۱۳۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۸۶، مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۱۴۱، رقم الحدیث: ۲۵۱۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲ /۸۸، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۴/ ۲۰۰، کنز العمال: ۱۳، رقم الحدیث: ۳۶۶۴۷

۲۔ تفسیر قرطبی: ۶/ ۱۸۰

۳۔ المائدہ: ۶۷

ہے اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ
نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر)
سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔"

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا ہی سے امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی" اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔" (۱)

تب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: "لوگو! واپس جاؤ، بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔" (۲)

ایک اور روایت میں سیدنا ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عباسؓ ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت (سورۃ المائدہ: ٦٧) نازل ہوئی "اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ فرمائے گا" تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفاظت کے انتظام کو ترک کر دیا۔ (۳)

اسی سلسلہ کی ایک روایت ہم اس سے قبل بھی نقل کر چکے ہیں کہ سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ واپس آئے۔ ایک وادی جس میں خار دار درخت بہت زیادہ تھے، اس میں انہوں نے دوپہر کو قیام کیا۔ مسلمان درختوں کے سایہ میں منتشر ہو کر آرام کرنے لگے جب کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سو گئے، اچانک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بلایا۔ ہم آپ کے پاس پہنچے تو ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں سویا ہوا تھا، اس شخص نے میری تلوار نکال لی۔ میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ

۱۔ المائدہ: ٦٧

۲۔ سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۰۵۷، مستدرک حاکم: ۲/ ۳۱۳

۳۔ طبرانی معجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۳۴، معجم صغیر، باب من اسمہ حمد: ج ۱، المکتب الاسلامی، بیروت، رقم الحدیث: ۴۱۸، مجمع الزوائد: ۷/ ۱۷

میں بے نیام تھی، اور یہ مجھ سے کہنے لگا: ''آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟'' میں نے کہا: ''اللہ! یہ وہ شخص بیٹھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہ دی۔'' (۱)

علامہ حلبیؒ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس شخص کا نام غویرث بن الحارث تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کیا میں تمہارے لیے محمد (ﷺ) کو قتل نہ کر دوں؟'' انہوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' تم اس کو کیسے قتل کرو گے؟'' اس نے کہا: ''میں ان کی غفلت میں ان کے پاس جاؤں گا۔'' چنانچہ وہ سرکار دو عالم کے پاس گیا۔ اس وقت تلوار آپ ﷺ کی گود میں تھی۔ اس نے کہا: ''اے محمد ﷺ! ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیں۔'' پھر تلوار آپ ﷺ کی گود سے لے کر آپ ﷺ پر سونت لی اور کہنے لگا: ''اے محمد ﷺ! آپ ﷺ مجھ سے ڈرتے نہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ اللہ مجھے تم سے بچائے گا۔'' پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو تلوار دے دی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس سے تلوار لے کر فرمایا: ''اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' اس نے کہا: ''آپ بہتر بدلہ لینے والے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔'' اس نے کہا: ''میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا: ''میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔'' پھر وہ مشرف باسلام ہو گیا اور اس کو صحابی رسول ہونے کا شرف حاصل ہوا۔'' (۲)

۱۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع، رقم الحدیث: ۴۱۳۵، سیرت ابن ھشام: ۳ / ۲۲۷، طبقات ابن سعد: ۲ / ۶۱

۲۔ انسان العیون: ۲ / ۵۷۴، فتح الباری: ۷ / ۳۲۸

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اس آیت کے نزول سے قبل زندگی کے عام معمولات میں بھی صحابہ کرامؓ آپ کی حفاظت کی غرض سے آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

چنانچہ سیدنا انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے:

﴿كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ، فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً مِنْ مَّاءٍ وَعَنَزَةً﴾ (۱)

"جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو میں اور ایک اور لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ لے کر آپ ﷺ کے ساتھ چلتے تھے۔"

یہ پانی کا برتن استنجا کے لیے اور نیزہ آپ کی حفاظت کے لیے ہوتا تھا۔

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد اپنی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ انتظامی امور کے لیے محافظ اور دربان رکھے جیسا کہ واقعہ ایلا میں مذکور ہے۔

یہ واقعۂ ایلا سنہ ۹ھ میں پیش آیا۔ اس وقت دور دراز کے علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگین ہو چکے تھے اور مالِ غنیمت اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ مدینہ میں آتا رہتا تھا، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ کی گھریلو زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی

ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں آئے روز فاقہ رہتا تھا جبکہ ازواجِ مطہرات میں بڑے بڑے رؤسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں جو اس سے قبل اپنے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کر کے آئیں تھیں۔ انہوں نے مال و دولت

۱۔ بخاری، کتاب الوضوء، باب لطهوره من حمل معه الماء، رقم الحديث: ۱۵۲، مسلم، کتاب الطهارت، باب الاستنجاء بالماء من التبرز، رقم الحديث: ۲۷۱، مسند احمد رقم الحديث: ۳ / ۱۷۱

کی یہ فراوانی دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خانگی مصارف میں اضافہ کی خواہش کا اظہار کیا۔

سیدنا عمرؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ کو سمجھایا کہ تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصارف کا تقاضا نہ کرو۔ جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو۔ بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا لحاظ فرماتے ہیں ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ بعدازیں آپ ایک اور بیوی کے دروازہ پر گئے اور انہیں بھی سمجھایا۔ سیدہ ام سلمہؓ نے کہا: ''عمر! تم ہر شئی میں تو دخل دیتے ہی تھے اب آپ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل اندازی شروع کر دی۔ سیدنا عمرؓ اس بات سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ادھر ادھر آپ کی ازواج مطہرات بیٹھی ہیں اور خانگی مصارف کی تعداد بڑھانے پر مصر ہیں۔ دونوں حضرات اپنی اپنی صاحبزادیوں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم آئندہ آپ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

اگرچہ یہ دونوں اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گئیں لیکن دیگر ازواج مطہراتؓ اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلو مبارک پر ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی جس سے آپ کو خاصی تکلیف تھی۔ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ کے متصل ایک بالا خانہ تھا جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ منافقین جو بات کا بتنگڑ بنانے میں خاصے مشہور تھے، انہوں نے مشہور کر دیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص مضطرب تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں جمع ہو گئے اور ازواج مطہرات رو رہی تھیں۔

سیدنا عمرؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فوراً مسجد نبوی میں آئے۔ دیکھا کہ تمام صحابہؓ افسردہ بیٹھے ہیں۔ خدمت اقدس میں دو دفعہ باریابی کی اجازت چاہی لیکن اجازت نہ ملی۔ تیسری مرتبہ اجازت مل گئی۔ روایات میں ہے کہ حضرت رباحؓ دروازے پر دربان کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ قَدْ صَعَدَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ وَعَلَى بَابِ

المشْرَبَةِ وَصِيفٌ فَأَتَيْتُهُ، فَقُلْتُ اسْتَأْذِنْ لِي، فَأَذِنَ لِي﴾(۱)

''اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالا خانہ میں چلے گئے تھے، اور بالا خانے کے دروازے پر ایک دربان تھا۔ میں نے اس سے جا کر کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہونے کی اجازت دے دو۔ اس نے مجھے اجازت دے دی۔''

میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں۔ جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو توشہ دان میں چند مٹی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر آنکھیں بھر آئیں اور پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟'' ارشاد فرمایا: ''نہیں تو۔'' عرض کی: ''میں یہ خوش خبری دوسرے مسلمانوں کو نہ سنا دوں؟'' فرمایا: ''سنا دو۔'' چنانچہ سیدنا عمرؓ نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

خلاصہ یہ کہ انتظامی ضرورت کے تحت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربان اور محافظ رکھے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حفاظتی تدابیر خلاف توکل نہیں۔ جو لوگ انہیں خلاف توکل سمجھتے ہیں وہ توکل کے معنی سے ناآشنا ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: ''یا رسول اللہ! کیا میں اونٹ باندھوں اور توکل کروں یا اونٹ کھول کر توکل کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ﴾(۲)

''باندھ کر توکل کرو۔''

اس کا مطلب ہے تمام اسباب مہیا کر کے پھر توکل کرو۔ اسباب کو اختیار نہ کرنا مذکورہ بالا حدیث کے خلاف ہے۔

۱۔ بخاری، کتاب اللباس، رقم الحدیث: ۵۵۰۵، مسلم، کتاب الطلاق، باب فی الایلاء و اعتزال النسآء وتخییرھن وقولہ تعالیٰ وان تظاھرا علیہ، رقم الحدیث: ۱۴۷۹

۲۔ ترمذی، باب حدیث اعقلھا وتوکل، ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۲۵۱۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا جواب دینا

سرکار دو عالم ﷺ کی خصوصیات اور امتیازات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب کفار عرب نے (العیاذ باللہ) ساحر، مجنون اور شاعر وغیرہ کے جھوٹے القابات سے آپ پر طعنہ زنی شروع کی تو سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے آپ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو جوابات دیئے اور ان کی تردید کی۔ آپ سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام پر جب ان کی امت دعوت نے ان پر جھوٹ باندھے اور ان پر مختلف قسم کی الزام تراشی کی تو ان انبیاء علیہم السلام نے خود اپنا دفاع کرتے ہوئے ان کی تردید کی، مثلاً قرآن حکیم میں سیدنا نوح علیہ السلام کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

﴿قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ، قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۱)

”ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: (اے نوح!) ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ آپ نے (جواب میں) کہا: اے میری قوم! مجھ کو ذرہ برابر گمراہی نہیں ہے، میں تو رسول ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔“

اسی طرح سیدنا ہود علیہ السلام کی طرف سے حکایتاً بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ الاعراف: ۶۱،۶۰

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ، قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۱)

''ان کی قوم کے وہ سردار جو کافر تھے، کہنے لگے کہ (اے ہود!) ہم تو تمہیں نادان اور بے وقوف خیال کرتے ہیں اور ہم تمہیں جھوٹوں میں سے بھی گمان کرتے ہیں۔ ہود نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی نادانی نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔''

یہ صرف دو انبیاء علیہم السلام کا ہم نے ذکر کیا ہے، وگرنہ جتنے انبیاء کا ذکر بھی قرآن حکیم میں آیا ہے جن پر قوم نے جھوٹ باندھا اور انہیں نادان، اور گمراہ وغیرہ کہا تو ان نبیوں نے خود اپنا دفاع کیا لیکن جب کفار مکہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مختلف قسم کے الزامات لگائے اور آپ کو مجنون، شاعر، کاہن اور جادوگر کہا تو بجائے اس بات کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دفاع میں کچھ فرماتے، حق تعالیٰ شانہ نے آپ کا دفاع فرمایا۔ یہ آپ کی ایک بہت بڑی خصوصیت اور عظیم الشان منقبت اور عظمت ہے۔ چنانچہ آپ کو جب کفار نے (العیاذ باللہ) مجنون وغیرہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ان کا خود رد کیا:

﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ، وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ، وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ، وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ، فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (۲)

''اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون نہیں ہے، شک وشبہ کے بغیر اس نے اس قاصد (رسول یعنی جبرئیل) کو دیکھا ہے روشن کنارے پر اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے، اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں، پھر تم کدھر (منہ اٹھائے) چلے جا رہے ہو، نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب اہل جہان کے لیے۔''

۱۔ الاعراف: ۶۶۔۶۷

۲۔ التکویر: ۲۲۔۲۷

ایک اور مقام پر سرکار دو عالم ﷺ کے جادوگر، کاہن اور مجنون (العیاذ باللہ) ہونے کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ﴾ (۱)

''پس آپ سمجھا دیں کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا (کاہن) ہے اور نہ دیوانہ۔''

بتایا یہ کہ آپ ان کو برا بھلا سمجھاتے رہیے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہیے، ان کی بکواس سے پریشان نہ ہوں، جب آپ اللہ کے فضل و رحمت سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون بلکہ اس کے مقدس رسول ہیں، یہ لوگ احمق ہیں جو آپ کو کبھی کاہن کہتے ہیں اور کبھی (العیاذ باللہ) مجنون۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے ہیں کہ آج تک کسی کاہن اور دیوانے نے ایسی اعلیٰ درجہ کی نصیحتیں اور حکیمانہ اصول اس طرح کے صاف، شستہ اور شائستہ طرز میں بیان کیے ہیں؟

ایسا ہی جب مخالفین نے آپ کو شاعر ہونے کا طعنہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے شاعر ہونے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ (۲)

''اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے (رسول) کو شعر اور نہ یہ ان کے شایانِ شان ہے۔''

مختصر یہ کہ اس قسم کی بہت سی آیات قرآن حکیم میں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر، کاہن اور مجنون وغیرہ ہونے کی نفی کر کے آپ ﷺ کا دفاع فرمایا ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ الطور: ۲۹

۲۔ یٰس: ۶۹

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا مستجاب الدعوات ہونا

ویسے تو ہر نبی اکثر و بیشتر مستجاب الدعوات ہوتا ہے، لیکن سرکار دو عالم ﷺ ہمہ وقت مستجاب الدعوات تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا فرماتے حق تعالیٰ شانہ آپ کی اس دعا کو اکثر و بیشتر قبول فرما لیتے۔ حدیث میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو خود بھی کہا:

﴿فَصَلِّ عَلَيْهِمْ، اِنَّ صَلَاتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ﴾ (۱)

''پس آپ ان کے لیے دعا کریں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہوگی۔''

اسی وجہ سے لوگ ہر وقت آپ ﷺ سے دعا کے متمنی ہوتے اور آپ بھی دعا کرنے میں بخل سے کام نہ لیتے۔ مختلف غرض مند حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ ان کے لیے دعا فرماتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ بغیر کسی کے کہنے کے خود دعا فرماتے۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کے بارے میں ان الفاظ میں دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَّاهْدِهِ وَاهْدِ بِهِ﴾

''اے اللہ! معاویہؓ کو لوگوں کے لیے ہدایت دینے والا بنا دے اور اسے ہدایت یافتہ فرما اور اس کو ہدایت دے اور اس کو دوسروں کے

۱۔ توبہ: ۱۰۳

لیے ذریعہ ہدایت بنا۔'' (۱)

ہدایت کی یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ اور سیدنا جریر بن عبداللہ بجلیؓ کے لیے بھی فرمائی تھی، چنانچہ سیدنا علیؓ جب یمن کو روانہ ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

﴿اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهُ وَاهْدِ قَلْبَهُ﴾ (۲)

''اے اللہ! اس کی زبان کو ثبات عطا فرما اور اس کے قلب کو ہدایت سے نواز۔''

اسی طرح سیدنا جریر بن عبداللہ بجلیؓ کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قبیلہ خثعم کے کعبہ یمانیہ کو گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ انہوں نے عرض کی:

''یا رسول اللہ! میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا۔'' یہ سن کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَهَا﴾

''اے اللہ! اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کی۔'' (۳)

ایک اور روایت سیدنا معاویہؓ کے بارے میں سیدنا عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کے بارے میں یہ دعا فرمائی:

۱۔ التاریخ الکبیر بخاری: ۴/ ۳۲۷، المعجم الاوسط، طبرانی: ۱/ ۳۸۰، ترمذی، کتاب المناقب، باب لمعاویة بن ابی سفیانؓ: ۲/ ۲۱۱، اسدالغابہ: ۴/ ۳۴۶، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲۱، تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/ ۳۱۹، حلیة الاولیاء لابی نعیم: ۸/ ۳۵۸، طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۵۶، تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ۲/ ۱۰۳

۲۔ البدایہ والنہایہ: ۵/ ۱۰۷

۳۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۵۶، مصنف لابن ابی شیبہ: ۲/ ۱۵۳

﴿اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ﴾
''اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔''(۱)

علم الکتاب کی یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں بھی فرمائی تھی۔

﴿اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(۲)
''اے اللہ عبداللہ کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما۔''

ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

﴿يَا مُعَاوِيَةُ! اِنْ وُلِّيتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاعْدِلْ﴾
''اے معاویہ! اگر تجھے امور خلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔''(۳)

علامہ ابن اثیر اور حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ وغیرہ نے یہ لفاظ نقل کیے ہیں۔

﴿يَا مُعَاوِيَةُ! اِنْ وُلِّيتَ فَاَحْسِنْ﴾
''اے معاویہ! اگر امور مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آنا اور امور خلافت کو احسن طریقے سے

۱۔ مسند احمد : ۴ / ۱۲۷ ،تاریخ الاسلام ذھبی: ۲ / ۳۱۸ ،البدایہ والنہایہ : ۸ / ۱۲۱ ،کنز العمال: ۷ / ۸۷ الاستیعاب: ۳ / ۳۸۱ ، انساب الاشراف بلاذری: ۴ / ۱۰۷ ، مجمع الزوائد ھیثمی: ۹ / ۳۵۶، صحیح ابن حبان: ۱۰ / ۱۶۹ ، الاصابہ : ۱ / ۳۷۵

۲۔ بخاری : ۱ / ۵۳۱، مسلم : ۲ / ۲۹۸

۳۔ البدایہ والنہایہ: ۸ / ۱۲۳ ، مجمع الزوائد: ۵ / ۱۸۶ ، ۹ / ۳۵۵ ، مسند احمد : ۸ / ۱۰ ، تطہیر الجنان: ص ۱۸ ، دلائل النبوۃ: ۶ / ۴۴۶

انجام دینا۔'' (۱)

سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے یہ کلمات فرمائے تھے اسی روز سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت سرکار دو عالم ﷺ کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔ چنانچہ علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ مملکت اسلامیہ کے جو خلیفہ ہوئے وہ سید دو عالم ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ (۲)

آپ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت کے بارے میں بھی نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّ مُعَاوِيَةَ لَا يُصَارِعُ أَحَداً إِلاَّ صَرَعَهُ مُعَاوِيَةُ﴾ (۳)

''معاویہؓ سے جو بھی نبرد آزما ہوگا معاویہؓ اسے پچھاڑ دے گا۔''

یہ تو آپ ﷺ نے سیدنا معاویہؓ کے لیے دنیا کی کامیابی و کامرانی کے لیے دعا فرمائی تھی اور بشارت دی تھی۔ آخرت میں آپ پر انعام الٰہی کا ذکر فرماتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

﴿يَبْعَثُ اللّٰهُ تَعَالٰى مُعَاوِيَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهِ رِدَآءٌ مِنَ الإِيْمَانِ﴾ (٤)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز معاویہؓ کو اس حالت میں اٹھائیں گے کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہو گی۔ (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)''

۱۔ المصنف لابن ابی شیبہ: ۱۱/۱۴۷، اسد الغابہ: ۴/۳۸۷، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۲۳، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانیؒ: ۴/۱۰۸

۲۔ نسیم الریاض: ۳/۱۲۶

۳۔ کنز العمال: ۷/۸۷

٤۔ کنز العمال: ۲/۱۹۰

علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہؓ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹا لیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میرا پیٹ اور میرا سینہ آپ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔''

یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿اَللّٰھُمَّ امْلَأْهُ علماً. وَزَادَ اَبُوْ مَسھرٍ وَحِلْمًا﴾

''اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے، اور ابو مسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی، یعنی اے اللہ! اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم دونوں سے بھر دے۔'' (۱)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے حضور رحمت عالم ﷺ اکثر و بیشتر بغیر کسی درخواست کے خود دعا فرماتے جیسا کہ سیدنا معاویہؓ کے بارے میں آپ نے یہ دعائیں کیں۔ اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے

﴿وَلَا ارْتِیَابَ اَنَّ دُعَآءَ النَّبِیِّ ﷺ مُسْتَجَابٌ فَمَنْ کَانَ ھٰذَا حَالُهٗ فَکَیْفَ یُرْتَابُ فِیْ حَقِّهٖ﴾ (۲)

''اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے، لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارے میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جا سکتا ہے۔''

۱۔ تاریخ الاسلام ذھبی: ۲/۳۱۹، التاریخ الکبیر للبخاری: ۴/۱۸

۲۔ مرقات: ۱۱/۱۳۸

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے اثرات کئی پشتوں تک رہتے۔ چنانچہ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَ إِذَا دَعَا لِرَجُلٍ أَصَابَتْهُ وَأَصَابَتْ وَلَدَهُ وَ وَلَدَ وَلَدِهٖ﴾ (١)

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کسی کے لیے دعا فرماتے تو اس دعا کے اثرات اس شخص اور اس کی اولاد اور پھر اس کی اولاد کی اولاد کو بھی پہنچتے۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کے چند واقعات:

ذیل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ کس قدر مستجاب الدعوات تھے۔

سیدنا عمرؓ کے اسلام کے لیے دعا:

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین مکہ میں جونہی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو اہل مکہ آپ کے سخت دشمن ہو گئے، اور جس کو اس سے قبل ''الصادق الامین'' کے القاب سے یاد کرتے تھے، اس کو کاہن اور شاعر کہنے لگے۔ بعض لوگوں نے آپ کو جادوگر بھی کہا لیکن جو کھلم کھلا دشمنی کا اظہار ابوجہل اور عمر بن خطاب نے کیا، پورے مکہ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی میں پیش پیش تھے۔ جب ان کی دشمنی حد سے بڑھ گئی تو اب لسان نبوت نے وہ حربہ اختیار کیا جس کے وار کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان دونوں کے لیے یہ دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ﴾

١۔ مسند احمد: ٥ / ٣٨٥، مصنف ابن ابی شیبہ: ٦ / ٩٣

''اے اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعہ اسلام کو عزت اور تقویت عطا فرما۔'' (۱)

الاصابہ باب عمر بن خطابؓ میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مسند ابی یعلی اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ہے۔ (۲)

امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ یہ روایت حاکم، طبرانی، ابن ماجہ، مسند احمدؒ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔ ابن ماجہ اور حاکم کی روایت جو سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمرؓ کا نام لیا تھا۔ (ابن ماجہ ص ۱۱) ادھر آپ کے منہ سے یہ دعا نکلی ادھر سیدنا عمرؓ کی ہدایت کے اسباب پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ بعثت نبوی سے کچھ عرصہ بعد وہ ایک صنم کدہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا اور اسے ذبح کیا اور اس کے ذبح ہوتے ہی ایک چیخنے والے کی آواز سنائی دی:

﴿یَا آلَ ذَرِیْحٍ! اَمْرٌ نَجِیْحٌ، رَجُلٌ یَصِیْحُ، بِلِسَانٍ فَصِیْحٍ، یَدْعُو اِلٰی شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾

''اے آل ذریح! ایک کامیاب بات ہے کہ ایک مرد ہے جو فصیح زبان سے اعلان کر رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے رسول ہیں۔''

یہ آواز سن کر لوگ تو بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں وہیں کھڑا رہا تاکہ دیکھوں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، لیکن پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ کے تھوڑا ہی عرصہ بعد یہ مشہور ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہونے کے مدعی ہیں۔ (۳)

اس غائبانہ آواز نے سیدنا عمرؓ کے دل و دماغ پر کیا اثر چھوڑا، اگرچہ سیدنا عمرؓ

۱۔ ترمذی: ۲ / ۲۰۹، طبقات ابن سعد: ۳ / ۱۹۱، ابن حبان: ۱۵ / ۳۰۵، طبرانی اوسط: ۵ / ۸۸

۲۔ ملاحظہ ہو مسند عبد بن حمید: ۱ / ۲۴۵

۳۔ بخاری: ۱ / ۴۵۶، فتح الباری: ۷ / ۱۳۸، زرقانی: ۱ / ۲۷۶

نے اس کو خود تو بیان نہیں کیا، لیکن آواز کے نشیب و فراز اور واقعات کی کروٹیں بتا رہی ہیں کہ اسلام کے اثرات قلب عمر میں منقش ہو چکے تھے۔ چنانچہ اب ان کا رویہ اہل اسلام کے بارے میں پہلے جیسا نہ رہا بلکہ مختلف ہو گیا۔ سختی کے بجائے اب اس میں نرمی آ گئی۔ آپ کے اپنے قبیلے کی ایک عورت لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ جو السابقون الاولون میں سے ہیں، فرماتی ہیں کہ مکہ میں ہم پر ظلم و ستم ڈھانے والے کافروں میں عمر بن خطابؓ سب سے زیادہ شدید تھے۔ جب ہم نے ہجرت حبشہ کا فیصلہ کیا تو عمرؓ میرے پاس سے گزرے۔ میں رخت سفر باندھ رہی تھی۔ میرے شوہر عامر بن ربیعہؓ کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے اور میرا شیر خوار بیٹا عبداللہ کھیل رہا تھا۔ عمر نے کھڑے ہو کر پوچھا: ''ام عبداللہ! کدھر کا ارادہ ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''تم لوگوں نے خدا کے دین کی پاداش میں ہم پر مکہ کی سرزمین تنگ کر دی ہے، لیکن اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ ہم گھر بار چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' لیلیٰ فرماتی ہیں کہ میری یہ بات سن کر عمر نے ٹھنڈی آہ بھری اور صرف اتنا کہا: ''صَحِبَكُمُ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تمہارا ساتھی اور حامی ہو۔ پھر وہ چلے گئے۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں رقت اور نمناکی پیدا ہو گئی جو قبل ازیں میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی، اور انہیں ہمارے مکہ سے جانے کا سخت ملال تھا۔ جب میرے خاوند عامر بن ربیعہؓ واپس آئے تو میں نے انہیں یہ واقعہ سنایا۔ وہ کہنے لگے: ''امید رکھو، عمر اسلام میں داخل ہو جائے گا۔'' (۱)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے رویہ اور مزاج میں مسلمانوں کے بارے میں کافی تبدیلی آ چکی تھی اور اب مسلمانوں سے دشمنی محبت میں تبدیل ہو رہی تھی، اور اب انہیں اذیتیں دینے کے بجائے ان کے لیے دعائیں کی جا رہی تھیں۔ اور شاید ابھی تک انہیں داعی اسلام سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آمنا سامنا کرنے کے لیے میں گھر سے نکلا۔ آپ بڑھ کر مسجد میں داخل ہوئے میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کر دی اور اس میں سورۃ الحاقہ کی تلاوت شروع کر دی۔ میں کھڑا سنتا رہا یہاں تک کہ قرآن حکیم کے نظم و

۱۔ البدایہ والنہایہ: ۳ / ۷۹

اسلوب نے مجھے انتہائی حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ''بخدا! جیسا کہ قریش کہتے ہیں یہ شخص واقعی شاعر ہے۔ میں دل میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ، وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ، قَلِيْلًا مَّاتُؤْمِنُوْنَ﴾

یہ ایک بزرگ اور کریم رسول کا کلام ہے، یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔ میں نے کہا یہ تو پھر کاہن ہے، تبھی تو یہ میرے دل کی بات جان گیا ہے، لیکن اس کے بعد ہی آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ، قَلِيْلًا مَّاتَذَكَّرُوْنَ، تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

''یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔''

جب یہ سورت آپ ﷺ نے ختم کی:

﴿فَوَقَعَ فِیْ قَلْبِیْ الْإِسْلَامُ كُلَّ مَوْقِعٍ﴾ (۱)

''اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔''

یہ ہے آپ کے اسلام لانے کا اصل واقعہ جس کو سیدنا عمرؓ نے خود اپنی زبان سے بیان فرمایا ہے۔ اور بخاری اور مسند احمد بن حنبل جیسی معتبر کتابوں کی روایات میں بتایا گیا ہے۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سیدنا عمرؓ کا اسلام رسول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ اور آپ ﷺ کی یہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی۔ آپ کی دعا تھی: ''اے اللہ! عمر بن خطاب سے اسلام کو تقویت وعزت دے۔'' سیدنا عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی کہ آج بھی پوری دنیا اس کی معترف ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

۱۔ مسند احمد: ۱ / ۱۷، تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۹

﴿مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ﴾ (۱)

''عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہو گئی۔''

ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ان الفاظ میں منقول ہے۔

''عمرؓ کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی، آپ کی ہجرت نصرت تھی اور آپ کی خلافت رحمت۔ ہم میں وہ ہمت وطاقت نہیں تھی کہ بیت اللہ میں نماز پڑھ سکیں لیکن جب سیدنا عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جدال وقتال کیا کہ انہوں نے عاجز آ کر ہمارا پیچھا چھوڑ دیا اور ہم بیت اللہ میں نہایت سکون واطمینان سے نماز پڑھنے لگے۔'' (۲)

سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں:

''جب سے عمرؓ اسلام لائے تب سے اسلام کی حالت ایک ایسے اقبال مند شخص کی سی ہو گئی جس کا ہر قدم ترقی کی جانب اٹھتا ہو، اور جب آپ نے جام شہادت نوش فرمایا تو اسلام کے عروج اور ترقی میں کمی آتی گئی اور اس کا ہر قدم پیچھے کی جانب پڑنے لگا۔'' (۳)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے لیے رزق کی دعا:

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نے کیسۂ فضل وکمال کو علمی زر وجواہر سے پُر کر دیا تھا۔ اصابت رائے، خوف خدا، تقویٰ، حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صدق وعفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان

۱۔ بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب، ابی حفص الوشی العدویؓ، رقم الحدیث: ۳۶۸۴

۲۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۷۰، تاریخ الخلفاء: ص ۱۱۵

۳۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۷۱، تاریخ الخلفاء: ص ۱۱۵

کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔ خوف خدا کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ہر واقعہ ان کے لیے واقعۂ عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت وجلال کو یاد کر کے اکثر رونے لگتے۔ ایک دفعہ دن بھر روزہ سے تھے۔ شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر و فاقہ یاد آ گیا۔ فرمایا: مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے۔ وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی۔ اس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے حالانکہ وہ بھی مجھ سے بہتر تھے لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہوگئی اور ہمیں اس قدر دنیوی نعمتیں اور آسائشیں عطا کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں مل گیا ہے۔ اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ (۱)

یہی سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں اور سیدنا سعد بن ربیعؓ میں بھائی چارہ کرا دیا۔ اس مؤاخات کے بعد سیدنا سعدؓ نے چاہا کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ ان کے مال اور بیویوں میں سے نصف کے شریک ہو جائیں یہاں تک کہ وہ اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دیں اور عبدالرحمٰن اس سے شادی کر لیں۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان کی اس پیش کش کے جواب میں فرمایا: "بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْ اَهْلِکَ وَمَالِکَ" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے۔ تو مجھ کو صرف یہ بتا دے کہ بازار کدھر ہے۔ چنانچہ یہ بازار گئے اور معمولی سا مال خرید کر اتنا نفع حاصل کر لیا کہ اس سے کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر اپنے گھر واپس آئے۔ دوسرے روز پھر مارکیٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت ہوئی، اور آپ کی دعا کے اثر سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ اتنے مال دار ہو گئے کہ ابن شہاب زہری کے بیان کے مطابق چار لاکھ دینار تو انہوں نے صدقہ و خیرات میں صرف کیے اور پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ جہاد کے لیے لوگوں کو دیئے۔ ان کا یہ سب مال تجارت کی کمائی کا تھا۔

امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی بیویوں نے جب ان کے ترکہ میں

۱۔ رواه الترمذی، فی غزوة احد، رقم الحدیث: ۹۳۷

آٹھواں حصہ باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں تین لاکھ بیس ہزار آیا۔ زہری ہی کا بیان ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے بدری صحابہ کرامؓ کے لیے وصیت کی کہ ان میں سے ہر شخص کو چار سو دینار دیئے جائیں۔ چنانچہ جب بدری صحابہ کرامؓ کو شمار کیا گیا تو ان کی تعداد سو تھی۔ (۱)

ایک مرتبہ سات سو اونٹوں پر گیہوں، آٹا اور دوسری اشیاء خوردنی مدینہ میں آئیں۔ اس قافلہ کی آمد سے مدینہ میں شور مچ گیا۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے اونٹوں کا یہ پورا قافلہ مع مال و اسباب بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا میں تقسیم کر دیا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے وفات کے وقت پچاس ہزار دینار ایک ہزار گھوڑے راہ خدا میں وقف کیے۔ امہات المومنینؓ کے لیے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ تجارت کے علاوہ زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر تھا۔ صرف جرف کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اتنی برکت ہوئی کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو اس کے نیچے سے بھی سونا نکل آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لیے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے۔ سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی چھوڑیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ جائداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ (۳)

سیدنا ابن عباسؓ کے لیے علم و حکمت کی دعا:

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے لیکن عمر میں ان سے بہت چھوٹے تھے۔ آپ ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۲۔۱۳ سال

۱۔ اسد الغابہ: ۳/۳۱۷

۲۔ الاستیعاب: ۲/۴۰۳

۳۔ اسد الغابہ: ۳/۳۱۷

تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے لیے مختلف مواقع پر علم وحکمت کی دعا کی۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ عَلِّمِ الْحِكْمَةَ. وَفِیْ رِوَايَةٍ عَلِّمِ الْحِكْمَةَ وَتَأْوِيْلَ الْكِتَابِ﴾

''اے اللہ! عبداللہ کو حکمت اور دانائی عطا فرما۔''(۱)

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ بیت الخلاء تشریف لے گئے۔ میں نے آپ کے لیے پانی بھر کر رکھ دیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو پانی رکھا ہوا دیکھ کر دریافت فرمایا۔ یہ پانی کس نے بھرا ہے؟ بتایا گیا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے۔ آپ نے اس وقت خوش ہو کر دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ﴾

''اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما۔''(۲)

آپ ﷺ کی اس دعا کے اثرات ظاہر ہوئے اور لوگ انہیں ''حبر الامت'' کہنے لگے۔ ان کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابن عباسؓ ہم لوگوں کی عمر میں ہوتے تو کوئی بھی انہیں عشرہ مبشرہ سے خارج نہ کر سکتا۔ سیدنا عمرؓ اکثر معاملات میں ان کو آگے بڑھاتے تھے، اور ان کو اکابر صحابہ کرامؓ میں داخل فرمایا کرتے تھے۔ اور عبداللہ بن عباسؓ کا علم تو لوگوں میں مشہور ہے۔ (وَعِلْمُ ابْنِ عَبَّاسٍ مَشْهُوْرٌ فِی الْاُمَّةِ)(۳)

۱۔ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب ذکر ابن عباسؓ، رقم الحدیث: ۳۵۴۶، ترمذی، ابواب المناقب: ۵ / ۶۸۰، معجم کبیر طبرانی، اللهم علمه الحكمة: ۱۱ / ۳۴۵، راقم الحدیث: ۱۱۹۶۱، ابن ماجه: ۱ / ۵۸

۲۔ بخاری رقم: ۱۴۳، مسند احمد: ۱ / ۳۳۵، مستدرک حاکم: ۳ / ۶۱۵، المعجم الکبیر طبرانی: ۱۰ / ۱۱۰، ابن حبان: ۱۵ / ۵۳۱

۳۔ بخاری جلد ۲ ص، مسلم: ۱ / ۲۶۸

سیدنا انس بن مالکؓ کے لیے مال واولاد کی دعا:

سیدنا انس بن مالکؓ سیدہ ام سلیمؓ کے صاحبزادے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ سیدہ ام سلیمؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے گھر والوں کے لیے خیر وبرکت کی دعا کی جن میں خصوصی طور پر سیدنا انس بن مالکؓ بھی تھے جنہوں نے دس سال تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! انس آپ کا خدمت گزار ہے۔ اس کے لیے بارگاہِ الوہیت میں خیر وبرکت کی دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ، وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَآ اَعْطَيْتَهُ﴾

''اے اللہ! اس کے مال اولاد میں کثرت عطا فرما اور جو کچھ اسے عطا فرمایا ہے اس میں برکت عطا فرما۔''(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ، وَوَلَدَهُ، وَاَطِلْ عُمْرَهُ، وَاغْفِرْ لَهُ﴾

''اے اللہ! اس کے مال واولاد میں کثرت اور اضافہ عطا فرما، اور اس کو طویل عمر عطا فرما اور اس کی مغفرت بھی فرما۔''(۲)

سیدنا انسؓ اس دعا کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے میرا مال بہت زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ سال میں دو مرتبہ میری زمین پیداوار دیتی۔ میری اولاد بھی بہت زیادہ ہوئی کہ میں نے اپنی اولاد کے سو سے زائد افراد کو اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ میری عمر اتنی طویل اور لمبی ہوئی کہ مجھے اپنے خاندان میں حیاء محسوس

۱۔ بخاری، کتاب الدعوات، رقم الحدیث: ۵۹۸۴، ۶۰۱۸، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ: ۱ / ۴۵۷، ترمذی، ابواب المناقب: ۵ / ۶۸۲، مسند احمد: ۳ / ۱۹۳، مسند ابی یعلی: ص ۳۲۰۰

۲۔ مسند ابی یعلی موصلی: ۷ / ۲۳۳، طبقات ابن سعد: ۷ / ۱۹، مرقات: ۱۱ / ۴۱۶

ہونے لگی۔ اور آپ کی چوتھی دعا مغفرت کے بارے میں ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بھی مستجاب ہوگی۔ (۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا انسؓ نے فرمایا:

﴿فَلَقَدْ دَفَنْتُ مِنْ صُلْبِي سِوٰى وَلَدِ وَلَدِيْ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ وَمِاْئَةً، وَإِنَّ اَرْضِي يُثْمِرُ فِي السَّنَةِ مَرَّتَيْنِ، وَمَا فِي الْبَلَدِ شَيْءٌ يُثْمِرُ مَرَّتَيْنَ غَيْرَهَا﴾

"یعنی میں نے اپنی پشت سے اپنی اولاد کی اولاد کے سوا سو ۱۲۵ نفوس کو اپنے ہاتھوں دفن کیا ہے اور میری زمین سال میں دو مرتبہ پیداوار دیتی ہے، اور حالت یہ ہے کہ پورے علاقہ میں میری زمین کے سوا کسی اور شخص کی زمین سال میں دو مرتبہ پیداوار نہیں دیتی۔" (۲)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا انسؓ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا، اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ ان کی اپنی عمر ایک سو سال تھی، یہ سب نتیجہ تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا۔

سیدنا سعدؓ کی شفایابی کی دعا کرنا:

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان تھے۔ ویسے وہ خود اپنے بارے میں تیسرا مسلمان بتاتے ہیں۔ رشتہ میں آپ کے ماموں لگتے تھے کیونکہ ان کا تعلق بھی بنو زہرہ سے تھا جو آپ کے ننہال تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس رشتہ کا اعتراف فرمایا ہے (اسد الغابہ: ۲/ ۲۹۱) نہایت دلیر اور مجاہد تھے۔ قریباً ساری جنگوں میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں تو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ کفار کے نرغہ کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ترکش سے تیر دیتے اور فرماتے تھے "ارم فداک ابی وامی" اے سعد! تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔

عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے اور بعد میں فاتح ایران بھی ہوئے۔ سنہ ۱۰ھ میں

۱۔ مسند ابی یعلی: ۷/ ۲۳۳

۲۔ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۹، معجم کبیر، طبرانی: ۱/ ۲۴۸، الاصابہ: ۱/ ۱۲۸

سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کا ارادہ فرمایا تو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ کے ہم رکاب تھے لیکن مکہ مکرمہ میں سخت علیل ہو گئے یہاں تک کہ مرنے کے قریب ہو گئے اور وصیت کی تیاری بھی شروع کر دی۔ سرکار دو عالم ﷺ کو ان کی علالت کا علم ہوا تو آپ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں اس سرزمین میں نہیں مرنا چاہتا جہاں سے اللہ کے نام سے ہجرت کی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اشکبار دیکھ کر پوچھا: ''سعد! روتے کیوں ہو؟'' عرض کی: ''یا رسول اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہو گی جس کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ہمیشہ کے لیے ترک کر چکا تھا۔ آپ ﷺ نے تسلی دی اور فرمایا: ''نہیں، انشاء اللہ۔'' پھر آپ ﷺ نے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا﴾

''اے اللہ سعد رضی اللہ عنہ کو صحت اور شفا عطا فرما۔''

لسانِ نبوت سے جونہی یہ الفاظ نکلے، مریض بستر مرگ کے لیے آب حیات ثابت ہوئے، درِ استجابت کھل گیا اور صحیح اور تندرست ہو گئے۔ لسانِ نبوت نے ایک اور خوش خبری سنائی فرمایا:

''اے سعد! تم اس وقت تک نہیں مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچ جائے۔''

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد قریباً ۴۵ سال زندہ رہے یعنی ۵۵ھ میں وفات پائی اور آپ کی یہ پیش گوئی ایرانی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی جن میں ایرانیوں نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور مسلمانوں اور عربوں نے فائدہ اٹھایا۔ (۱)

۱۔ بخاری رقم الحدیث: ۵۳۳۵ ،مسلم، کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ بالثلث، رقم الحدیث: ۱۶۲۸، نسائی: ۴/ ۶۷، ابو داؤد: ۳/ ۱۸۵ ،مسند احمد: ۱/ ۱۶۸، ۱۷۱، سنن کبریٰ بیہقی: ۹/ ۱۸، شعب الایمان بیہقی، فصل فی آداب العیادۃ: ۶/ ۵۳۹ ،مسند ابی یعلی: ۲/ ۱۱۶

سیدنا سعدؓ کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا:

انہیں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفایاب ہونے کے بعد یہ دعا بھی فرمائی: ''اے اللہ! اس کی دعا مستجاب ہو، اس کا نشانہ درست اور تیر بہدف ہو۔''

چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا بھی مستجاب ہوئی۔(۱)

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی دعا کا اب یہ اثر تھا کہ وہ جس کے لیے جو دعا کرتے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی۔ چنانچہ کوفہ کی گورنری کے ایام میں بعض شریروں نے بارگاہِ فاروقی میں ان کی جھوٹی شکایت کی۔ سیدنا عمرؓ نے تحقیق احوال کے لیے انکوائری آفیسر بھیجا۔ وہ ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے سیدنا سعدؓ کے بارے میں تحقیق احوال کر رہا تھا۔ ایک محلّہ کی مسجد میں ایک شخص نے آپ کے بارے جھوٹی گواہی دی کہ:

﴿فَإِنَّ سَعْداً كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ، وَلَا يُقَسِّمُ بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ﴾

''سعدؓ مجاہدین کے دستہ کے ساتھ خود نہیں جاتے (کسی اور کو کمانڈر بنا کر بھیج دیتے ہیں) اور مال غنیمت مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے اور مقدمات کا فیصلہ عدل وانصاف سے نہیں کرتے۔''

سیدنا سعدؓ ان الزامات کے خلاف اپنی صفائی میں ہزاروں شہادتیں پیش کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے اپنا معاملہ انسانوں کے بجائے خدا کے سپرد کر دیا اور یہ دعا کی

''اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے اور اس نے نمائش اور شہرت کے لیے یہ بیان دیا ہے تو اس کی عمر دراز کر اور اس کے فقر کو طویل کر اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا۔''

آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی اور راوی کا بیان ہے کہ اس شخص کو میں نے بھی

۱۔ ترمذی: ۲/ ۲۳۹، مستدرک حاکم: ۳/ ۴۹۹، مشکوٰۃ: ص ۵۶۶

دیکھا ہے کہ اس کی عمر طویل ہوئی۔ بڈھا کھوسٹ ہو گیا۔ حالت یہ تھی کہ بھویں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں۔ راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا۔ جب اس حماقت پر اس کو تنبیہ کی جاتی تو جواب دیتا:

﴿شَيْخٌ مَفْتُونٌ، اَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ﴾ (۱)

''یعنی مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔''

احادیث وسیر کی کتابوں میں ان کی قبولیت دعا کے اور بھی کئی واقعات مرقوم ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ بخاری: ۱ / ۱۰۴

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا بارش کے لیے دعا کرنا

بارش کے لیے متعدد مرتبہ آپ نے دعائیں کیں اور ہر مرتبہ آپ کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے بارش ہوئی۔ ہجرت سے قبل ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں قحط پڑا۔ مسلمانوں نے نہیں بلکہ کافروں نے جا کر آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تو خوب بارش ہوئی۔ گویا کافر بھی یہ سمجھتے تھے کہ آپ کی دعا سے بارش ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں یہ شعر کہا تھا

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

''اور وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گورے چٹے رنگ والا ہے۔ اس کے چہرے کے وسیلہ سے ابر باراں کی سیرابی مانگی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کا ملجاء و ماویٰ ہے۔''

آپ کے بارش کے متعلق متعدد بار مانگنے کی تائید سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی بارش کی دعا مانگتے تو میں آپ کے چہرۂ انور کو تکتا رہتا اور مجھے ابو طالب کا یہ شعر یاد آتا۔ آپ دعا مانگ کر منبر سے نیچے اترنے بھی نہ پاتے تھے کہ مدینہ منورہ کا ہر پرنالہ زور شور سے بہنے لگتا۔ (۱)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے بارش ہونے کا سب سے زیادہ مستند واقعہ یہ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ سیدنا انس

۱۔ بخاری، رقم الحدیث: ۹۵۷، و ابن ماجه فی ابواب الاستسقاء، رقم الحدیث: ۱۲۵۶

بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے روز اس دروازہ کی جانب سے مسجد نبوی میں داخل ہوا جو دارالقضاء کی جانب تھا۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ یہ شخص آ کر سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کرنے لگا: ''یا رسول اللہ! قحط کی وجہ سے ہمارے اموال سب تباہ و برباد ہو گئے اور تمام راستے بند ہو گئے۔ آپ اللہ کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ باران رحمت نازل فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''اے اللہ! بارانِ رحمت نازل فرما۔'' سیدنا انس بن مالکؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ہمیں آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا تھا اور آسمان آئینہ کی طرح بالکل صاف تھا اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی آبادی اور گھر نہ تھا۔ پس ایک کھلا میدان تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ابھی آپ نے دعا فرما کر اپنے ہاتھ نیچے کیے بھی نہ تھے کہ پہاڑوں کے برابر بادل اٹھے اور آپ منبر سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی ریش مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

دوسری روایت میں یہ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی پشت کی جانب سے ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اُٹھا جو شروع میں ایک ڈھال کی طرح نظر آ رہا تھا۔ پھر جب وہ آسمان کے درمیان پہنچا تو چاروں طرف پھیل گیا۔ پھر جو برسا تو ایسا برسا کہ بخدا پورا ایک ہفتہ ہم نے سورج کی شکل تک نہ دیکھی۔ راوی کا بیان ہے کہ آئندہ جمعہ کو پھر وہی شخص اسی دروازہ سے آیا اور آپ اس وقت منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ وہ آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: ''یا رسول اللہ! بارش کی کثرت کی وجہ سے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور آمد و رفت ندی نالوں کے بھرنے سے بند ہو گئی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائیے کہ اب وہ بارش بند فرما دے۔ راوی کا بیان ہے کہ اب کی دفعہ بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَمَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ﴾

''اے اللہ! اب بارش ہمارے اردگرد ہو اور ہماری بستی (مدینہ) پر نہ ہو۔ اے اللہ! اب بارش پہاڑیوں پر، ٹیلوں پر اور وادیوں اور جنگلوں میں ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے جس جانب بھی اشارہ فرماتے جاتے اسی جانب سے بادل پھٹتے اور چھٹتے جاتے یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بادل چاروں طرف سے پھٹ گئے اور مدینہ بیچ میں تاج کی طرح نظر آنے لگا، اور وادی قنات ایک ماہ تک بہتی رہی، اور جس جانب سے کوئی شخص مدینہ میں آتا وہ بارش ہی کی خبر لے کر آتا۔ (۱)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ دلائل النبوۃ میں بسند صحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قحط سالی کی شکایت کی اور چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ تھا

وَلَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْکَ فِرَارُنَا
وَاَیْنَ فِرَارُ النَّاسِ اِلَّا اِلَی الرُّسُلِ

اور ہماری بھاگ دوڑ صرف آپ تک ہے، اور لوگ رسولوں کے علاوہ دوڑ کر اور جا بھی کہاں سکتے ہیں؟

اس اعرابی کی یہ بات سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ حمد و ثنا کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! ضرورت کے مطابق بارش برسا، خوش گوار اور خوب اگانے والی، موسلا دھار، دور دور تک، جلدی آئے دیر نہ ہو، نقصان دہ نہ ہو، ایسی جس سے جانوروں کے تھن بھر جائیں، کھیتی خوب ہو اور مردہ زمین زندہ ہو جائے۔''

خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی دعا سے ہاتھ نہیں ہٹائے تھے کہ آسمان سے دھواں دھار بارش شروع ہو گئی اور خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ لوگوں نے چیخنا

۱۔ بخاری: ۱ / ۵۰۶، مسلم صلوٰۃ الاستسقا

شروع کر دیا کہ اب ہم ڈوبے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر دعا فرمائی کہ ہم سے دور دور بارش ہو ہم پر نہ ہو۔ اس دعا پر مدینہ سے بادل چھٹ گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا: ''ابو طالب کتنے سمجھدار اور دور رس تھے۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو بہت ہی خوش ہوتے۔ کوئی ان کے اشعار پڑھ کر سنائے۔ سیدنا علیؓ نے عرض کیا: ''حضور! آپ کا اشارہ ان اشعار کی طرف ہے۔''

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

پھر انہوں نے وہ سارے اشعار پڑھ کر سنائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ (۱)

اور بعض روایات میں ہے کہ پھر بنی کنانہ کے ایک شاعر نے کچھ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''تیری حمد و ثنا ہے اور یہ حمد ہے ایک شکر گزار کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور کی وجہ سے بارانِ رحمت ہوا۔ اس نے اپنے خالق کو پکارا اور اس کی طرف نگاہ لگ گئی، چادر کے تہ کرنے کی مانند بلکہ اس سے بھی جلد بارش شروع ہوگئی، اور ہم نے بارش دیکھی اور تاڑ کر نرم زمین پر پائی جو سب علاقہ پر محیط ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مضر قوم کی مدد فرمائی، اور یہ اس طرح ہوا جیسے ان کے چچا ابو طالب نے کہا تھا کہ گورا چٹا روشن چہرہ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی۔ یہ چشم دید معاملہ ہے اور اسی طرح شنید ہے۔ جو شخص خدا کا شکر گزار ہو وہ مزید انعامات کا مستحق ہوتا ہے اور جو ناشکری کرے وہ آفتوں میں پڑے گا۔''

یہ اشعار سن کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تحسین و تعریف فرمائی۔ (۲)

۱۔ فتح الباری : ۲ / ۴۹۵، عمدۃ القاری : ۷ / ۳۱

۲۔ البدایہ والنہایہ : ۶ / ۹۰۔۹۱

اسی طرح کا ایک اور واقعہ امام بیہقیؒ نے ابو وجرہ یزید بن عبید سلمیؒ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنو فزارہ کا ایک مسلمان وفد حاضر ہوا جس میں خارجہ بن حصین اور عیینہ بن حصین کا بھتیجا حر بن قیس تھا۔ وہ رملہ بنت حارث انصاریہؓ کے احاطہ میں فروکش ہوئے۔ ان کی سواریاں نہایت لاغر، دبلی اور کمزور تھیں، اور وہ قحط سالی سے دوچار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا علاقہ خشک سالی کا شکار ہے، اہل وعیال بدحال ہیں، مال مویشی تباہ ہو گئے ہیں۔ دعا فرمائیں اور ہماری رب تعالیٰ کے پاس سفارش فرمائیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے سفارش کرے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! میں نے تو اللہ کے پاس سفارش کی مگر اللہ تعالیٰ کس سے سفارش کرے۔ اس کے بغیر تو کوئی کارساز نہیں۔ اس کی کرسی تو ارض وسماء سے بھی وسیع ہے اور اس کی عظمت وہیبت سے چرچرا رہی ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تمہاری پریشانی، تنگ دستی اور عنقریب فریاد رسی پر مسکراتا ہے۔ یہ سن کر اس اعرابی نے عرض کیا: ''کیا ہمارا پروردگار مسکراتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بالکل۔'' تو پھر اس اعرابی نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم ہنس مکھ پروردگار کی خیر وبرکت سے محروم نہ رہیں گے۔'' سرکار دو عالم ﷺ اس کی یہ بات سن کر مسکرائے اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس قدر ہاتھ بلند کیے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آئی۔ اور آپ نے یہ دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مغيثاً مَرِيْئًا مَرِيْعًا طبقاً وَاسِعًا، عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ، نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ، اَللّٰهُمَّ سَقْيًا رَحْمَةً وَلَا سَقْيًا عَذَابٍ، وَلَا هَدْمٍ وَلَا غَرَقٍ وَلَا مَحْقٍ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْاَعْدَاءِ﴾

''اے اللہ! سیراب کر اپنے بندوں کو اور اپنے جانوروں کو اور اپنی

رحمت کو پھیلا دے اور اپنی مردہ زمین کو سرسبز اور زندہ کر دے۔ اے اللہ! ہمارے اوپر بارش برسا جو فریاد کو پہنچنے والی ہو، بہت ارزانی کرنے والی، نفع دینے والی ہو، نقصان پہنچانے والی نہ ہو، اور وسیع ہو، جلدی برسنے والی ہو، دیر کرنے والی نہ ہو، اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر دے اور دشمن کے مقابلہ میں ہماری نصرت فرما۔''

لسان نبوت سے دعا کے یہ پاکیزہ اور جامع کلمات سن کر ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! کھجور سکھانے کے لیے باہر کھلی جگہ میں پڑی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بارانِ رحمت کی دعا فرمائی، اور ابولبابہ نے تین بار یہ جملہ کہا اور آپ نے بھی اسی طرح دعا کی۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خداوندا! اس قدر بارش برسا کہ ابولبابہ قمیص اتار کر خود اپنے کھلیان کا سوراخ اپنی آزار سے بند کرے۔''

واللہ! آسمان بالکل صاف تھا۔ ابر کا ایک ٹکڑا بھی آسمان پر نہ تھا۔ اس زمانہ میں مسجد نبوی اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی آبادی نہ تھی۔ سلع پہاڑ کے درے سے معمولی لکہٗ ابر نمودار ہوا جو آسمان کے وسط میں آ کر پھیل گیا اور خوب برسا اور مسلسل چھ روز تک بارش ہوتی رہی اور اس عرصہ میں سورج کی کوئی کرن نظر نہ آئی۔ ابولبابہ نے قمیض اتار کر اپنے کھلیان کا سوراخ بند کیا تاکہ سوراخ کے راستہ سے کھجور نہ بہ جائے۔ پھر ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے۔ سب راستے سیلاب اور پانی کے زور سے بند ہو گئے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس قدر دعا کے لیے ہاتھ بلند فرمائے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، اور یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! ہمارے گرد و نواح میں بارش برسا، الٰہی! ٹیلوں، پہاڑوں اور وادیوں میں بارانِ رحمت نازل فرما۔''

یہ کہنا تھا کہ بادل فوراً کپڑے کے شگاف کی طرح پھٹ گئے۔

امام بیہقی ہی نے دلائل النبوۃ میں ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جمعہ کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارانِ رحمت کی دعا کی کہ ''اے اللہ! بارش برسا (اَللّٰھُمَّ

اسقنا) اور مطلع بالکل صاف تھا۔ سیدنا ابولبابہؓ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! ابھی تو کھجور کھلیان میں پڑی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے پھر دعا فرمائی تو ابولبابہؓ نے پھر وہی عرض کیا کہ کھجور کی فصل باہر کھلیان میں پڑی ہے۔ آپ ﷺ نے پھر دعا فرمائی: ''یا اللہ! اس قدر بارش برسا کہ ابولبابہ اپنے تہ بند سے کھلیان کے سوراخ بند کرے۔ چنانچہ خوب بارش ہوئی اور آپ نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو لوگ ابولبابہؓ کے پاس آئے اور کہا: ''واللہ! بارش نہ رکے گی جب تک کہ تم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق تہ بند اتار کر اپنے کھلیان کا سوراخ بند نہ کردو۔ چنانچہ سیدنا ابولبابہؓ نے اپنے کھلیان کے سوراخ بند کیے اور بارش تھم گئی۔

غزوہ تبوک کے سفر کے دوران بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا جس کو سیدنا ابن عباسؓ سیدنا عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جنگ تبوک میں موسم شدید گرم تھا۔ ایک منزل میں یہ حال تھا کہ پیاس کے مارے دم نکلا جا رہا تھا اور اس قدر پیاس کی شدت تھی کہ اپنے پالان نظر نہیں آتے تھے اور اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کا گندہ پانی پینے پر مجبور تھے۔ یہ حالت دیکھ کر سیدنا ابوبکرؓ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرماتا ہے، لہٰذا دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہاری خواہش ہے؟'' کی: ''جی ہاں۔'' یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا۔ در بارش کے لیے دعا کی۔ دعا قبول ہوئی اور فوراً بارش آ گئی اور ہم نے سب برتن پانی سے بھر لیے۔ پھر ہم نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر پر ہی بارش ہوئی ہے اور کہیں نہیں ہوئی۔ (اس روایت کی سند قوی ہے)

واقدی کے بیان کے مطابق اس جنگ میں لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ بارہ ہزار گھوڑے اور بارہ ہزار اونٹ تھے۔ موسم سخت گرم تھا۔ اس قدر بارش ہوئی کہ تمام تالاب اور نشیب و فراز پانی سے بھر گئے۔

یہ تمام روایات حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایۃ جلد ۶ ص ۹۰۔۹۲ پر بیان کی ہیں اور سیدنا انس بن مالکؓ والی روایت بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔

امّ ابو ہریرہؓ کی ہدایت یابی کی دعا کرنا:

سیدنا ابو ہریرہؓ سید دو عالم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ اس کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ قبل از اسلام ان کا نام عبد شمس تھا۔ اسلام لانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمن رکھا اور کنیت ان کی ابو ہریرہؓ تھی۔ بچپن میں یہ اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے، اور دن کے وقت اپنی بلی سے کھیلتے رہتے۔ بخاری میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی ابو ہر یا ابو ہریرہ کہا کرتے تھے۔ ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ مجھے ابو ہریرہ نہ کہا کرو۔ حضور اکرم ﷺ نے میری کنیت ابو ہر (بلے) رکھی اور نر مادہ سے افضل ہوتا ہے۔ (۱)

سیدنا طفیل بن عمرو دوسیؓ جب اسلام لائے تو انہوں نے اپنے قبیلہ دوس میں آ کر اپنے خاندان اور قبیلہ والوں کو دعوت اسلام دی۔ خاندان کے اکثر لوگ تو مسلمان ہو گئے لیکن قبیلہ دوس میں سوائے ابو ہریرہؓ کے اور کوئی شخص مسلمان نہ ہوا۔ طفیل بن عمروؓ نے واپس آ کر سرکار دو عالم ﷺ سے اپنے قبیلہ کے لیے بددعا کی درخواست کی، لیکن آپ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ بددعا کیسے کر سکتے تھے اس لیے آپ نے بددعا کے بجائے دعا فرمائی: ''اللھم اہد دوساً'' اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت عطا فرما۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما اور اس کو آستانۂ نبوت پر جھکا دے۔'' پھر آپ نے طفیلؓ کو ہدایت فرمائی کہ واپس جا کر اپنی قوم کو نرمی اور شفقت کے ساتھ اسلام کی دعوت دو۔ چنانچہ جب انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی ہدایت کے مطابق دعوت دی تو قریباً تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا اور سیدنا طفیلؓ غزوۂ خیبر کے وقت اپنے قبیلہ کے ستر یا اسی آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں وارد ہوئے۔ (۲)

مختصر یہ کہ سیدنا ابو ہریرہؓ اپنے وطن ہی میں بہت پہلے سیدنا طفیلؓ کے ہاتھ پر

۱۔ الاستیعاب جلد ۴ ص ۴۷۶، ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۵۳، جمهرة انساب العرب ص ۳۵۸

۲۔ طبقات ابن سعد : ۴ / ۱۴۶، الاصابه : ۳ / ۲۸۷

دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔خود فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر تشریف لے گئے تھے، میں انہی دنوں وارد مدینہ ہوا۔نماز فجر سیدنا سباع بن عرفطہؓ کی اقتداء میں پڑھی جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر گئے تھے۔(۱)

مدینہ طیبہ میں آ کر دامن نبوی سے ایسے وابستہ ہوئے کہ پھر نہ جا سکے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائمی رفیق تھے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ خود تو اسلام سے وابستہ اور ہم کنار ہو گئے، ہجرت بھی فرمائی لیکن آپ کی والدہ بدستور کافرہ رہیں۔سیدنا ابو ہریرہؓ برابر اس کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن اس نے اسلام کی قبولیت سے انکار کیا۔چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ کو اس بات کا نہایت دکھ اور ملال تھا۔حسب عادت ایک روز سیدنا ابو ہریرہؓ نے اپنی والدہ کو دعوت اسلام دی لیکن اس نے اسلام قبول کرنے کے بجائے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں بکنا شروع کر دیں۔چنانچہ مسلم اور دوسری کئی ایک کتابوں میں ہے کہ:

”میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی۔ ایک روز میں نے اس کو جو اسلام کی دعوت دی تو اس نے آپ کی شان میں مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گزری۔میں روتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی:”یا رسول اللہ! میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا اور وہ نہیں مانتی تھی۔آج جب میں نے اس کو اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے آپ کو برا بھلا کہا۔بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائیے کہ وہ رحیم وکریم میری ماں کے دل کو اسلام کی طرف مائل کر دے۔اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور یوں فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِي هُرَيْرَةَ﴾

”اے اللہ! ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب فرما۔“

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۴۲۵، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۰۴

رسول اللہ ﷺ کے دعا کے لیے لب ہلے اور اجابت خداوندی نے استقبال کیا اور فوری طور پر دعا مقبول ہوئی۔ خود سیدنا ابو ہریرہؓ کو بھی آپ ﷺ کی اس دعا کی قبولیت کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ اسی وقت شاداں و فرحاں گھر کی طرف آئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں گھر کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ میری والدہ نے میرے پاؤں کی آہٹ سنی اور آواز دی۔ ابو ہریرہؓ! وہیں باہر رہنا۔ ادھر میں نے کچھ پانی گرنے کی آواز سنی۔ میں ٹھیرا رہا۔ انہوں نے غسل کیا اور اپنا کرتہ پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالنی رہ گئی اور فوراً دروازہ کھول کر مجھے فرمایا: ''ابو ہریرہ! اندر آجاؤ۔ میں اندر داخل ہوا۔ والدہ نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ میں والدہ کے منہ سے کلمۂ شہادت سن کر بہت خوش ہوا اور اسی وقت بھاگم بھاگ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب دعا کی درخواست کے لیے پہلے حاضر ہوا تھا تو اس وقت حزن وملال اور غم کے آنسو تھے۔ اب فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ جاتے ہی عرض کی: ''یا رسول اللہ! مبارک ہو، خداوند ذوالجلال نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔'' پھر میں نے درخواست کی: ''یا رسول اللہ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سب مومنوں کے دلوں میں میری اور میری والدہ کی محبت پیدا فرما دے۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ جو مومن مرد اور عورت میرے بارے میں سنتا، مجھ سے محبت کرنے لگتا۔''(۱)

قبیلہ دوس کے مسلمان ہونے کی دعا کرنا:

قریش مکہ کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی نو وارد کو مکہ میں دیکھتے تو اس کو سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے اس قدر متنفر کرنے کی کوشش کرتے کہ اگر وہ خاص سرکار دو عالم ﷺ کی ملاقات کے خیال سے مکہ مکرمہ آیا ہوتا تو وہ آپ ﷺ سے ملاقات کے بارے میں اپنا ارادہ فسخ کر دیتا۔ قریش نے جب سنا کہ طفیل بن عمرو دوسی مکہ آئے

۱۔ طبقات ابن سعد : ۴ / ۵۵، البدایہ ولنهایه : ۸ / ۱۰۴ ، سیر اعلام النبلاء: ۲ / ۴۲۸، مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۱ ، مسند احمد : ۲ / ۳۱۹ ،ابن حبان : ۱۶ /۱۰۷ ، زرقانی شرح المؤطا : ۴ / ۳۹۹ ، مستدرک حاکم : ۲ / ۶۷۷ وغیرہ

ہیں تو وہ اس بات سے بہت پریشان ہوئے کہ اگر انہوں نے محمد (ﷺ) سے ملاقات کی اور وہ ان کے گرویدہ ہو گئے تو ان کا سارا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گا کیونکہ ان کا قبیلہ ان کے خاصا زیر اثر ہے۔

سیدنا طفیلؓ خود فرماتے ہیں کہ جونہی میں نے مکہ شہر کی سرزمین میں قدم رکھا، قریش کے آدمی مجھ سے آ کر ملنے لگے اور ہر شخص مجھ سے یہی کہتا: ''طفیل! تم اس شہر میں نووارد اور مہمان ہو، اس لیے ہم تمہیں ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی خبر دار کرتے ہیں کہ یہاں محمد (ﷺ) نام کا ایک شخص ہے جس نے ہماری جمعیت اور وحدت قومی کو پراگندہ اور منتشر کر دیا ہے۔ اس کا کلام جادو بھرا ہے۔ وہ اپنی طلاقت لسانی اور سحر آمیز قوت بیانی سے باپ بیٹے بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مقدس رشتوں کے مابین جدائی کی خلیج پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے ہمارا قومی شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ تم نووارد ہونے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر اور ناآشنا ہو، اس لیے ہمیں تمہاری طرف سے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تم اس کے دام میں نہ پھنس جاؤ۔ پس یہ ہمارا تمہیں دوستانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ مکہ کے قیام کے دوران اس شخص سے دور رہو اور اس کی بات کی طرف ہرگز دھیان نہ دو۔

سیدنا طفیلؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے مجھے اس کی طرف سے اس قدر وحشت زدہ کر دیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ بالفرض اگر سر راہے آپ سے ملاقات ہو بھی جائے تو آپ کی کوئی بات نہ سن سکوں، لیکن یہ ساری باتیں بیکار ثابت ہوئیں کیونکہ دوسرے ہی روز میں نے آپ کو مسجد حرام میں بیت اللہ کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا۔ مجھے آپ کا یہ طریق عبادت بہت پسند آیا۔ میں آپ ﷺ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں اگرچہ چاہتا تھا کہ آپ کا کلام نہ سنوں لیکن آپ نماز میں جو آیات پڑھ رہے تھے وہ میرے کانوں تک پہنچ گئیں۔ جب میں نے وہ آیات سنیں تو ان میں بڑی دلآویزی اور جاذبیت معلوم ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: میں ایک شاعر، دانشور اور مبصر ہوں۔ نیک و بد میں بخوبی امتیاز کر سکتا ہوں، اچھے اور برے کو جان سکتا ہوں، لہٰذا میں آپ کا یہ کلام ضرور سنوں گا۔

جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور مسجد الحرام سے گھر کی طرف چلے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب آپ کا شانۂ نبوت پر پہنچے تو میں بھی پہنچ گیا۔ میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''آپ کی قوم نے مجھے آپ کے کلام سے اس قدر خوف زدہ کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، لیکن مشیت ایزدی نے انکار کیا کہ میں آپ کا کلام نہ سنوں۔ چنانچہ آپ کا کلام میرے کانوں میں پڑا تو بہت اچھا معلوم ہوا، لہٰذا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنا دین مجھ پر پیش کریں۔ اگر آپ کی باتوں میں حق و صداقت کی روح نظر آئی تو ضرور قبول کروں گا۔ آپ نے دین کے بنیادی اصول میرے سامنے پیش کیے۔ جو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں پیوست ہو گئے۔ پھر آپ نے قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۃ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ میں خود عربی کا ایک بہت بڑا شاعر تھا۔ محاسن کلام کو بخوبی سمجھتا تھا۔ بخدا! میں نے قرآن حکیم سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا، اور آپ کے ارشادات گرامی کے مقابلہ میں کوئی حکیمانہ تقریر نہیں سنی، اور اسلام سے زیادہ معتدل اور متوسط دین اور کوئی نہیں پایا۔ چنانچہ میں بادۂ اسلام کے ایک ہی جام سے سرشار ہو گیا اور اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

سیدنا طفیلؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ چاہتا ہوں کہ واپسی کے بعد اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نشانی عطا فرما دیں جو اس بارے میں میری معین و مددگار ہو۔ آپ نے دعا فرمائی:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَهُ آيَةً﴾

''اے اللہ! اس کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما۔''

فرماتے ہیں کہ میں آپ سے رخصت ہو کر واپس وطن پہنچا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہو گیا۔ میں نے اللہ سے دعا کی: ''اے اللہ! اس کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل فرما دے۔'' میری قوم کے لوگ کہیں اس مثلہ (شکل اور ہیئت بدل جانا) نہ سمجھ لیں، اور یہ خیال نہ کریں کہ باپ دادا کا دین چھوڑنے کی وجہ سے اس

کی شکل وصورت بدل گئی ہے یا مسخ ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری وہ دعا قبول فرمالی اور وہ نوراسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ کوڑا ایک قندیل کی مانند چمکنے لگا۔

میں رات کو گھر پہنچا۔ میرے والد ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ وہ میری آمد کی خبرسن کر علی الصبح میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں عرض کیا کہ میں آپ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بتلا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ آئندہ سے میرا اور آپ کا تعلق منقطع ہے۔ والد نے حیرانگی سے کہا: ''بیٹا! کیوں کیا ہوا؟'' میں نے عرض کی: ''میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طوق غلامی اپنی گردن میں ڈال کر ان کے دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں اور آپ کفروشرک کی نجاست اور گندگی میں آلودہ اور غلطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے والد کی قسمت میں ایمان کی دولت لکھی ہوئی تھی اس لیے کوئی تلخ جواب دینے کے بجائے فرمایا: بیٹا! وہ دین جو تم نے اختیار کیا ہے اگر وہ واقعی حق وصداقت پر مبنی ہے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ میں نے عرض کی کہ آپ فوری طور پر غسل کر کے پاک کپڑے پہنئے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور میری طرح وہ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

میری اہلیہ بھی آئیں۔ میں نے اس سے بھی کہا کہ آئندہ کے لیے میرے اور تمہارے تعلقات منقطع ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ دریافت کرنے پر میں نے اس کو بھی وہی جواب دیا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاکیزہ دین اختیار کر لیا ہے جو تمہارے غلیظ دین سے بالکل مختلف ہے۔ وہ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ میں نے اسے کہا کہ اگر تجھے یہ اندیشہ ہے کہ بتوں کے چھوڑنے سے کہیں بچوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں، لیکن ایک بات ذہن میں رکھ لو کہ ان بتوں میں کوئی قدرت وطاقت نہیں۔ وہ ایسے بے حس ہیں کہ انہیں اپنی ہستی تک کا کوئی علم نہیں۔ بیوی کے ساتھ میری والدہ نے بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے کی سعادت حاصل کی۔

بعدازاں میں نے اپنے قبیلے دوس کو دعوت اسلام دی لیکن انہوں نے اسلام کے قبول کرنے میں تامل کیا۔ (حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت پورے قبیلے میں صرف سیدنا ابوہریرہؓ اسلام لائے۔ الاصابہ جلد۲ ص ۲۲۶) قبیلہ کا یہ انکاری رویہ دیکھ کر مجھے بہت

فکر دامنگیر ہوئی۔ میں دوبارہ عازم مکہ ہوا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے تمام گھر والے دولت ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں لیکن قبیلہ والوں نے ایمان کی دعوت کو قبول نہیں کیا، آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں۔'' آپ تو رحمت کائنات تھے۔ وہاں بددعا بھی دعا کا روپ دھار لیتی تھی۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

﴿اَللّٰھُمَّ اھْدِ دوساً وَائتِ بِھِمْ﴾

''اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انہیں مسلمان بنا کر یہاں بھیج۔''

پھر فرمایا: ''طفیلؓ! جاؤ اور انہیں نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ۔ میں نے واپس آ کر انہیں نرمی اور آشتی سے اسلام کی دعوت دی۔ آپ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ قبیلہ والے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔

فتح مکہ کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ عمرو بن حمیمہ کا بت ذوالکفین کے جلانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ نے اجازت دے دی اور سیدنا طفیل نے جا کر اس بت کو نذر آتش کر دیا۔ آپ بت جلاتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے:

یَا ذَا الْکَفَیْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِکَ
مِیْلَادُنَا اَکْبَرُ مِنْ مِیْلَادِکَ
اِنِّیْ حَشَوْتُ النَّارَ فِیْ فُؤَادِکَ

یعنی اے ذوالکفین! میں تیری عبادت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔ میں نے تیرے اندر خوب آگ بھری ہے۔

اس بت کے جلنے میں قبیلہ دوس کے باقی ماندہ لوگ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ طفیلؓ پھر مدینہ آ گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

(قبیلہ دوس کے اسلام لانے کے واقعہ کو تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس میں سرکار دو عالم ﷺ کے بہت سے معجزات شامل ہیں۔)

رؤسائے قریش کے لیے بد دعا کرنا:

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے رفقاء جو اس وقت وہاں موجود تھے، ان میں سے کسی شخص نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اور اس کی اوجھڑی وہاں پڑی ہوئی تھی۔ ابو جہل نے کہا: ”تم میں سے ہے کوئی شخص جو وہ اونٹ کی اوجھڑی لے آئے اور جب آپ ﷺ سجدہ میں جائیں تو ان کے مونڈھوں پر جا کر رکھ دے۔“ آخر جو ان میں سے سب سے زیادہ بدبخت اور شقی تھا، اس نے یہ ہمت کی، اور جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی لا کر آپ کے مونڈھوں پر رکھ دی۔ اوجھڑی رکھنا تھا کہ سب بدبختوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کاش کہ میرے ساتھ کوئی چھوٹی سی جماعت ہوتی تو میں اس اوجھڑی کو آپ کے مونڈھوں پر سے اٹھا کر پھینک دیتا۔ ادھر سرکار دو عالم ﷺ اپنے شانوں پر اس اوجھڑی کا بوجھ اٹھائے بدستور سجدے میں پڑے رہے اور اپنا سر مبارک نہ اٹھاتے تھے۔ اتنے ہی میں کسی شخص نے سیدہ فاطمہؓ کو جا کر اس واقعہ کی خبر دی۔ یہ اس زمانہ میں بہت چھوٹی تھیں۔ فوراً بھاگ کر آئیں اور آپ کے شانوں سے وہ اوجھڑی پھینک دی۔ پھر خبثاء کے اس ٹولہ کو برا بھلا کہا اور طعن و تشنیع کی۔ سرکار دو عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے بآواز بلند ان کے لیے بد دعا کی۔ فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ عَلَيْکَ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، وَعتبَةِ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَشَيْبَةِ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنَ اَبِي مَعِيْطٍ﴾

”بار الٰہا! ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط سے انتقام لے اور ان کی گرفت فرما۔“

آپ کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب بددعا فرماتے تو تین بار فرماتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان الفاظ میں بددعا کی

﴿اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ﴾

''اے اللہ قریش سے انتقام لے۔''

قریش کے ان رئیسوں نے جب آپ کی زبان مبارک سے بددعا کے یہ کلمات سنے تو ان کی ہنسی اور قہقہے سب ختم ہو گئے اور وہ بہت زیادہ ڈر گئے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا:

﴿لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِيْنَ سَمّٰى صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا اِلَى الْقَلِيْبِ، قَلِيْبِ بَدْرٍ﴾

جن جن لوگوں کے آپ نے نام لیے تھے میں نے ان میں سے ایک ایک کو میدان بدر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں ڈال دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے ان ساتوں سے انتقام لیا اور سب کو مردود کر دیا۔(۱)

مدینہ کی خوش گواری کے لیے دعا کرنا:

مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے۔ ان کا ترک وطن کرنا خالص دینی نقطۂ نگاہ سے تھا۔ اس سے ان کی کوئی غرض وابستہ نہ تھی، لیکن جس شہر سے وہ آئے تھے وہاں کی آب و ہوا نہایت گرم خشک تھی کیونکہ نیچے ریت اوپر گرم پہاڑ، رطوبت کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ پہاڑ بھی نہایت خشک اور زمین بھی غیر شاداب، جس کو قرآن حکیم نے ''وادی غیر ذی زرع'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، لیکن اس کے برعکس

۱۔ مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۴، بخاری: ۲ / ۵۲۵، مسند احمد: ۱ / ۴۱۷، مسند ابی یعلی موصلی: ۹ / ۲۱۱، مسند ابی داؤد طیالسی: ۱ / ۴۳، نسائی: ۱ / ۱۶۲

مدینہ طیبہ کی آب و ہوا مکہ کی آب و ہوا کے بالکل خلاف تھی۔ وہاں سرسبز و شاداب باغات تھے۔ کھیت اور سبزہ ہر طرف جھانک رہا تھا۔ یثرب کے تین میدان تھے۔ العقیق، بطحان اور قناۃ۔ بطحان ایک گندے پانی کی جھیل تھی جہاں سڑا ہوا اور متعفن پانی ہمیشہ بہتا رہتا تھا جس کی وجہ سے پورے یثرب کی آب و ہوا مرطوب رہتی تھی۔

جب مہاجرین گرم وخشک علاقے سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی مرطوب آب و ہوا میں آئے تو انہیں مختلف قسم کے بخاروں نے آ گھیرا۔ یہاں کا بخار ''حمی یثرب'' پہلے ہی پورے عرب میں مشہور تھا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ پہنچ کر کئی صحابہ کرامؓ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو نہایت تیز بخار ہو گیا۔ روایات میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس حالت میں آپ کی مزاج پرسی کے لیے آئیں تو یہ شعر سیدنا ابوبکرؓ کے ورد زبان تھا

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ

وَالْمَوْتُ أَدْنىٰ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

ہر شخص اپنے اہل وعیال میں داد عیش دیتا ہے حالانکہ موت اس کی جوتی کے تسمے سے بھی قریب ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی دگرگوں حالت کو دیکھ کر سیدہ عائشہؓ گھبرا گئیں اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر تمام حالات عرض کیے۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی۔

سیدنا بلالؓ اگرچہ حبش کے گرم علاقہ کے رہنے والے تھے لیکن ان کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ مکہ کی وادیوں اور گلیوں میں گزرا تھا۔ چنانچہ وہ بھی بخار میں مبتلا ہو گئے۔ بعض دفعہ بخار کی تیزی کی وجہ سے سیدنا بلالؓ لوگوں کے لیے بددعا کرتے تھے جن کے ظلم وستم نے انہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔

صحابہ کرامؓ کی اس حالت کو دیکھ کر ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ بارگاہ الوہیت میں دعا کے لیے اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! ہمیں مدینہ بھی ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا کہ مکہ محبوب تھا یا مکہ سے بھی زیادہ ہمیں مدینہ کی محبت عطا فرما دے۔''

''اے اللہ! مدینہ کے صاع اور مد (یہ دو پیمانے تھے) میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔''

''اے اللہ! ہمارے لیے اس کی آب و ہوا کو خوش گوار اور صحت بخش بنا دے اور اس بخار کو یہاں سے جحفہ پہنچا دے۔''

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کی آب وہوا اگرچہ اچھی نہ تھی۔ وبا کا بھی اثر تھا۔ اس وجہ سے اکثر مہاجر صحابہ کرامؓ بیمار ہو گئے۔ ان کی بیماری میں وطن کی یاد کا بھی حصہ تھا۔ چنانچہ بیمار ہونے والے صحابہ کرامؓ بیماری میں بھی اپنے وطن مکہ کو بار بار یاد کرتے۔ صحابہ کرامؓ کی اس حالت کو دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔

نبوت کے دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ حق تعالیٰ شانہ نے خالی واپس نہیں لوٹائے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور مدینہ طیبہ کی آب وہوا نہایت خوش گوار اور صحت مند ہوگئی اور آج تک بھی ویسی ہی ہے۔ اس کی ہر شی میں برکت پیدا ہوگئی۔ ہجرت سے قبل اس شہر کو یثرب کہا جاتا تھا۔ لیکن اب اس کو ''مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہا جانے لگا، بلکہ ارباب ذوق نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس شہر کے سو سے زائد نام رکھے۔ ان میں سے چورانوے (۹۴) نام علامہ سمہودیؒ نے نقل فرمائے ہیں۔ (۱)

امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں صحابہ کرامؓ کے مدینہ میں بیمار ہونے کے واقعہ کو نقل کیا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا بھی نقل فرمائی ہے۔ (۲)

یا رب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ وفاء الوفاء: ۱/۱۹۷

۲۔ ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۵۹۰، بخاری جلد ۱ ص ۵۵۴، ص ۵۹۰، جلد ۲ ص ۹۴۳، مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینة وباب صیانة المدینه

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا کثیر الاسماء ہونا

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے اسماء گرامی تھے۔ جس طرح حق تعالیٰ شانہ کے بہت سے اسماء حسنیٰ ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی بہت سے اسماء گرامی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام صرف ایک ہے اور وہ ہے ''اللہ''، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی نام دو ہیں۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''زمین میں میرا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آسمانوں میں ''احمد'' ہے۔ (۱)

ان دونوں ذاتی ناموں کا مادہ ''حمد'' ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دونوں نام حمد سے مشتق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد اسماء گرامی حمد سے مشتق ہیں جیسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حامد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور محمود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وغیرہ۔ اور ان سب میں حمد کی معنوی وسعت اور کثرت پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل شانہ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ جس ہستی کی صفت بیان کی ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (۲)

''اور بلند کیا ہم نے ذکر تیرا۔''

اس آیت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام

۱۔ المواهب اللدنيه، قسطاني: ۱ / ۷۰

۲۔ الم نشرح: ۴

سمجھدار انسان نہایت عزت و وقعت سے آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان، اقامت، خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام لیا جاتا ہے، اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرمان برداری کی تاکید کی ہے۔" (۱)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ سلم کی تعریف وتوصیف کائنات میں جن وانس اور آسمان و زمین کے فرشتے ہی نہیں کرتے بلکہ خود حق تعالیٰ شانہ بھی ہمہ وقت آپ کی تعریف وثنا میں مصروف ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يٰا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کی نسبت اولاً اپنی طرف کی اور بعد ازیں اپنے فرشتوں کی طرف کی، اور پھر اس کے بعد مومنین کو حکم فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اور اے ایمان والو! تم بھی درود بھیجو۔ گویا اس عمل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ مومنوں کی بھی شرکت ہے۔

پھر اس آیت کریمہ کو لفظ "انّ" کے ساتھ شروع کیا جو نہایت تاکید پر دلالت کرتا ہے، اور مضارع کے صیغہ کے ساتھ ذکر فرمایا جو استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے:

"آیت مذکورہ مضارع کے صیغہ کے ساتھ ہے جو استمرار اور دوام پر

۱۔ تفسیر عثمانی: ص ۵۹۵

۲۔ الاحزاب: ۵۶

دلالت کرتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ سرکار دو عالم ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔''

اس آیت میں لفظ ''صلوٰۃ'' کی نسبت اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور مومنین کی طرف کی گئی ہے، لیکن تینوں کی نسبت سے اس کے معنی مختلف ہیں۔ چنانچہ علامہ اسماعیل حقی صاحب روح البیان میں اس بارے میں لکھتے ہیں:

''بعض علماء نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے درود بھیجنے کا مطلب سرکار دو عالم ﷺ کو مقام محمود تک پہنچانا ہے۔ اور وہ مقام شفاعت ہے۔ اور ملائکہ کے درود کا مطلب ان کی دعا کرنا ہے رسول اللہ ﷺ کی زیادتی مرتبہ کے لیے اور آپ ﷺ کی امت کے لیے استغفار ہے، اور مومنین کے درود کا مطلب سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کے ساتھ محبت و مودت اور آپ ﷺ کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ اور تعریف ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اعزاز و اکرام جو اللہ جل شانہ نے سرکار دو عالم ﷺ کو عطا فرمایا، اس اعزاز و اکرام سے بہت بڑھا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کروا کر عطا فرمایا تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اس اعزاز و اکرام میں حق تعالیٰ شانہ خود بھی شریک ہیں جب کہ سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزاز میں صرف فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم تھا۔

عقل دور اندیش می داند کہ تشریع چنیں
ہیچ دیں پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

امام بخاریؒ نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود کا مطلب اس کا فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف کرنا ہے، اور فرشتوں کا درود ان کا دعا کرنا ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے ''یُصَلُّوْنَ'' کی تفسیر ''یبرّکون'' فرمائی ہے یعنی فرشتے برکت کی دعا کرتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بعض حضرات کی طرف سے ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' بھیجنے کا حکم ہے۔ اور اس کے جواب میں مسلمانوں کا ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' یعنی اے اللہ! تو درود بھیج محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر۔ یہ جواب حکم کے مناسب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جس شی کا حکم دیا تھا بندوں نے وہی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دی۔ اس اشکال کا جواب علامہ سخاویؒ نے یہ دیا ہے:

> ''امیر مصطفٰے ترکمانی حنفیؒ نے لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں درود کا حکم فرمایا ہے کہ ہم یوں کہہ کر کہ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ خود اللہ تعالیٰ سے الٹا سوال کریں کہ وہ درود بھیجے یعنی نماز میں ہم ''اصلی علی محمدٍ'' کی جگہ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک میں کوئی عیب نہیں اور ہم سراپا عیوب و نقائص ہیں۔ پس جس شخص میں بہت عیب ہوں وہ ایسے کی کیا ثناء کرے جو پاک ہے، اس لیے ہم اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے تاکہ رب طاہر کی طرف سے نبی طاہر پر صلوٰۃ ہو۔''

ایسا ہی علامہ نیشاپوری سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ ان کی کتاب لطائف وحکم میں لکھا ہے کہ آدمی کو نماز میں ''صَلَّیْتَ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' نہ پڑھنا چاہیے، اس لیے کہ بندہ کا مرتبہ اس سے قاصر ہے، اس وجہ سے اپنے رب ہی سے سوال کرے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے۔ اس صورت میں رحمت بھیجنے والا تو حقیقت میں حق تعالیٰ شانہ ہی ہے اور ہماری طرف اس کی نسبت مجازاً بحیثیت دعا کے ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی درخواست کی کیونکہ وہی اس بات سے زیادہ واقف ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ

کے مطابق کیا چیز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حق تعالیٰ شانہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے یہ فرمایا:

﴿لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ﴾

''اے اللہ! میں آپ کی ثنا کرنے سے قاصر ہوں، آپ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اپنی ثناء فرمائی ہے۔''

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب تیرا درود اسی طرح ہونا چاہیے جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے تلقین فرمایا ہے۔

حافظ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ ہمارا درود سرکار دو عالم ﷺ کے لیے سفارش نہیں ہے، اس لیے کہ ہم جیسا عیوب ونقائص کا مرقع حضور ﷺ کے لیے سفارش کیا کرسکتا ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں محسن کے احسان کا بدلہ دینے کا حکم فرمایا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ سے بڑھ کر کوئی محسن اعظم نہیں جن کی وجہ سے ہمیں ایمان جیسی قیمتی دولت نصیب ہوئی۔ ہم چونکہ رسول اللہ ﷺ کے احسانات عالیہ و عظیمہ کا بدلہ دینے سے عاجز ہیں، اللہ جل شانہ نے ہمارا عجز دیکھ کر ہم کو اس کی مکافات کا طریقہ بتایا کہ درود پڑھا جائے، اور چونکہ ہم اس سے بھی عاجز تھے اس لیے ہم نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ تو اپنی شان کے مطابق مکافات فرما۔

جب اللہ تعالیٰ اور فرشتے دورد بھیجتے ہیں تو ہماری کیا ضرورت ہے؟

اس بارے میں ایک اور اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو پھر ہمارے درود کی کیا ضرورت رہی؟ اس اشکال کا حل امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں پیش فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ہمارا سرکار دو عالم ﷺ پر درود بھیجنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاج کی وجہ سے نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد فرشتوں کے درود کی بھی ضرورت نہ رہتی، بلکہ ہمارا درود سرکار دو عالم ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے جیسا کہ حق تعالیٰ

شانہ نے اپنے پاک ذکر کا بندوں کو حکم فرمایا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے پاک ذکر کی بالکل ضرورت نہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف صلوٰۃ اور بندوں کی طرف سلام کی نسبت کی وجہ:

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے مجھ سے یہ اشکال پیش کیا کہ اس آیت کریمہ میں صلوٰۃ کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی لیکن سلام کی نسبت نہیں کی گئی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ شاید اس وجہ سے کہ سلام دو معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک دعا کے معنیٰ میں اور دوسرے اتباع و انقیاد کے معنیٰ میں۔ مومنین کے حق میں دونوں معنیٰ صحیح اور درست ہو سکتے تھے اس لیے ان کو اس کا حکم دیا گیا، اور اللہ اور فرشتوں کے لحاظ سے تابعداری کے معنیٰ صحیح نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے ان کی طرف اس کی نسبت نہیں کی گئی۔

درود شریف پڑھنے کی فضیلت:

احادیث میں درود پڑھنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا﴾ (۱)

"جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ایک ہی درود اور ایک ہی رحمت ساری دنیا کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ ایک مرتبہ درود پڑھنے پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوں۔ اس سے بڑھ کر درود شریف کی اور کیا فضیلت ہوگی کہ اس کے ایک دفعہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوں۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ہر روز سوا لاکھ درود شریف پڑھنے کے عادی ہیں اور کیا شان ہے اس پیغمبر اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس پر اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اپنی صلوٰۃ اور برکتیں نازل فرماتا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے سیدنا

۱۔ مسلم فی کتاب الصلوٰۃ، رقم الحدیث: ۶۱۶ ابوداؤد، فی کتاب الصلوٰۃ رقم الحدیث: ۱۳۰۷

عامر بن ربیعہؓ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ جتنا چاہو کم بھیجو اور جتنا چاہو زیادہ بھیجو۔

حافظ سخاویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نام کو اپنے پاک نام کے ساتھ کلمۂ شہادت میں شریک کیا، اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا ایسے ہی آپ پر درود کو اپنے درود کے ساتھ شریک فرمایا۔ پس جیسا کہ اپنے ذکر کے متعلق فرمایا ''اُذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ'' ایسے ہی درود کے بارے میں ارشاد فرمایا جو آپ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں اور امام نسائی نے اپنی سنن میں سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کے سامنے میرا تذکرہ ہو اس کو چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے، اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اس کے دس درجات بلند کرے گا۔''

سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ہشاش بشاش تشریف لائے۔ بشاشت کے آثار چہرۂ انور سے نمایاں ہو رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر آج نہایت بشاشت ظاہر ہو رہی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: درست ہے، میرے پاس میرے رب کا پیغام آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ تیری امت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھیں گے، دس برائیاں اس کے نامۂ اعمال سے مٹائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کریں گے۔

ایک اشکال کا جواب:

حافظ سخاویؒ نے ایک اشکال نقل کیا ہے کہ جب قرآن حکیم کی آیت ''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' کی بنا پر ہر نیکی کا ثواب دس گناہ ملتا ہے تو پھر درود شریف کی کیا خصوصیت رہی؟ حافظ سخاویؒ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بندہ کے نزدیک اس اشکال کا آسان جواب یہ ہے کہ حسب ضابطہ اس کی دس نیکیاں علیحدہ ہیں، اور اللہ جل شانہ کا دس دفعہ درود بھیجنا مستقل مزید انعام ہے۔ علاوہ ازیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دس دفعہ درود بھیجنا اس کی اپنی نیکی کے دس گنا ثواب سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ دس مرتبہ درود کے ساتھ دس درجوں کا بلند ہونا اور دس گناہوں کا معاف ہونا دس نیکیوں کا اس کے نامۂ اعمال میں لکھنا اور دس غلاموں کے آزاد کرنے کے بقدر ثواب ملنا مزید برآں ہے۔''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے درود شریف کے بارے میں اپنی کتاب زادالسعید میں لکھا ہے کہ:

''جس طرح حدیث شریف میں تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار درود پڑھنے سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح قرآن شریف کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ ارفع میں ایک گستاخی کرنے سے نعوذ باللہ منہا اس شخص پر من جانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بسزا استہزاء یہ دس کلمات ارشاد فرمائے:

حَلَّافٍ، هَمَّازٍ، مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ، مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ، مُعْتَدٍ، اَثِيمٍ، عُتُلٍّ، زَنِيمٍ، مُكَذِّبٍ، لِلْاٰيَاتِ بِدَلَالَتِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيَاتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ.''

یہ سارے الفاظ جو حکیم الامت تھانویؒ نے تحریر فرمائے یہ سب سورت قلم کی آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵ میں مرقوم ہیں۔ زاد السعید میں طبرانی کے حوالہ سے سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ''جو شخص مجھ پر درود بھیجے کسی کتاب میں (یعنی لکھے) ہمیشہ فرشتے اس پر درود بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا۔ اور طبرانی ہی سے سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صبح کو مجھ پر دس بار درود بھیجے اور شام کو دس بار، قیامت کے روز اس کے لیے میری شفاعت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ درود پڑھنے والے پر حضور ﷺ بھی درود کے بدلہ میں درود بھیجتے ہیں۔ چنانچہ ترغیب میں سیدنا حسن بن علیؓ سے سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو، بے شک تمہارا درود میرے پاس پہنچتا رہتا ہے۔ اور سیدنا انس بن مالکؓ کی حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچتا ہے اور میں اس کے بعد میں اس پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

مشکوٰۃ میں سیدنا ابوہریرہؓ کی حدیث سے بھی سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھ پر درود پڑھا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود پڑھنا مجھ تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمار بن یاسرؓ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا کر رکھی ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے'' رواہ البزار (القول البدیع السخاوی) ایک اور روایت میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ہر درود کے بدلہ میں اس پر دس مرتبہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں۔

سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں مجھ پر درود بھیجے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرماتے ہیں، اور اس پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتے ہیں جو اس کو میری قبر میں مجھ تک اس طرح پہنچاتا ہے جیسے تم لوگوں کے پاس ہدایا بھیجے جاتے ہیں۔

روایات میں رفع تعارض:

اس حدیث پر یہ اشکال وارد نہ کیا جائے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو قبر اطہر ومنور پر متعین ہے جو ساری دنیا کے صلوٰۃ وسلام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچاتا ہے، اور ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں، اس لیے کہ جو فرشتہ قبر اطہر پر متعین ہے اس کا کام صرف یہی ہے کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک امت کا سلام پہنچاتا رہے، اور یہ فرشتے جو سیاحین ہیں یہ ذکر کے حلقوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور جہاں کہیں درود ملتا ہے اس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ کسی بڑے کی خدمت میں اگر کوئی پیغام بھیجا جاتا ہے اور مجمع میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہر شخص اس میں فخر اور تقرب سمجھتا ہے کہ وہ پیغام پہنچائے۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جتنے فرشتے بھی پہنچائیں برمحل ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰی عَلَيَّ مِنْ بَعِيدٍ اُعْلِمْتُهُ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ﴾ (۱)

''اس حدیث میں ''مَن صَلّیٰ'' عام ہے جس نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر کے پاس آپ پر درود پڑھے اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سنتے ہیں۔''

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت سامعہ اتنی تیز ہے کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے سننے سے روک نہیں سکتا۔ اس اشکال کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منوں مٹی کے نیچے سے ان مردوں کی آوازیں نہ سنیں جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا جیسا کہ بخاری اور مسلم کی احادیث میں موجود ہے؟

---

۱. رواه ابو الشيخ الاصبهانی وابن حبان بسند جيد مرقات: ۲ / ۲۴۷

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی اور حدیث میں بھی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ قریب سے کہے گئے سلام وصلوٰۃ کو سنتے ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی اثبات میں ہے کہ ہاں دوسری احادیث میں بھی ہے کہ آپ ﷺ قریب کہے گئے سلام کو سنتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

﴿مَامِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِي حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ﴾ (۱)

''جو مجھ پر سلام پڑھے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کرتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

اس حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ کا قریب سے صلوٰۃ وسلام سننا ثابت ہے۔ اس بارے میں علامہ عزیزی نے شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ

﴿اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِي اَیْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ نُطْقِي لِاَنَّهٗ حَیٌّ دَائِمًا وَرُوْحُهٗ لَا تُفَارِقُهٗ﴾ (۲)

''مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے کیونکہ آپ (قبر میں) زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتی۔''

اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے تشدد کے باوجود فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّفَقَ الْاَئِمَّةُ عَلٰی اَنَّهٗ یُسَلَّمُ عَلَیْهِ عِنْدَ زِیَارَةٍ وَعَلٰی صَاحِبَیْهِ لِمَا فِي السُّنَنِ عَنْ اَبِي هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: مَامِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِي﴾ (۳)

''اس بات پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی (قبر کی)

۱۔ سنن ابی داؤد: ۱ / ۲۷۹، مسند امام احمد بن حنبل: ۲ / ۵۲۷

۲۔ السراج المنیر: ۳ / ۲۷۸

۳۔ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴ / ۳۶۱

زیارت کے وقت آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے دونوں
ساتھیوں (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) پر سلام عرض کیا جائے کیونکہ
سنن میں سیدنا ابوہریرۃؓ سے مروی ہے اور وہ اسے رسول اللہ
ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب وہ مجھ پر
صلوٰۃ وسلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں۔''

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی روضۂ اقدس پر سلام عرض کرے تو کیا آپ سنتے ہیں؟ تو اس وقت آپ کے پاس روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (۱)

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (۲)

اس بارے میں فخر المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

''ابو داؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح مبارک کو لوٹانے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح لوٹائی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں یعنی درود شریف اور سلام پیش ہونے سے پہلے بھی اور بعد بھی۔'' (۳)

قبر پر جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے اس کو آپ ﷺ کا سننا سماع حقیقی ہے جو بلاواسطہ ہوتا ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے:

﴿مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ اَی سَمْعًا حَقِيقَتاً بِلَاوَاسِطَةٍ﴾ (٤)

۱۔ ملاحظہ ھو فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۷ / ۲۲۶
۲۔ مسند احمد: ۲ / ۵۲۷
۳۔ فیض الباری: ۲ / ۶۵
٤۔ مرقات: ۲ / ۲۴۷

''حدیث جو میری قبر پر آ کر مجھ پر صلوٰۃ پڑھتا ہے میں اسے خود سنتا ہوں کا مطلب سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔''

''لذید بود حکایت دراز تر گفتم'' کے تحت بات کچھ طویل اور لمبی ہو گئی۔ مقصد یہ تھا کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے حبیب کریم کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں کیونکہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور آپ کے فرشتے سرکار دو عالم ﷺ پر صبح وشام بلکہ ہر آن رحمتیں بھیجتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے فضائل درود شریف کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں درود شریف کے فضائل احادیث کی روشنی میں نقل فرمائے ہیں اور ایک فصل میں وہ وعیدیں نقل فرمائی ہیں جو آپ ﷺ پر درود نہ پڑھنے کی وجہ سے وارد ہوتی ہیں۔ اسی طرح استاذی ومُربی حضرت علامہ شیخ محمد موسیٰ روحانی بازی اعلی اللہ درجاتہٗ نے درود شریف پر ایک کتاب ''البرکات المکیۃ فی الصلوات النبویہ'' لکھی ہے، اس کے مقدمہ میں بھی وہ احادیث نقل کر دی ہیں جو فضائل درود شریف کے بارے میں وارد ہیں۔ (شاید وہی تصنیف ہے جس کی وجہ سے شیخ بارہا سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور بعداز موت کئی ماہ تک قبر سے خوشبو کے سوتے پھوٹتے رہے اور قبرستان میانی صاحب اس جنتی خوشبو سے معطر ہوا) ان احادیث میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(۱) سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اپنی مجالس کو درود شریف سے مزین کرو کیونکہ مجھ پر درود بھیجنا تمہارے لیے قیامت کے روز موجب نور ہوگا۔'' (۱)

(۲) سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿صَلُّوْا عَلَیَّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ عَلَیَّ زَكَاةٌ لَكُمْ﴾ (۲)

''مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ درود شریف تمہارے لیے ہر شی میں برکت وطہارت کا باعث ہے۔''

۱۔ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس

۲۔ رواہ ابن ابی شیبہ

اسی مضمون کی ایک روایت سیدنا انس بن مالک ؓ سے بھی مروی ہے۔

(۳) سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِذَا نَسِيتُمْ شَيْئاً فَصَلُّوا عَلَيَّ تَذْكُرُوهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ﴾(۱)

''جب تم کسی شی کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود بھیجو۔ درود پڑھنے کی برکت کی وجہ سے وہ چیز تمہیں یاد آ جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف نسیان کو دور کرتا ہے اور قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے یہ درود شریف کا ایک بہت بڑا فائدہ ہے کیونکہ اکثر دانشور اور طلباء مرض نسیان میں مبتلا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی وہ حصول علم وفن کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ اس کا بہترین علاج درود شریف کا کثرت سے ورد ہے، لہٰذا مرض نسیان میں مبتلا شخص کو کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے۔

(۴) سیدنا ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهُ مَادَامَ اسْمِي فِي ذَالِكَ الْكِتَابِ﴾(۲)

''جو شخص کسی کتاب میں درود لکھ دے، فرشتے مسلسل اس کے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ہمارا درود پڑھنے سے سرکار دو عالم ﷺ کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ ابن حجر ؒ نے الدر المنضود میں لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ درود وصلوٰۃ پڑھنے کا فائدہ صرف صلوٰۃ پڑھنے والے کو ہوتا ہے کیونکہ درود شریف دلالت کرتا ہے پڑھنے والے کے پاک عقیدہ، خلوص نیت اور اظہار محبت پر، لیکن بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اس بات میں کوئی بُعد نہیں کہ

۱۔ القول البدیع

۲۔ رواہ الطبرانی

درود شریف پڑھنے سے سرکار دو عالم ﷺ کو بھی کسی خاص نوع کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ درود شریف میں سرکار دو عالم ﷺ کے لیے بلندیٔ درجات کی دعا ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے فضل وانعام کی کوئی حد نہیں اور سرکار دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مدارج قرب وفضل میں ہر لحہ ترقی کرتے رہتے ہیں، لہٰذا اس بات میں کوئی تعجب نہیں کہ امت کے درود سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ترقی درجات حاصل ہو جائے۔ مواہب اللدنیا میں امام شافعیؒ کا یہ قول درج ہے کہ امت کے ہر کار خیر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اصل اور مأخذ ہیں، لہٰذا مسلمانوں کی تمام نیکیاں سرکار دو عالم ﷺ کے نامۂ اعمال میں ان کے اپنے ذاتی اجر پر زیادت واضافہ ہیں۔

اگرچہ صلوٰۃ کے بعد سلام کا لفظ جمہور علماء کے نزدیک لازم نہیں ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کی تصریح کی ہے، لیکن اس کا ترک بے ادبی ہے اور بہت بڑی برکت اور ثواب عظیم سے محرومی کا باعث ہے، چنانچہ حافظ سخاویؒ نے القول البدیع میں ابوسلیمان محمد بن الحسین حرانی سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''ابوسلیمان! جب تم حدیث میں میرے ذکر کے وقت مجھ پر درود بھیجتے ہو تو ''وسلم'' کیوں نہیں کہتے یہ چار حرف ہیں اور ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس طرح سے تم چالیس نیکیاں ترک کرتے ہو۔

مختصر یہ کہ ہر شخص کو نبی اکرم ﷺ پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہیے یہاں تک کہ صلوٰۃ وسلام کی تعداد اس کے گناہوں سے زیادہ ہو جائے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حافظ سخاویؒ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ بعض علماء نے ابوحفص کاغذیؒ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ ابوحفص نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرماتے ہوئے میری مغفرت فرمائی اور مجھے جنت میں داخل فرما دیا۔ اس شخص نے بخشش کا سبب پوچھا تو ابو حفص نے کہا: ''حق تعالیٰ شانہ کے سامنے کھڑے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے گناہوں اور درود شریف کو شمار کر لو۔'' گننے کے بعد میرے گناہوں

سے میرے درود شریف کی تعداد زیادہ نکلی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے فرشتو! بس حساب کا سلسلہ بند کرو اور ابو حفص کو درود شریف کی برکت سے میری جنت میں داخل کر دو۔''

اس ساری طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بے شمار نام ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی بہت سے نام ہیں جن میں چار نام ''حمد'' سے مشتق ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حامد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محمود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے ناموں کے ساتھ موسوم کیا ہے اور گذشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں کے ذریعہ بھی۔ ان سب ناموں میں دو نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب ہے کہ جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو اور احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ اسماء کی کثرت مسمیٰ کی شرافت، عظمت اور ہیبت کی دلیل ہوتی ہے۔ آپ کے یہ اسماء صفاتی کتنے ہیں؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں امام قسطلانی نے مواہب اللدنیا میں آپ کے ۳۳۷ نام بتائے ہیں۔ (جلد۲ ص ۱۱۔۲۱) امام سیوطیؒ نے ۳۴۰ ذکر کیے ہیں۔ (الریاض الانیقہ فی شرح اسماء خیر الخلیقۃ: ص ۲۵۹) قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصی شرف سے نوازا ہے کہ اپنے اسماء حسنیٰ میں سے تیس ناموں سے آپ کو موسوم فرمایا ہے۔ حافظ ابن العربی مالکیؒ نے شرح ترمذی میں بعض صوفیہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔ (۱)

بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لِي خَمْسَةُ اَسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ، وَاَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِي، وَاَنَا الْعَاقِبُ﴾ (۲)

۱۔ ارشاد الساری: ۶ / ۲۱، سخاوی، القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع: ص ۴۳

۲۔ بخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۹، مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۷۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۵۷، مسند احمد: ۴ / ۸۰

''میرے پانچ نام ہیں میں محمدؐ ہوں، احمد ہوں، اور میں ماحی ہوں
کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کے ہر نشان کو مٹا دے گا، اور میں
حاشر ہوں کہ سب لوگ (قیامت کے دن اٹھ کر) میرے قدموں
میں جمع کیے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں۔''

مسلم کی روایت میں ہے:

﴿وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ﴾

''عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔''

ان پانچ ناموں کے بارے میں قاضی عیاض مالکیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پانچ نام وہ رکھے ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں میں مذکور تھے اور ان کی امتیں ان ناموں سے آشنا تھیں۔(۱)

ایک اور روایت میں جو سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کئی نام بیان فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَحْمَدُ وَالْمُقفىٰ وَالْحَاشِرُ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ﴾ (۲)

''میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور مقفیٰ ہوں اور حاشر ہوں اور نبی توبہ اور نبی رحمت ہوں۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام منقول اور مروی نام درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات مدح ہیں علامہ ابن دحیہؒ نے اپنی کتاب المستوفی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین سو نام ذکر کیے ہیں۔ حافظ سخاویؒ نے القول البدیع میں، قاضی عیاضؒ نے شفاء میں اور حافظ ابن سید الناسؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار سو سے زیادہ نام ذکر کیے ہیں۔ احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منقولہ صریح اسماء مبارکہ تھوڑے ہیں۔ کسی حدیث میں پانچ، کسی میں چھ

۱۔ الشفاء: ۱/۳۱۵

۲۔ مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۵، مسند احمد: ۴/۳۹۵، ۴۰۴، بیهقی، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۴۰۰، بیهقی، دلائل النبوة: ۱/۱۵۶،

اور حافظ ابوبکر محمد بن الحسن بغدادی نے مرفوع سند کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اِنَّ لِي فِي الْقُرْآن سَبْعَةَ اَسْمَاءَ: مُحَمَّدٌ وَ اَحْمَدُ وَيٰس وَطٰه وَالْمُزَّمِّلُ وَالْمُدَّثِّرُ وَعَبْدُاللّٰهِ﴾

''میرے قرآن حکیم میں سات نام ہیں محمد، احمد، یٰس، طٰہ، مزمل، مدثر اور عبداللہ۔''

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف معنی ترکیبی کے لحاظ سے ''عبداللہ'' نہیں ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام میں عبداللہ آپ کا لقب بھی تھا۔ قرآن حکیم میں ''عبداللہ'' بطور لقب صرف آپ کی ذوات پر اطلاق ہوا ہے، ''فَلَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا.'' (۱) ''یعنی جب عبداللہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو قریب تھا کہ وہ تہ بہ تہ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑتے۔'' حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر چاہیں تو رسالت کے ساتھ ملوکیت پسند کرلیں جیسا کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے یا چاہیں تو عبدیت اختیار کرلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدیت ہی کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست و برخاست اور طعام وشراب سب میں عبدیت کا پہلو غالب تھا۔ دعائے تشہد میں بھی عبدہ ورسولہ تعلیم کیا گیا ہے یعنی عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے اس ترتیب کو بدل کر جب رسولہ وعبدہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ وہی عبدہ ورسولہ کہو۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر یہ مقام عبدیت سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تو میں اس کی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل جاتا۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی کے سلسلہ میں استاذی ومحبی حضرت شیخ محمد موسیٰ روحانی بازی قدس سرہ نے اپنی کتاب ''البرکات المکیہ فی الصلوات النبویہ'' میں

۱۔ الجن: ۱۹

۲۔ ترجمان السنہ: ۱/ ۳۹۴

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آٹھ سو سے زائد اسمائے مبارکہ جمع کر دیئے ہیں۔ حضرت شیخ نے یہ نام کبار محدثین کی کتابوں جیسے قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفاء، حافظ سخاویؒ کی القول البدیع، مواہب اللدنیا اور اس کی بعض شروحات اور شرح جامع ترمذی لابن العربیؒ وغیرہ سے نقل کیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ سے آشنائی کے لیے مولانا موسیٰ صاحب قدس سرہ کی کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

امام العصر عمدۃ المحدثین حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی نور اللہ مرقدہ نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء مبارکہ کے بارے میں بڑی عمدہ تحقیق لکھی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر نام آپ کی کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گاہ ہے، صرف ایک علم نہیں جس کا مقصد کسی ذات کا تعارف ہوتا ہے اور بس۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء بہت ہیں۔ عرب میں اسماء، کنیتوں اور القاب کے تعدد کا کچھ دستور بھی تھا اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات اور ان کے افعال و اقوال خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری، عمداً ہوں یا بھول کر سب حقائق و اسرار کا ایک مجموعہ ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے اسماء بھی صرف تعین شخصیت کے لیے نہیں بلکہ وہ اپنی جگہ ایک گنجینۂ معارف ہوتے ہیں۔ دراصل یہ اسماء ان تمام اوصاف و مبادی کے ترجمان ہوتے ہیں جو دست قدرت نے ازل سے ان میں ودیعت رکھے ہیں۔ اگر ان کو رحیم کہا جاتا ہے تو اس کے لیے وہ درحقیقت پیکر رحمت ہوتے ہیں، اگر ان کو ماحی کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ حقیقتاً آثار کفر کو مضمحل و کمزور بنا کر فنا کے قریب کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کو عاقب کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ درحقیقت آخر میں آنے والا ہوتا ہے۔ غرض جتنی پر از حقیقت و اسرار ان کی ذات ہوتی ہے اسی قدر حقیقت سے لبریز ان کے اسماء ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء مبارکہ کو آپ صرف ناموں کا ایک ڈھیر نہ سمجھیں اور نہ ایسا بے حقیقت تصور کریں جیسا کہ ہر ماں صرف محبت میں اپنے بیٹے کا خوبصورت سے خوبصورت نام رکھ لیتی ہیں خواہ اس نام کا اس میں کوئی اثر نہ ہو۔ وہ سیاہ فام بچے کو چاند کہہ کر پکارتی ہے اور غبی سے غبی لڑکے کا نام ذکی تجویز کر دیتی ہے، مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے۔ کہیں علم کی اصل وضع اگر

تعریف شخصیت کے لیے نہ ہوتی تو کذب اور جھوٹ بھی ہو جاتا۔ آپ سرکار دو عالم ﷺ کے اسماء مبارکہ کو اس نظر سے نہ دیکھیں بلکہ ان کو کمالات محمد ﷺ کی رنگین چلمنیں سمجھیں جن میں چھن چھن کر آپ کے کمالات نظر آتے رہتے ہیں۔ (۱)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کی ذات مبارک بے نظیر تھی آپ ﷺ کے یہ اسماء بھی بے مثل ہی تھے۔ آپ سے پہلے کسی کے ذہن میں محمد ﷺ اور احمد ﷺ کے اسماء کا حضور بھی نہ ہوا تھا حتیٰ کہ جب آپ ﷺ کی ولادت کا زمانہ نزدیک آ گیا، کاہنوں، منجموں اور اہل کتاب نے نام لے لے کر آپ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس نبی منتظر کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد و احمد رکھنا شروع کر دیا۔ جہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے جن بچوں کے نام محمد و احمد رکھے گئے تھے ان کی کل تعداد چھ ہے۔ ساتواں کوئی شخص ثابت نہیں ہوتا۔ سہیلی نے صرف تین نام بتلائے ہیں (۱) محمد بن سفیان بن مجاشع (۲) محمد بن احجہ بن الحلاج (۳) محمد بن عمران بن ربیعہ۔ سہیلی سے پہلے ابوعبداللہ بن خالویہ کا خیال بھی یہی تھا۔ حافظ ابن حجر آٹھویں صدی میں جب پھر اس کے در پے ہوئے تو انہوں نے ان کی تعداد بیس (۲۰) تک پہنچا دی، اور تکرار و اوہام حذف کرنے کے بعد صحیح تعداد پندرہ قرار دی جس میں سب سے زیادہ مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ ہیں۔ ان کا واقعہ بغوی بن سعد، ابن شاہین اور ابن السکن وغیرہم نے اس طرح بیان کیا ہے:

”کہ خلیفہ بن عبداللہ نے محمد بن عدی سے پوچھا: ”تمہارے والد نے تمہارا نام زمانۂ جاہلیت میں محمد کیسے رکھ دیا؟“ انہوں نے جواب دیا: ”اس کے متعلق جیسا تم نے مجھ سے پوچھا ہے ایسا ہی میں نے اپنے والد سے پوچھا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میں قبیلہ بنی تمیم کے تین اور شخصوں کے ہمراہ ابن حنفیہ غسانی کی ملاقات کے لیے ایک مرتبہ شام کی طرف جا رہا تھا۔ ہم ایک چشمہ پر جا کر اترے جو گرجا کے قریب تھا۔ گرجا کا منتظم ہمارے پاس آیا اور اس

۱۔ ترجمان السنہ: ۱ / ۴۵۱

نے کہا: ''ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، تم دوڑ کر اس کو قبول کر لینا۔'' ہم نے کہا: ''اس کا نام؟'' اس نے کہا: ''اس کا نام محمد ہو گا۔'' ہم جب اس سفر سے واپس آئے تو اتفاقاً ہم سب کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے اور اس لیے ہم سب نے اپنے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھ دیا۔''

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے اشخاص کے نام بھی تفصیل سے تحریر کیے ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حافظ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ تورات میں آپ کا جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد ہے۔ حافظ ابن قیمؒ اس رائے سے متفق نہیں، وہ اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپ کی آمد کی پیش گوئی اسم محمد کے ساتھ بھی صاف موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن قیمؒ اسم ''محمد'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں۔ محمود بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے لیکن جو مبالغہ باب تفعیل میں ہوتا ہے وہ ثلاثی مجرد میں نہیں ہوتا، اس لیے محمد، محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ محمد اس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے۔ اس لیے تورات میں آپ کا نام احمد بھی ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علہ وسلم کے اوصاف حمیدہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ جیسے اوالعزم رسول کو بھی آپ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔

احمد یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنی میں مستعمل ہوسکتا ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں ''اَحْمَدُ الْحَامِدِیْنَ لربّہ'' یعنی تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی ہیں ''اَحَقُّ النَّاسِ وَاَوْلَاھُمْ بِاَنْ یُّحْمَدَ'' تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثناء کا مستحق ہے۔ اس بنا پر محمد اور احمد میں فرق یہ رہے گا کہ محمدؐ وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی

جائے۔اور احمد وہ ہے جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ کی جائے۔ پس محمد بلحاظ کمیت ہے اور احمد بلحاظ کیفیت۔ دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خلق و خصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔اس تحقیق کے بعد ان دونوں مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ کی ذات مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں۔ اگر یہاں اسم تفضیل کو اسم مفعول کے معنی میں لیجیے تو خالق سے مخلوق تک انبیاء علیہم السلام سے جن و ملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح سب ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریفیں کی ہیں اور آج بھی ڈیڑھ ارب انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کے لیے متحرک رہتی ہیں حتیٰ کہ کفار میں بھی ایک معقول طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ کا دین تسلیم نہیں کرتا مگر آپ کی دیانت و امانت، عدل و انصاف، صداقت و راست بازی اور ہوش و خرد کا ثناخوان ہے، اس لیے اگر اپنے خیال میں آپ ذرا علیحدہ ہو کر ازل سے ابد تک دنیا کی طرف کان لگائیں تو جس کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف آپ کے کان سنیں گے وہ مبارک ہستی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی ہوگی ۔

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفت گوئے او دارد

احمد اور محمد میں فرق:

اس لیے محمد یا احمد (بمعنی اسم مفعول) نام کی مستحق جتنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہو سکتی ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر احمد کو اسم فاعل کے معنی میں لیجیے تو بھی اس اسم مبارک کی سب سے زیادہ مستحق آپ ہی کی ذات پاک ہے کیونکہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے اتنی کسی اور بشر نے نہیں کی، اور اسی طرح اپنی امت کو بھی موقع بہ موقع خدا کی اتنی حمد سکھائی کہ کتب مقدسہ میں اس امت کا لقب بھی ''حمادون'' پڑ گیا یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت تعریف کرنے والی امت، صحیحین میں

ہے کہ محشر میں جب شفاعت کے لیے آپ تشریف لے جائیں گے تو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا دروازہ کھولا جائے گا جو اس سے پیشتر کسی پر نہیں کھولا گیا تھا۔ پس سب انبیاء تو ''حماد'' ہیں اور ان ''حمادون'' میں آپ احمد ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں پہلے آپ ''احمد'' تھے پھر محمد ہوئے کیونکہ سب سے پہلے آپ نے اللہ کی تعریف کی پھر آپ کے بعد مخلوق نے آپ کی تعریف کی۔ اسی طرح محشر میں سب سے پہلے آپ ہی اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے۔ جب آپ کی سفارش سے حساب شروع ہو جائے گا تو پھر اہل محشر آپ کی حمد کریں گے۔ اس لیے آپ ﷺ پہلے احمد ہیں اور بعد میں محمد۔ بلحاظ وجود بھی پہلے آپ احمد ہیں اور بعد میں محمد ہیں۔ اسی وجہ سے کتب سابقہ میں آپ کی بشارت اسم احمد سے مذکور ہے، اور جب عالم وجود میں تشریف لے آئے تو محمد کے نام سے پکارے گئے۔''(۱)

حافظ سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ محمد کے وزن میں ہمیشہ تکرار کے معنی ملحوظ رہتے ہیں، اس لیے محمد اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ اور احمد وہ ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ کے یہ دونوں اسماء مبارک واقع کے مطابق ہیں یعنی آپ احمد بھی ہیں اور محمد بھی، لیکن پہلے آپ احمد ہیں پھر محمد بلکہ احمد ہونے کی وجہ سے ہی آپ محمد ہوئے۔ آپ نے پہلے خدا کی تعریف کی اس لیے آپ احمد ہوئے۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد پھر مخلوق نے آپ کی تعریف کی، اس لیے بعد میں محمد ہو گئے۔ محشر میں بھی پہلے آپ ﷺ خدا کی تعریف کریں گے اس لیے احمد پہلے ہوں گے، پھر شفاعت کے بعد مخلوق آپ کی تعریف کرے گی اس لیے بعد میں محمد ہوں گے۔ غرض ازل سے ابد تک تاریخ بتاتی ہے کہ شان احمدی شان محمدی پر مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جب آپ کے نام کی بشارت سنائی تو اسم احمد ہی کے ساتھ سنائی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب امت محمدیہ کے کمالات کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ'' اے اللہ! تو مجھے امت احمد میں بنا دے (اس بیان سے اس کا نکتہ بھی نکل آیا کہ جب آپ کا اسم مبارک محمد تھا تو

۱۔ ملاحظہ ہو فتح الباری

پھر کتب سابقہ میں آپ کی بشارت میں اسم احمد کیوں ذکر کیا گیا)

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حافظ ابن قیمؒ کو حافظ سہیلیؒ کے اس بیان سے سخت اختلاف ہے۔ وہ اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپ کا اسم مبارک محمد بھی موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو زاد المعاد) گذشتہ سطور میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ سے پیشتر عرب میں یہ اسماء معہود نہ تھے۔ اب ان تمام تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکمت الٰہیہ نے ان دونوں ناموں کو آپ ہی کی ذات کے ساتھ کیوں مخصوص کر دیا تھا۔

حمد کو ہر لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصیت ہونا:

خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ احمد بمعنی محمد ہو یا بمعنی احمد الحامدین، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حمد کو ہر پہلو سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر سورۃ محمد خاص کر آپ کو ہی مرحمت ہوئی۔ آپ کی ہی امت کا لقب حمادون ہوا اور محشر میں لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) بھی آپ کے ہاتھوں میں ہوگا، اور آپ ہی کے مخصوص مقام کا نام مقام محمود ہے۔ آپ کی شریعت میں بھی کھانے کے بعد، پینے کے بعد، دعا کے بعد، سفر سے واپسی کے بعد غرض بہت سے مختلف مواضع پر خدا کی حمد سکھائی گئی۔ پھر یہ مختلف اور متنوع تعریفیں جب ہر زمانہ میں بے شمار انسانوں کی زبانوں سے ہوتی ہیں وہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہیں، اس لیے ان تمام تعریفوں کو بجا طور پر آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اب سوچو کہ جتنی خدا کی تعریف فضائے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے گونجی، کیا کبھی کسی اور کے ذریعہ سے گونجی ہے، اور اسی کے ساتھ جتنی کثرت کے ساتھ خدا کی غیر متناہی مخلوق نے آپ کی تعریفیں کیں اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں۔ پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریفیں کیں اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں۔ پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اتنی کسی اور ذات کے ساتھ نہیں ہوتی، اس لیے احمد و محمد نام پانے کے لیے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہیے، اسی لیے آپ سے پہلے جس نے یہ نام رکھا آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں بھی جس نے اس نام

کواختیار کیا آپ ہی کے اتباع میں کیا۔ اللھم صل وسلم وبارک علیه. (۱)

علامہ دشتانیؒ نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء ہیں۔ اور اتنے ہی نام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں اور ساٹھ سے زیادہ اسماء کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ علامہ دشتانی ابی مالکیؒ نے مزید لکھا ہے کہ ''محمد'' حمد سے ماخوذ ہے اور مفعل کے وزن پر اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے ''بہت زیادہ حمد کیا ہوا۔'' اس کائنات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اسم کے سب سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ایسی حمد کی ہے جو کسی اور شخص کی نہیں کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ محامد عطا فرمائے ہیں جو کسی اور کو عطاء نہیں فرمائے اور روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ چیزیں الہام کرے گا جو کسی اور کو الہام نہیں کرے گا۔ پھر جس شخص میں خصال محمودہ کامل ہوں اس کو محمد کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بات تکثیر کے لیے ہے یعنی جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے وہ ''محمد'' ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل کسی اور شخص کا نام ''محمد'' نہیں رکھا گیا، جیسے سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے قبل کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا تھا۔'' (۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ''احمد'' تھے اور اس کے بعد ''محمد'' ہوئے کیونکہ پہلی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمد تھا اور قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد ہے اور آپ نے لوگوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اسی طرح آپ آخرت میں سب سے پہلے حق تعالیٰ شانہ کی حمد کریں گے اور اس کے بعد شفاعت کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر لوگ اللہ کی حمد کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ الحمد، لواء الحمد اور مقام محمود کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کھانے پینے، دعا اور سفر سے واپسی کے بعد آپ کے لیے حمد مشروع کی گئی۔ آپ کی امت کا نام ''حمادون'' رکھا گیا

۱۔ ترجمان السنه: ۱ / ۴۵۱

۲۔ اکمال اکمال العلم شرح صحیح مسلم: ۶ / ۱۴۲، لابی عبدالله محمدبن خلفه دشتانی ابی مالکیؒ

ہے اور آپ کے لیے حمد کے تمام معانی اور اقسام جمع کیے گئے ہیں۔" (۱)

ملا علی القاری رحمہ اللہ الباری لفظ محمد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"محمد" تحمید کا اسم مفعول ہے اس کی وصفیت سے اسمیت کی طرف مبالغۃً نقل کیا گیا ہے۔ خصال محمودہ کی کثرت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد رکھا گیا ہے یا پھر اس لیے کہ آپ کی بار بار حمد کی جاتی ہے، یا پھر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہت حمد کرے گا۔ اسی طرح ملائکہ، انبیاء اور اولیاء آپ کی حمد کریں گے، یا پھر نیک فال کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا گیا، یا پھر اس لیے کہ اولین و آخرین آپ کی حمد کریں گے، اور قیامت کے روز تمام اولین و آخرین آپ کی حمد کے جھنڈے تلے ہوں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کے دل میں یہ الہام کیا کہ وہ آپ کا نام محمد رکھیں۔

"احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء بیان کرتے ہوئے "محمد" کو "احمد" پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ "محمد"، "احمد" سے زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے بلکہ ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے آپ کا نام محمد رکھا گیا۔ اور کعب الاحبار نے روایت کیا ہے کہ عرش رحمٰن کے پائے پر سات آسمانوں، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوروں کے سینوں پر، جنت کے درختوں پر اور درختوں کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان "محمد" لکھا ہوا ہے۔ اس نام کو تمام ناموں پر فضیلت ہے۔ ابونعیم ہی نے روایت کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: "مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جو شخص تمہارا نام رکھے گا میں اس کو جہنم میں نہیں ڈالوں گا۔" اور یہ بھی روایت ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا میں اس کو جہنم میں نہیں ڈالوں

۱۔ فتح الباری: ۶ / ۵۵۵

گا۔ اور علامہ دیلمیؒ نے سیدنا علیؓ سے روایت کیا ہے کہ جس دستر خوان پر محمد یا احمد نام کا شخص ہوگا میں اس گھر کو دن میں دو بار پاک کروں گا۔
ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ کی نبوت کی علامات میں سے یہ علامت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا: "لم نجعل لہ من قبل سمیاً" ان سے پہلے ہم نے یہ نام نہیں رکھا۔ البتہ جب ان کی ولادت کا زمانہ قریب آیا اور اہل کتاب نے ان کی ولادت کے زمانہ کے قریب آنے کی بشارت دی تو بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کا نام "محمد" رکھا کہ شاید ان میں سے کوئی وہ نبی ہو، لیکن اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کو رسول بنانا ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ پندرہ بچوں کا نام محمد رکھا گیا۔" (١)

چونکہ حمد کسی حسن اور کمال پر کی جاتی ہے اور آپ علی الاطلاق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علی الاطلاق حسن اور کمال ہیں۔ اگر آپ میں کسی اعتبار سے کوئی عیب یا نقص ہوتا تو آپ علی الاطلاق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے کیونکہ نقص اور عیب کی تعریف اور حمد نہیں ہوتی بلکہ مذمت ہوتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی زید یا بکر نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی وجہ سے کوئی عیب ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو علی الاطلاق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ کہتے۔ یہ بات مشرکین مکہ کے علم میں بھی تھی۔ وہ آپ میں عیب نکالتے اور پھر آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہتے۔ انہیں خیال آیا کہ محمد کہہ دینے سے تو آپ میں ہر عیب کی نفی ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ آپ کو "مذمم" کہنے لگے کہ مذمم ایسا ہے، ویسا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو ارشاد فرمایا: "وہ مجھ میں عیب نہیں نکالتے کسی مذمم میں عیب نکالتے ہیں میں "مذمم" نہیں "محمد" ہوں۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَا تَعْجَبُوْنَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَ

١۔ جمع الوسائل، ملا علی القاری: ٢ / ٢٢٦۔٢٢٧

﴿لَعَنَهُمْ، يَشْتُمُونَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّماً وَأَنَا مُحَمَّدٌ﴾ (۱)

''کیا تم اس بات پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قریش کے سب وشتم کو کس طرح دور کر دیا۔ وہ مذمم کو برا کہتے ہیں اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد ﷺ ہوں۔''

اسی طرح لفظ احمد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مناویؒ نے لکھا ہے کہ

''احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی اس انتہاء پر پہنچتا ہے جس کے بعد کوئی انتہاء نہ ہو۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام حمد کرنے والوں سے زیادہ اپنے رب کی حمد کرنے والا، قیامت کے دن حمد کا جھنڈا (لواء الحمد) آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا اور میدان حشر میں آپ ﷺ ہی کی حمد مشہور ہوگی اور مقام محمود کا منصب بھی آپ ﷺ ہی کو حاصل ہوگا۔''(۲)

اسی طرح ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں:

''قیامت کے روز آپ کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ایسے کلمات عطاء ہوں گے جو آپ سے پہلے کسی اور کو نہ ملے ہوں گے۔ آپ ان کلمات کے ساتھ اللہ جل شانہ کی حمد کریں گے اور آپ کو لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) عطا کیا جائے گا۔ جب تک آپ اپنے رب کی حمد کر کے احمد نہیں ہوئے اس وقت تک محمد نہیں ہوئے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: ''اے اللہ! مجھے امت محمد ﷺ میں کر دے۔'' سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا میں اپنے بعد میں آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا کیونکہ آپ ﷺ نے تمام لوگوں سے قبل اللہ تعالیٰ کی حمد کی تھی۔''(۳)

۱۔ بخاری: ۱ / ۵۰۱

۲۔ شرح الشمائل علی هامش جمع الوسائل: ۲ / ۲۲۷

۳۔ جمع الوسائل: ۲ / ۲۲۷، ملا علی القاری

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سے وفات کی وجہ سے کسی شے کا خارج نہ ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی شے آپ کی ملکیت (Property) سے خارج نہیں ہوتی جب کہ موت کا ایک سریع (Abrupt) اور صریح اثر یہ ہوتا ہے کہ میت کی ہر شے اس کی ملک سے نکل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے کتابوں میں عام لوگوں کے بارے میں یہ باب ہے کہ ''جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا مال اس کی ملک میں نہیں رہتا۔'' (۱)

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا مال آپ کی ملک سے نہ نکلا۔ چنانچہ محدثین نے حدیث کی کتابوں میں اس مضمون کے ابواب باندھے:

﴿بَابُ مَا كَانَ مَالُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ قَائِمًا نَفَقَتُهُ وَمِلْكُهُ﴾ (۲)

اور بخاری میں سیدنا ابوہریرہؓ کی یہ روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے وارث آپس میں مال تقسیم نہ کریں گے۔ اپنی ازواج کے نفقہ (Alimony) اور عامل کی مزدوری کے بعد جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے''۔ (۳)

۱۔ مجمع الزوائد: ۴ / ۲۲۶

۲۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، باب ایضاً: ۷ / ۶۴

۳۔ بخاری، کتاب الفرائض باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانورث ماترکنا صدقۃ: ۲ / ۹۹۶

یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات کے لیے کوئی عدت نہیں ہے اور وہ تا حیات حضور علیہ السلام کے اموال میں سے نفقہ کی حق دار ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے مال سے وراثت تقسیم نہ کی گئی جب کہ ہر انسان کے مرنے کے بعد اس کی بیوی یا بیویاں متوفی کے مال میں سے تا انقضائے عدت حق دار ہیں۔ اور متوفی کی وراثت فوری طور پر تقسیم ہو گی لیکن پیغمبر اس معاملہ سے مستثنیٰ ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ ﷺ
کی آواز کا دور تک قابل سماعت ہونا

آپ ﷺ کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی جہاں کسی دوسرے کی آواز نہیں پہنچتی۔ کسی بھی آواز میں دو خوبیاں ہوتی ہیں:

(۱) خوش الحان ہو۔

(۲) بلند آواز ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی زبان میں حق تعالیٰ شانہ، نے یہ دونوں خوبیاں رکھی تھی۔ آپ خوش الحان بھی تھے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: ایک رات سرکار دو عالم ﷺ نے عشاء کی نماز میں والتین کی سورت تلاوت فرمائی۔ میں نے آج تک اتنی شیریں اور خوش الحان آواز کسی کی نہیں سنی۔

پھر آپ کی آواز میں بلندی بھی تھی اور بلندی بھی ایک عجیب قسم کی تھی جس میں شیرینی گھول رکھی تھی۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ کے لیے تشریف فرما تھے۔ کچھ لوگ باہر کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ (اجلسوا) آپ کی یہ آواز سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کے کانوں میں بھی پہنچ گئی جو اس وقت جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے۔ آپ ﷺ کی آواز جونہی کان میں پہنچی فوراً وہیں بیٹھ گئے۔

اور اسی سلسلہ میں ایک اور روایت ہے جو ابن سعد نے طبقات میں اور سیوطی نے خصائص میں نقل کی ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن معاذؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے منیٰ میں ہمیں خطبہ دیا تو اس کے سننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان اس طرح کھول دیے کہ ہم تمام لوگ جہاں جہاں تھے وہیں آپ ﷺ کی آواز سن رہے تھے۔

ہوا کی موافقت اور مخالفت سے آواز کی بلندی اور پستی اور دور تک آواز پہنچنے اور نہ پہنچنے کا فرق تو عام انسانوں میں بھی ہو جاتا ہے' لیکن اس معمول کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز منیٰ میں ہر ہر خیمہ میں اس طرح جا پہنچی جیسے کہ آپ یہاں کھڑے ہوئے بات کر رہے ہیں۔ یہ صحابہ کرامؓ کی ذہانت اور فطانت تھی کہ انہوں نے آپ کی اس غیر معمولی آواز کو نہ تو ہوا کی موافقت کا کرشمہ سمجھا اور نہ ہی اس کو غیر معقول تصور کیا بلکہ نہایت آسانی کے ساتھ اس کو یوں حل کر دیا کہ جس خدا نے ہم کو ایک محدود فاصلہ پر شنوائی کی قوت عطا فرمائی ہے اس نے آج اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر شنوائی (Hearing) کی قوت بخش دی ہے۔

اسی طرح سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ دور دراز محلوں کی خواتین نے بھی اپنے پردوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خطبہ سنا۔

طبرانی اور ترمذی میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گفتگو فرمایا کرتے تو یوں محسوس ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک سے نور کی نہریں بہ رہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز بہت دور تک سنائی دیتی تھی۔ کسی دوسرے شخص کی آواز اتنی دور تک نہیں سنائی دیتی تھی۔ (۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلہم

۱۔ یہ تمام احادیث السیرۃ النبویہ زینی وحلان : ۳ / ۲۱۰،۰۹ سے منقول ہیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نہ سونا

عام انسانوں کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں تو سوتی تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل نہیں سوتا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیھا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا نماز وتر پڑھنے سے قبل آپ سو جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ! صرف میری آنکھیں سوتی ہیں' میرا دل نہیں سوتا۔ (۱)

علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت تیقظ (Wakefulness) دائمی ہوتی تھی نہ کہ صرف حالت نوم (State of Sleep) پر منحصر تھی۔ اوپر والی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ کو یہ معلوم تھا کہ سونے سے وضو جاتا رہتا ہے' اس لیے جو شخص بھی سو کر اٹھے اور اس کا ارادہ نماز پڑھنے کا ہو تو اس کے لیے وضو کرنا لازمی ہے' لیکن جب آپ نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو جاتے ہیں اور پھر وضو کیے بغیر وتر پڑھ لیتے ہیں' تو سیدہ عائشہؓ نے ادب کے تقاضا کے تحت یہ نہیں کہا کہ آپ وضوء کیوں نہیں فرماتے؟ بلکہ یہ کہا کہ آپ نماز سے قبل سو جاتے ہیں تو پھر اٹھ کر وضو کیے بغیر نماز ادا کر سکتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ آپ کی نیند کی خصوصیات سے واقف نہ تھیں' تبھی تو یہ سوال کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا! ہم انبیاء کا گروہ جو ہے' اس کی صرف آنکھیں سوتی ہیں' دل نہیں سوتے۔ (۲)

۱۔ بخاری جلد ۱ ص

۲۔ خصائص کبریٰ

اسی مضمون کی ایک روایت بخاری میں بھی ہے۔

بیداری کی حالت میں تو عام انسانوں کے دل بھی بیدار رہتے ہیں۔ اور یہ وہ بیداری ہوتی ہے جو دیکھنے والے کو تو نظر نہیں آتی لیکن اس میں سارا عالم غیب ان کی نگاہوں کے سامنے کھلا ہوتا ہے۔ گویا عام انسانوں پر جن حالات میں پوری غفلت طاری ہوتی ہے انبیاء کرام علیہم السلام ان حالات میں بھی پورے ہوشیار رہتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب استراحت میں ہوتے تو ہم آپ کو اس وقت تک بیدار نہیں کرتے تھے جب تک کہ آپ خود بیدار نہ ہو جائیں۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواب سے جگاتے اس لیے نہ تھے کہ معلوم نہیں آپ پر کیا کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں اور آپ کو جگا کر وہ اس میں حارج نہ ہو جائیں۔

جب انبیاء کی نیند کا یہ حال ہے تو ان کی موت کا اسی سے اندازہ فرمالیں کہ وہ دوسرے انسانوں سے کس قدر مختلف ہوگی۔ اسی لیے فرمایا:

﴿اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ﴾ (۲)

''انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔''

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ مسلم: ۱ / ۲۴۰، بخاری: ۲ / ۶۸۹

۲۔ مسند ابی یعلی: ۳/ ۳۷۹، مجمع الزوائد: ۸ / ۲۱۱، حیاۃ الانبیاء بیہقی: ص ۸

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پس پشت بھی دیکھنا

آپ جس طرح آگے سے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے سے بھی دیکھتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میرا قبلہ توجہ صرف سامنے کی طرف سمجھتے ہو' بخدا! تمہارا رکوع کرنا اور تمہارا قلبی خوف یعنی خشوع بھی مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا۔ میں تمہیں اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔ (۱)

ایک اور حدیث سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جماعت کھڑی ہوئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اپنی صفیں (Tows) سیدھی رکھا کرو اور خوب مل مل کر کھڑے ہو' کیونکہ میں تم لوگوں کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔ (۲)

سیدنا انسؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جماعت میں سیدھے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے سامنے کی طرف سے دیکھتا ہوں۔ (۳)

اپنے سامنے سے کسی شے کو دیکھ لینا ہر انسان کا خاصہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو آنکھیں دی ہیں وہ سامنے ہی سے دیکھتی ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، رقم الحدیث: ۴۰۱

۲۔ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، رقم الحدیث: ۴۰۲

۳۔ ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تسویۃ الصفوف، رقم الحدیث: ۵۷۳

کو سامنے اور پیچھے سے یکساں دیکھنے کی طاقت اور قوت عطا فرمائی تھی' چنانچہ سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس میں ایک شخص نے جو آخری صف میں کھڑا تھا' نماز میں کچھ کوتاہی کی۔ آپ ﷺ نے جب نماز سے سلام پھیرا تو اس شخص کو آواز دے کر فرمایا: اے فلاں! اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں؟ دیکھتا نہیں تو کیسی نماز پڑھتا ہے۔ تم لوگوں کا شاید یہ خیال ہوگا کہ جو کچھ تم نماز میں کرتے ہو۔ وہ مجھ سے پوشیدہ رہتا ہے۔ اللہ کی قسم' جیسا میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کوتاہی کرنے والا شخص نماز کی آخری صف میں کھڑا تھا اور پیغمبر علیہ السلام نے اس کو بھی دیکھ لیا۔ اور پھر یہ فرمایا کہ نماز میں تمہاری ہر ہر حرکت کا مجھے علم ہو جاتا ہے' وہ بھی کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ دیکھ کر۔ اس لیے آپ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ جس طرح میں سامنے سے دیکھتا ہوں ویسا ہی پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ اس بات کو ہمیں بغیر کسی تاویل (Interpretation) کے تسلیم کر لینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی شے بعید نہیں۔ جو اللہ قیامت کے روز قرآن حکیم کے مطابق ہاتھ پاؤں اور دیگر جوارح (Organs) کو قوت گویائی دے سکتا ہے۔ وہ پیغمبر علیہ السلام کو پشت سے بھی دکھلا سکتا ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ مسند احمد، فی کتاب مسند المکثرین، رقم الحدیث: ۹۴۲۰